چاندی کے گھاؤ
کرشن چندر

چاندی کا گھاؤ

(ناول)

کرشن چندر

رجت بک ہاؤس

۲-۳ چیتک ہاؤسنگ سوسائٹی، (پہلی منزل)
سیکٹر-۹ روہنی-دہلی-۱۱۰۰۸۵

HaSnain Sialvi

ناشر : اوپندر ناتھ

کمپوزر : ایشیا کمپیوٹر

پرنٹرز : فوٹو آفسیٹ پریس، بلیماران، دہلی

سن اشاعت : ۲۰۰۰

قیمت : ۲۰۰روپیہ

Chandi Ka Ghao
by
Krishan Chander
Rs. 200/-

Rajat Book House
36, Chetak Housing Society
(1st Floor) Aninsa Marg
Sector-9,Rohini-Delhi-85

شام کی نرم رو ہوا کسی حسینہ کے ریشمی دوپٹے کی طرح دھیرے دھیرے مچل رہی تھی۔ کھلن مرگ کی برف پوش چوٹیاں شفق میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ دیوداروں کے تنے طلائی ستونوں کی طرح چمک رہے تھے اور ایک ہلکا نارنجی غبار گل مرگ کی ساری وادی میں پھیل گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شفق سورج سے نہیں بلکہ زمین سے دھیرے دھیرے دھوئیں کی طرح اٹھ کر چاروں طرف پھیل رہی ہے فضا میں ایک سحر آمیز خاموشی طاری تھی۔ اور منوہر کو ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات چلتے چلتے تھم گئی ہو۔ خاموشی کے اس گہرے گداز، نرم اور ملائم وقفے میں منوہر نے اسے دیکھا۔

وہ شفق کی طلائی جھالروں کے درمیان دیودار کے ایک تنے سے لگی چپ چاپ کھلن مرگ کی اونچی برفیلی چوٹیوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی گردن اوپر کو اٹھی ہوئی تھی جس سے اس کا صراحی نما خم اور نمایاں ہو گیا تھا۔ اور دائیں رخسار کے گڑھے میں سنہرے بھنورے پڑتے تھے۔ بالوں کو جہاں جہاں شفق نے چھو لیا تھا وہاں سورج کی کرنوں کے لچھے سے بن گئے تھے۔ شام کی چھنتی ہوئی روشنی نے اس کے گرد ایک طلائی ہالہ سا بنا دیا تھا۔ شفق کی انگلیاں جہاں جہاں اس کے جسم کو چھو کر گزری تھیں اس کے خموں کو واضح کر گئی تھیں۔ ٹھوڑی کا خم، گردن کا خم، سینے کا خم، کمر کا خم، کولہے کا خم، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شفق نے اپنی ساری شراب اس کے جسم پر انڈیل دی ہے۔ اور یہ شراب اس کے جسم سے پھسلتی ہوئی اس کے ہر خم اور ابھار کو واضح کرتی ہوئی فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔

منوہر اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا، وہ اس طرح خاموش بے حس و حرکت، اپنے سینوں میں کھوئی کھڑی تھی جیسے وہ کسی جگہ سے چل کے یہاں نہ آئی ہو بلکہ دیودار کے پیڑ کی طرح اسی جگہ سے اگی ہو۔ ایک لمحے کے لیے منوہر کے دل میں یہ خیال گزرا، دوسرے لمحے میں

اس کی گلابی پھولوں والی قمیض کے شانے سے دوپٹہ پھسلا اور ہوا کے دوش پر کسی سنہرے ریشمی جال کی طرح لہریں لیتا ہوا اڑنے لگا۔ لڑکی کے جسم میں حرکت آگئی۔ اس کے منہ سے ایک دبی سی چیخ نکلی۔ اس کا ایک ھات اوپر اٹھا۔ ایک قدم آگے بڑھا۔

دوپٹہ منوہر کے چہرے پر گرا اور ایک لمحے کے لئے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے لڑکی کی لمبی لمبی سنہری انگلیوں نے دھیرے سے اس کے چہرے کو چھولیا ہو۔ اس دوپٹے کے لمس کی لذت کو محسوس کرتے ہوئے منوہر نے دھیرے سے دوپٹے کو اپنے چہرے سے الگ کیا اور دوپٹہ ھات میں لے کر آگے بڑھا۔

اب لڑکی دیودار کے تنے سے لگی کھڑی تھی۔ جب منوہر نے خاموشی سے دوپٹہ اس کی طرف بڑھایا تو پہلے تو اس کا چہرہ فق ہو گیا پھر ایک گہری سرخی کی رو اس کے رخساروں پر چھاگئی اور اس نے اپنی لمبی لمبی پلکیں نیچی کر کے منوہر کا شکریہ ادا کیا۔

منوہر نے کہا" شکریئے کے عوض میں کیا آپ کا ایک فوٹو کھینچ سکتا ہوں "؟

"کیوں "؟لڑکی نے گھبرا کر پوچھا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے یہ مرغزار' یہ گلزار وادی' یہ شفق زار شام کسی کے انتظار کے میں تھی۔ تم آگئیں تو گل مرگ کا یہ کونا' وقت کا یہ لمحہ' فطرت کا یہ حصہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا۔ اپنے آپ کو ہٹا کے دیکھو۔ یہ منظر غیر مکمل رہ جائے گا"۔

"اپنے آپ کو ہٹانا تو پڑے گا ہی "!لڑکی نے جواب دیا۔

"جب تک وقت کا یہ لمحہ اپنی تکمیل کی حدوں سے گزر جائے گا"! منوہر نے کہتے کہتے لڑکی کا فوٹو لے لیا۔ کیمرے میں ریل چند ثانیوں کے لئے چلی پھر ایک کھٹکے سے بند ہو گئی۔

"یہ کس طرح کا کیمرہ ہے "؟لڑکی نے پوچھا۔

"یہ فلم کا کیمرہ ہے "!منوہر نے جواب دیا۔

"تم فلم بناتے ہو "؟لڑکی کی خوابیدہ آنکھیں حیرت سے کھلنے لگیں۔ وہ ایک نئے تجسس سے منوہر کو دیکھ رہی تھی۔

"میں فلم بناتا نہیں ہوں۔ فلم کی تصویر لیتا ہوں یعنی میں فلم کا کیمرہ مین ہوں "۔

"اوہ "!لڑکی نے حیرت سے کہا۔ اور پھر منوہر کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"کیا تم یہاں کوئی فلم بنانے آئے ہو "؟

"ہاں"!

"کون سی فلم"؟

"ابھی اس کا نام نہیں رکھا گیا ہے مگر ڈائریکٹر کہتا ہے کہ فلم کے نام میں پہلے دل آنا چاہئے۔ اب تک اس نے جو فلمیں بنائی ہیں ان کے نام ہیں دل دیوانہ' دل مستانہ' دل پروانہ' چوتھی پکچر بھی وہ اسی سے ملتے جلتے نام کی بنانا چاہتا ہے۔ مگر اسے کوئی مناسب نام نہیں ملتا۔ میرے ڈائریکٹر نے اس آدمی کے لئے پانچ سو روپے کا انعام رکھا ہے جو اسے اس فلم کے لئے دل دیوانہ دل مستانہ دل پروانہ سے ملتا جلتا نام بتائے گا"۔

"دل روانہ" لڑکی کھل کھلا کر ہنس پڑی اور منوہر کو ایسا لگا جیسے ایک طلائی پھلجھڑی ہوا میں لوٹ کر بکھر گئی۔

منوہر نے سنجیدہ رو ہوکر کہا۔ "مذاق کی بات نہیں۔ دل روانہ' واقعی بہت اچھا نام ہے۔ حیرت ہے میرے ڈائریکٹر کو اب تک یہ نام کیوں نہیں سوجھا۔ میں آج ہی اسے بتاؤں گا اور اگر اسے یہ نام پسند آگیا تو وہ تمہیں پانچ سو روپے انعام ضرور دے گا۔ دل دیوانہ' دل مستانہ' دل پروانہ کے بعد دل روانہ اچھا نام معلوم ہوتا ہے!"

منوہر نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈائری اور ایک پنسل نکالی اور بولا۔

"تمہارا نام؟"

"میرا نام بلبل ہے!"

"کہاں رہتی ہو؟"

"ویلی ویو میں!"

لڑکی نے نچلی گھاتی کی طرف اشارہ کیا جہاں دیودار اور یوکلپٹس کے پیڑوں کے جھنڈ میں گھرے ہوئے ایک خوشنما بنگلے کی چھت اور اس کی چمنی نظر آرہی تھی۔

پتہ لکھ کر منوہر نے ڈائری جیب میں رکھی تو بلبل نے پوچھا:

"تمہاری پکچر کی ہیروئن اور ہیرو بھی ساتھ آئے ہیں؟"

"نہیں!"

منوہر بولا:

"وہ لوگ تو ابھی بمبئی میں ہیں۔ میں اور ڈائریکٹر گوردھن رستوگی اپنی فلم کے لئے مناسب جگہیں دیکھنے کے لئے یہاں آگئے ہیں۔ جب ہم دونوں جگہیں طے کرلیں گے تو تار دے کر اپنے فلم یونٹ کو یہاں بلوا لیں گے۔ پھر شوٹنگ شروع ہو جائے گی"۔

"کتنے دن میں؟" بلبل نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔

"کوئی پندرہ بیس دن میں"!

"آہا!" بلبل تالی بجا کر بولی۔ "تب تو ہم تمہاری شوٹنگ دیکھیں گے۔ ہم یہاں ابھی ڈیڑھ ماہ اور ٹھہریں گے! میں نے آج تک کسی فلم کی شوٹنگ نہیں دیکھی۔ میری ممی کو بھی شوٹنگ دیکھنے کا بہت شوق ہے"۔

بلبل خوشی سے تقریباً ناچنے لگی۔

منوہر نے اس کی باتوں اور جسم سے اندازہ کیا کہ اس کی عمر کسی طرح اٹھارہ بیس سال سے زیادہ نہیں ہے۔

"تم پڑھتی ہو؟" منوہر نے پوچھا۔

"سینٹ میریز میں شملے میں"۔

"اور تمہارے پتا' وہ تو نہیں پڑھتے ہیں"۔

"بلبل نے ہنس کر کہا۔ "بڑے بدھو ہو جی تم۔ وہ تو میرے پتا کی لدھیانے میں جرابوں کی فیکٹری ہے"!

"جراب کی فیکٹری بہت عمدہ ہوتی ہے"! منوہر نے سر ہلا کر کہا۔

"اس میں تین سو مزدور کام کرتے ہیں"۔ بلبل رعب جھاڑتے ہوئے بولی۔

"تین سو مزدور بہت ہوتے ہیں"! منوہر نے اقرار کیا۔

"اور ہم لوگ ہر سال گل مرگ آتے ہیں"! بلبل نے مزید اسے بتایا۔

"آنے کے لئے گل مرگ بہترین جگہ ہے"! منوہر نے تائید کی۔

"کیا میں تمہارے دو ایک فوٹو اور لے سکتا ہوں؟"

"لے لو۔ مگر ممی اور پپا کو معلوم نہ ہونا چاہئے!"

منوہر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہ تمہارے اور میرے درمیان راز رہے گا!"

منوہر نے مختلف پوز میں بلبل کو گھماتے ہوئے اپنا کیمرہ گھمایا کیمرہ گھماتے ہوئے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنی زندگی میں ایسی خوبصورت لڑکی آج تک نہ دیکھی تھی۔ اس کے چہرے کے دل آویز خدوخال' کیمرے کے ہر زاویئے پر پورے اترتے معلوم ہوتے تھے۔ جسم کا ہر خم ایسا لگتا تھا گویا بلیڈ کی دھار سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ کیمرے کی ہر ضرورت کے مطابق کیمیں پر ایک انچ کے ہزارویں حصے کی کمی بیشی کی گنجائش معلوم نہ ہوتی تھی۔ اور لڑکی کی الہڑ اداوں میں' اس کی فطری حرکات و سکنات میں کیسی غیر معمولی کشش تھی جیسے اس کے جسم کا ذرہ ذرہ کسی غیر معمولی مقناطیس سے بنا ہو۔
ہر بار اس کے قریب جاتے ہوئے منوہر اپنے دل میں اسے چھونے کی خواہش کو ابھرتے ہوئے پاتا۔ اور بڑی مشکل سے اس خواہش کو دبا دیتا۔
جب بہت سے پوز لے کر منوہر نے کیمرہ بند کیا تو بلبل نے پوچھا "میں اس فلم کو دیکھ سکتی ہوں!"
"ایک ہفتے کے بعد!" منوہر نے کہا۔ "اچھا!" لڑکی نے آہستہ سے کہا اور دونوں ھات جوڑ دیئے' جیسے کہہ رہی ہو
اب انٹرویو ختم ہوا تشریف لے جائیے!
"اچھا" منوہر نے بوجھل دل سے کہا جیسے اس کا دل وہاں سے جانے کو نہ چاہتا ہو مگر اس نے بھی جانے کی تیاری کرتے ہوئے ھات جوڑ دیئے جیسے کہنا چاہتا ہو: اب جاؤں تو کیسے؟
اتنے میں زور کی ایک آواز آئی۔
"بلبل!"
اور دونوں نے مڑ کر دیکھا۔
بغل کی گھاٹی سے ایک نوجوان ابھرا تھا لمبا اور سانولا اور کسی قدر دبلا اور وہ اپنے دونوں ھاتوں میں پھولوں کے گچھے اٹھائے دوڑتا چلا آرہا تھا۔ اس نے سیاہی مائل بھورے رنگ کی ایک پتلون پہن رکھی تھی۔ اور ہلکے گلابی رنگ کی بش شرٹ جس پر مور کے پنکھ بنے ہوئے تھے۔
وہ نوجوان دوڑتا دوڑتا آیا اور اپنے دونوں ھاتوں میں اٹھائے ہوئے نرگس کے پھولوں کے گچھے بلبل کے دوپٹے میں ڈالتے ہوئے بولا:

"دیکھو تمہارے لئے کیالایا ہوں؟"

بلبل کا دوپٹہ نرگس کے پھولوں سے بھر گیا۔ اس نوجوان نے بہت سے پھول بلبل کے سر پر ڈال دیئے۔ کچھ نرگس کے پھول بلبل کی زلفوں میں اٹک گئے اور دو ایک اسکے شانے سے الجھ گئے۔ بہت سے زمین پر گر پڑے۔ نوجوان کو والہانہ انداز میں دیکھ کر منوہر نے سمجھ لیا کہ اس نوجوان کو بلبل سے شدید محبت ہے۔ اس کی نگاہیں گویا بلبل کو کھائے جاتی تھیں۔

"ہائے کتنے پیارے پھول ہیں۔" بلبل خوشی سے چیخی۔ "کہاں سے لائے ہو؟"

"نیچے کی گھاٹی پر مل گئے تھے۔ مگر یہ کون ہے؟"

نوجوان نے منوہر کی طرف گھورتے ہوئے پوچھا۔

بلبل نے مسکرا کر پوچھا "کون ہو جی تم؟۔ اور کیا تمہارا نام ہے؟"

"میرا نام منوہر ہے۔"

منوہر نے اپنی مسکراہٹ کو دباتے ہوئے سنجیدہ رو ہو کر کہا۔

"یہ منوہر ہے!" بلبل نے اس نوجوان کو بتایا۔

"اور یہ ایک فلم کا کیمرہ مین ہے۔ اور یہ"

لڑکی نے نوجوان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ پرکاش رندھاوا ہے بھاکڑہ ننگل ڈیم پر انجینئر ہے!"

"اوہ ڈیم!"

منوہر نے اپنے دل ہی دل میں کہا مگر دل پر ضبط کر کے ایک خوشنما مسکراہٹ ہونٹوں پر لا کر کہا۔

"نمستے!"

"نمستے!"

اس نوجوان نے بڑے کھردرے لہجے میں کہا' اور پھر منوہر کی طرف پیٹھ کر کے بلبل سے کہنے لگا۔

"چلو گھر چلیں!"

اور پھر بلبل کو مڑ کر نمستے کہنے کا موقع تک نہ دے کر وہ بلبل کا ہاتھ پکڑ کر گھاٹی کے نیچے ویلی ویو کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک دوسرے کا ہات پکڑے ہوئے وہ دونوں، بلبل اور پر کاش بچوں کی طرح بھاگتے ہوئے نیچے گھاٹی کی اوٹ میں غائب ہو گئے اور دیودار کے تنے سے لگا منوہر سوچنے لگا۔ شفق پر سرمئی رنگ کی چادر کیوں چڑھتی جارہی ہے۔ شام کا سناٹا اتنا گہرا اور اداس کیوں ہو گیا ہے؟

یکایک اس کے سارے جسم میں خنکی کی ایک جھرجھری سی آئی اس نے اپنے گرم کوٹ کے کالر کو اوپر اٹھالیا، اور کیمرے کو سنبھالتے ہوئے مڑ کر اس پگڈنڈی پر ہو لیا جو نیڈوز ہوٹل کو جاتی تھی۔

ویلی ویو کے پھولوں سے گھرے ہوئے لان میں ایک آفتابی چھتری کے نیچے جنک رائے اور اس کی بیوی شاردا شام کی چائے پی رہے تھے جنک رائے نے پوچھا۔

"بچے کہاں ہیں؟"

"کنول اور کوشی تو بازار گئے ہیں۔" اس کی بیوی شاردا نے کہا۔

"ہوم ورک کے لئے کاپیاں خریدنے کے لئے۔"

کنول دس سال کا لڑکا تھا۔ کوشی آٹھ سال کی لڑکی تھی۔ دونوں بچے بے حد شریر اور کھلنڈرے تھے۔ ہوم ورک تو محض ایک بہانہ تھا بازار کی سیر مقصود تھی۔ اس لیے وہ لنچ کے بعد ہی سے غائب تھے۔

"اکیلے گئے ہیں؟" جنک رائے نے پوچھا۔

"نہیں نوکر ساتھ بھیج دیا تھا۔" شاردا بولی۔

"اور بلبل کہاں ہے؟"

"پرکاش کے ساتھ اوپر گھاٹی پر سن سیٹ دیکھنے گئی ہے۔"

"اکیلے۔"

شاردا نے آنکھیں اٹھا کر حیرت سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ جب شام کے وقت ایک نوجوان اپنی منگیتر کے ساتھ غروب آفتاب کا نظارہ دیکھنے جانے کا ارادہ ظاہر کرے اس وقت لڑکی کی ماں ان کے ساتھ جا کے کیا کر سکتی ہے؟

"تمہیں ان دونوں کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔"

میں اپنی نائیلن کی ساڑھیاں دھو رہی تھی۔"

شاردا ذرا بے چین لہجے میں بولی۔

"تمہیں تو معلوم ہے کہ گل مرگ میں کپڑے کی دھلائی کا کیسا انتظام ہے؟"
"چائے کا وقت گزرا جا رہا ہے اور اب تو آفتاب بھی غروب ہو گیا۔"
"پر کاش کوئی غیر نہیں ہے بلبل کا منگیتر ہے!" شاردا نے اپنے بچاؤ میں کہا۔
"اگلے برس بیساکھ میں دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔"
"پھر بھی تمہیں ان دونوں کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔"
جنک رائے نے بڑی سختی سے کہا۔ اور چائے پینے میں مصروف ہو گیا۔
شاردا کو جنک رائے کی سخت گیر طبیعت پسند نہ تھی۔ وہ ہر وقت حکم چلاتا تھا۔ کارخانے میں بھی اور گھر میں بھی اور چاہتا تھا کہ اسکے حکم کے بغیر گھر میں ایک پتہ تک نہ ہلے۔

جنک رائے کے خدوخال تیکھے تھے رنگ گورا تھا آنکھیں اجلی اور چمکدار تھیں اور ھات شاعروں کے سے تھے۔ مگر اس کا مزاج بے حد غیر شاعرانہ تھا۔
بخلاف اس کے شاردا شاعر مزاج عورت تھی وہ کاہل ست اور آرام طلب تھی۔
بلبل کی ماں ظاہر ہے کسی زمانے میں بے حد حسین رہی ہوگی مگر اب کھا کھا کے موٹی ہو گئی تھی۔ یوں ایسی موٹی بھی نہیں کہ لوگ مذاق کریں۔ مگر ہاں اس کا خوب صورت بدن کافی بھاری اور گداز ہو گیا تھا اور خم گولائیوں میں بدلتے جا رہے تھے۔
جنک رائے اسے بار بار اپنی خوراک پر کنٹرول کر کے بدن دبلا کرنے کو کہتا مگر ست الوجود شاردا ہنس کر ٹال دیتی۔ "مجھے کون سی دوسری شادی کرنی ہے۔" وہ مسکرا کر کہتی اور آنکھیں گھما کر بولتی۔ "اس پر تو یہ حال ہے کہ ہر وقت پیچھا لیتے ہو!"
"چھی شرم نہیں آتی تین بچوں کی ماں ہو گئی۔" جنک رائے نے خفا ہو کر کہا۔
"مگر اس وقت بچے کہاں بیٹھے ہیں؟"
شاردا گرم نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھ کر بولی۔ "موقع ہی کہاں ملتا ہے ہم دونوں کو اکیلے بیٹھنے کے لئے..."
پھر اس نے جلدی سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "چلو ہم بھی سن سیٹ دیکھنے چلیں کل۔"

"چھی!" جنک رائے نے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا:
"ابھی تک تیری بچوں والی عادتیں نہیں گئیں۔ تو اب تین بچوں کی ماں ہے! اگلے سال تیری لڑکی کی شادی ہوگی۔ اس سے اگلے سال تو نانی بن جائے گی۔ اور سوچتی ہے سن سیٹ

کی! اور میں یہ سوچ سوچ کے باؤلا ہوا جارہا ہوں کہ کارخانے میں پچھلے سال چالیس ہزار کا گھاٹا ہوا اور اس سال ساٹھ ہزار کا!"

"تمہارے پاس بہت روپیہ ہے پچھلی جنگ میں تم نے لاکھوں کمایا تھا!۔"

شاردا بڑی بے پروائی سے بولی۔

ایک لاکھ روپیہ جانتی ہو کتنا ہوتا ہے؟ ایک لاکھ روپیہ نو فی صدی کے حساب سے اگر سود پر اٹھایا جائے...

"لو تمہاری چہیتی آگئی!"

شاردا فوراً" بول اٹھی کیونکہ اس نے آنکھ کے کونے سے برآمدے کے موڑ سے بلبل اور پرکاش کو آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

آفتابی چھتری کے نیچے اپنے پپا اور ممی کو چائے پیتے دیکھ کر بلبل دونوں ہاتھوں میں نرگسی پھول لئے تیزی سے دوڑی اور ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی ہوئی آفتابی چھتری کے نیچے آگئی۔ پھول اس نے اپنی ممی کی گود میں ڈال دیئے۔ اور پپا کے ہاتھوں میں دے دیئے۔ پھر اس نے اپنے پپا کے رخسار چومے اور اپنی ممی کے شانے سے لگ گئی اور ایک سانس ہی میں بولتی چلی گئی۔ " پپا کتنے اچھے پھول ہیں۔ پرکاش نے میرے لئے نرگس کے پھول نچلی گھاٹی سے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے ڈھونڈے ہیں۔ اور سن سیٹ بہت خوبصورت تھی اور پرکاش بہت برا ہے یہ مجھے ایک دیودار کے پیڑ کے نیچے چھوڑ کر خود پھول ڈھونڈنے چلا گیا تھا۔ اور پھر وہاں پر ایک آدمی آیا اور ممی سن سیٹ کے ٹائم پر بالکل مجھے ایسا لگا جیسے میں پرستان میں پہنچ گئی ہوں۔ کل تم بھی میرے ساتھ ضرور چلنا ایسی پیاری سن سیٹ اور کسی پہاڑ پر نہیں ملتی اور اس آدمی کا نام منوہر تھا اور ممی ڈارلنگ تم کو ایک بھید بتاؤں تو تم خوشی سے اچھل پڑو گی ناچنے لگو گی تارا لالالا.... "بلبل اپنی ممی کو چھوڑ کر لان پر ناچنے لگی۔

"کیا ہے؟:"

شاردا بظاہر اپنی بیٹی سے تنگ کر مخاطب تھی مگر وہ اندر ہی اندر واری جارہی تھی کیونکہ اس کی بیٹی لان پر ناچتے ہوئے بے حد پیاری معلوم ہو رہی تھی۔ "گل مرگ میں شوٹنگ ہو رہی ہے"!

بلبل نے ناچتے ناچتے اعلان کیا۔

"تارارارالا.......۔"

"کب؟"

"کوئی پندرہ بیس روز کے بعد۔!"

"جھوٹی!"

شاردا کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"سچ کہتی ہوں وہ آدمی جو مجھے ابھی ابھی اوپر گھاٹی پر ملا تھا اس نے مجھے بتایا ہے' اس کا نام منوہر ہے اور وہ فلم کا کیمرہ مین ہے!"

"فلم کا ہیرو کون ہے"؟ شاردا نے بڑے چاؤ سے پوچھا۔

"یہ تو میں نے پوچھا نہیں!"

بلبل نے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں بجا کر کہا۔

"دھت تیرے کی پھر تو نے پوچھا کیا؟"

شاردا کا چہرہ اک دم بجھ سا گیا۔

پہلی بار جنک رائے کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ اس نے مڑ کر پرکاش رندھاوا سے کہا۔ "شاردا کو اشوک کمار بہت پسند ہے۔"

جنک رائے کی آواز میں تضحیک کا شائبہ سا تھا۔

"ہاں ہاں پسند ہے۔" شاردا چمک کر بولی۔ "آج سے نہیں تم سے شادی کرنے سے پہلے سے پسند ہے"

"تو تم اس سے شادی کر لیتی نا کس نے روکا تھا"؟ جنک رائے اسے چڑاتے ہوئے بولا۔

"اس کی شادی ہو چکی تھی نہیں تو کر لیتی" شاردا نے گردن اٹھا کر غصے سے کہا۔

بلبل آہستہ سے پرکاش سے بولی:

"دیکھو دیکھو پپا اور ممی کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہیں"!

بلبل نے آہستہ سے کہا تھا مگر اس کی بات ان لوگوں نے سن لی اور سنتے ہی قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور پرکاش رندھاوا بھی ان کی ہنسی میں شریک ہو گیا۔

شاردا نے نوکر سے کہہ کر گرم گرم چائے کی نئی کیتلی منگائی اور وہ لوگ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے!

"بھاکڑہ ننگل تو دنیا کا سب سے بڑا ڈیم ہو گا؟"

جنک رائے نے اپنے ہونے والے داماد سے پوچھا۔

"سب سے بڑا ڈیم تو نہیں ہے ہاں سب سے بڑا ڈیم کشمیر میں بن سکتا ہے۔"

پرکاش رندھاوا چائے پیتے پیتے بولا۔

"کہاں پر؟" جنک رائے نے پوچھا
"یہیں پر، کشمیر کی وادی سے جہلم گزرتا ہے اگر بارہ مولہ سے نیچے دریا کو لاک کر دیا جائے اور آس پاس کی پہاڑیوں پر بند باندھ دیا جائے تو کشمیر کی ساری وادی کو ایک جھیل کی صورت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ دنیا کی سب سے اونچی اور بڑی جھیل۔ اس جھیل سے اتنی بجلی پیدا کی جاسکے گی جس سے ہندوستان، پاکستان، افغانستان، ایران، سیلون، برما اور ملایا کے تمام کارخانوں اور بجلی گھروں کو بجلی مہیا کی جا سکتی ہے اور کروڑوں ایکڑ زمین سیراب کی جا سکتی ہے۔ اور میں نے اندازہ لگایا ہے کہ اس پوری سکیم کو عمل میں لانے کے لئے کشمیر کی وادی کے نیچے یہاں پر دریا کو لاک دینا پڑے گا!" پرکاش رندھاوا چمچے سے میز پر دنیا کا سب بڑا بند بنانے لگا اور اس کی تفصیل بتانے لگا، جو بلبل اور شاردا کے لئے بےحد خشک اور ناگوار تھی، مگر جنک رائے بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔
"اس اسکیم پر کتنا روپیہ خرچ آئے گا؟" جنک رائے نے پوچھا۔
"کوئی چھ ارب کے قریب!"
"چھ ارب! چھ ارب؟" جنک رائے نے مرعوب ہو کر کہا:
"تمہیں معلوم ہے چھ ارب کتنا ہوتا ہے۔ اب اگر چھ ارب روپے کو نونی صدی کے حساب سے......"
"میں تمہارے اس نونی صدی سے سخت عاجز ہوں!"
شاردا بیچ میں بول اٹھی۔
"کیوں بور کرتے ہو پرکاش؟"
بلبل نے بھی ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔
"اتنا بڑا بند باندھو گے تو کشمیر کے لوگوں کا کیا حال ہو گا؟"
"اور گل مرگ کی سن سیٹ کا؟" شاردا بولی
"اور کشمیر کے حسن کا؟"
"تم حسن کو کھا نہیں سکتیں۔" پرکاش نے کہا۔
"کیا ہر چیز کھانے کے لئے ہوتی ہے؟" بلبل نے پوچھا۔
"کھانا تو لدھیانے میں بہت ملتا ہے اور بھاکڑا ننگل پر بھی پھر ہم لوگ یہاں کیوں آئے؟"
"عورتیں سخت شاعر مزاج ہوتی ہیں"!
جنک رائے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے پرکاش سے کہا:

"چلو میرے کمرے میں چلو، مجھے تم سے اپنی فیکٹری کے بارے میں کچھ مشورہ کرنا ہے!"

جب وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے تو شاردا نے جلدی سے بلبل کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
"تم نے پوچھ لیا ہوتا ممکن ہے اشوک کمار آرہا ہو"!
"اب پوچھ لوں گی"!
بلبل نے مسکرا کر کہا اور پھر اپنی ماں کی طرف محظوظ نگاہوں سے دیکھ کر بولی:
"ممی کیا تم سچ مچ اشوک کمار پر عاشق تھیں؟"
"شادی سے پہلے میں نے اسے دو سو خط لکھے تھے"! ماں نے کہا۔
"اور اس نے کسی ایک خط کا جواب بھی نہیں دیا؟ بہت برا آدمی ہے وہ"!
بلبل غصے سے بولی۔
"نہیں بیٹی اسکے پاس میرا ایک خط بھی نہیں پہنچا؟"
"کیوں"؟
"میں رات کو ایک خط لکھتی تھی، صبح پھاڑ ڈالتی تھی"!
ماں نے آہ بھر کر کہا اور نگاہیں نیچی کر لیں۔
"ہائے ممی تم کتنی رومانٹک ہو"!
بلبل نے اپنی ماں کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔
"بالکل اسکول کی ایک لڑکی کی طرح جب میں تمہاری عمر کی تھی تو بالکل اسی طرح سوچا کرتی تھی!"
"ہاں اور اب تو تم دادی اماں بن چکی ہو نا؟"
شاردا آہ بھرتے ہوئے ہنس پڑی پھر وہ بھی اپنی کرسی سے اٹھ کر کہنے لگی۔
"اچھا میں دیکھ آؤں، الگنی پر کپڑے سوکھے ہیں کہ نہیں؟"
جب اس کی ماں چلی گئی تو بلبل کو یاد آیا کہ وہ اپنی ماں سے ان تصویروں کا ذکر کرنا بالکل بھول گئی جو منوہر نے اپنے کیمرے سے کھینچی تھیں۔
پھر اس نے سوچا وہ رات کو سوتے وقت اپنی ماں کو بتا دے گی۔
مگر رات کو سوتے وقت اسے عجیب سی جھجھک اور شرم سی محسوس ہوئی کچھ ڈر بھی لگا اور وہ کچھ بتائے بغیر ہی اپنے لحاف میں دبک کر سو گئی۔

پنڈوز ہوٹل کے ایک کمرے میں.........
سونے سے پہلے گوردھن رستوگی نے برانڈی کا ایک بڑا پیگ اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ اس کا چہرہ چقندر کی طرح سرخ ہو رہا تھا' وہ ھات ہلا ہلا کر اور بستر پر ٹانگیں لٹکا کر کہنے لگا: ''کیا ملک ہے یہ؟ کیا گل مرگ ہے تیرا؟ یہاں رنڈی ہی نہیں ملتی۔ شراب ملتی ہے 'مگر رنڈی نہیں ملتی!
''سو جاؤ!'' منوہر نے اپنے ڈائریکٹر سے کہا' جو نشے میں دھت تھا!
گوردھن بھڑک کر بولا۔
''ارے کیا سو جاؤ۔ ہم بولتا ہے رنڈی نہیں ملتی تم بولتا ہے سو جاؤ''!
''اپنی فلم اسٹوری کا دھیان کرو اور سو جاؤ۔'' کیمرہ مین اپنے ڈائریکٹر کو بہلاتے ہوئے بولا۔
''ہا۔ سالی فلم کی کہانی بھی رنڈی ہوتی ہے!
گوردھن رستوگی نشے میں مسکرا کر بولا۔
''کبھی چلتی ہے تو چلتی ہی جاتی ہے اور لاکھوں روپیہ کماتی ہے اور نہ چلے تو کسی طرح نہیں چلتی چاہے لاکھ میک اپ کرو عمدہ سے عمدہ لباس پہناؤ ایک دفعہ چھوڑ کے دس دفعہ ناچ نچاؤ اگر رنڈی کو نہیں چلنے کا ہے تو نہیں چلے گی کبھی نہیں چلے گی تو بالکل ٹھیک کہتا ہے دو ایک پیگ اور دے!''
''نہیں ملے گا! اب سو جاؤ! منوہر نے ایک ہلکا سا دھکا دے کر گوردھن رستوگی کو بستر پر گرا دیا۔ گرتے ہی رستوگی خراٹے لینے لگا۔ منوہر نے بتی بجھادی اور اپنے بستر پر آکر دراز ہو گیا۔ مگر اس اندھیرے میں بھی منوہر کو محسوس ہوا جیسے وہ کمرہ شفق سے رنگین' روشن اور لالہ زار ہے اور نارنجی سایوں میں رہ رہ کر ایک چہرہ مسکراتا ہے..... بلبل کا...

ایک ہفتے کے بعد جب وہ دونوں بند پر سرینگر میں چل رہے تھے، منوہر نے رستوگی سے کہا:
"میں تمہیں ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں"!
"کیا ہے؟" رستوگی نے اطمینان سے پوچھا۔
"ذرا قوبب کے سینما میں چلے چلو!" منوہر بولا۔
"اس وقت تو شو کا ٹائم نہیں ہے"۔ رستوگی بولا۔
"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں۔ ذرا سینما کے اندر چلے چلو!"
ہال خالی تھا۔ منوہر نے رستوگی کو ایک سیٹ پر بٹھا دیا اور خود اوپر پروجیکشن روم میں جاکر بات چیت کرکے واپس آگیا۔ اور رستوگی کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ہال میں اندھیرا ہوگیا تو رستوگی نے بیزاری سے کہا۔
"جانے کیا واہیات چیز دکھانے والے ہو ہمیشہ میرا وقت ضائع کرتے ہو!"
منوہر چپ رہا۔
یکایک فلم چلنے لگی۔ گلمرگ میں غروب آفتاب کا منظر تھا فلم رنگین تھی اس لئے غروب کی ساری خوب صورتی ابھر آئی تھی۔
"ہوں" رستوگی نے نتھنے پھلا کر کہا۔
"میں اس سے بہتر غروب آفتاب کی عکاسی دیکھ چکا ہوں کیوں میرا وقت ضائع کرتے ہو فلم بند کرادو!" رستوگی بیزاری سے اٹھنے ہی والا تھا کہ شاٹ تبدیل ہوا اور اس کے ہاتھ کرسی کی ہتھی پر جمے کے جمے رہ گئے اس کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ اس کے منہ سے دبی سی اک حیرت کی سیٹی کی سی آواز نکلی۔ پھر فلم ختم ہوگئی اور ہال میں روشنی ہوگئی۔
منوہر رستوگی کے چہرے کا ردعمل دیکھ رہا تھا۔ رستوگی حیرت سے سینما کے خالی پردے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے مڑا اور منوہر سے کہنے لگا۔
"تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟"

"فلم آج ہی دھل کر آئی ہے!"
"تم نے کبھی اس سے پہلے ذکر ہی نہیں کیا؟"
منوہر چپ رہا۔
"یہ فلم تم نے کہاں سے لی؟"
"گلمرگ میں!"
"وہ لڑکی کہاں ہے اس وقت؟" رستوگی نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔
"وہیں گلمرگ میں!"
"تو ہم اس وقت سری نگر میں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہیں الو؟" رستوگی غصے سے جھلا کر بولا۔
"ہمیں سری نگر میں اپنی فلم کے لئے اچھی اچھی جگہیں دیکھنا ہے۔ فلم کی شوٹنگ کے لئے لوکیشن نہیں دیکھو گے؟"
"بھاڑ میں جائے شوٹنگ اور لوکیشن!" رستوگی بھنا کر بولا۔
"تمہیں معلوم نہیں ہے تم نے کیسا چہرہ ڈھونڈھا ہے۔ دنیا کا حسین ترین چہرہ مارلن منرو کا بدن، گلوریا سوان کا حسن، کلوپیٹرا کی تمکنت، گریٹا گاربو کی اداکاری، باردو کی آتشیں جاذبیت.... یہ لڑکی سب کو دھو کے رکھ دے گی۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری میں آج تک ایسا چہرہ آیا ہی نہیں۔ اور یہ لڑکی گلمرگ میں تھی اور تم نے مجھے ایک حرف نہیں کہا!"
"میں اپنی رائے کی تم سے تصدیق چاہتا تھا!" منوہر نے خوش ہو کر کہا۔
"یہ لڑکی فلم انڈسٹری کی سب سے بڑی دریافت ہے!" رستوگی نے اعلان کیا۔
"اور اگر آج ہمیں یہ لڑکی گلمرگ میں نہ ملی تو میں تمہاری جان لے لوں گا!"
یہ کہہ کر رستوگی اپنی فلم کمپنی کی اسٹیشن ویگن میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے پوچھا:
"واپس ہوٹل میں؟"
"نہیں!" ۔رستوگی زور سے چلایا۔ "سیدھے گلمرگ!"

شام کو وہ لوگ ویلی ویو کے چھتے ہوئے برآمدے میں گلاب کی مہکتی ہوئی بیلوں کے درمیان چائے پی رہے تھے۔ اور رستوگی بلبل کے باپ سے کہہ رہا تھا:
"ہماری فلم کمپنی نے آپ کی لڑکی کا تجویز کردہ نام "دل روانہ" اپنی نئی فلم کے لیے منظور کر لیا ہے۔ اس لیے یہ پانچ سو روپیہ بطور انعام حاضر ہے!"

جنک رائے نے پانچ سو روپے جیب میں ڈالتے ہوئے کہا
"ایک نام کے لیے پانچ سو روپے؟"
"ہم اپنی فلم کی پبلسٹی کے لئے لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔" منوہر بولا: "اس لئے یہ پانچ سو روپے کی رقم بہت معمولی ہے جناب۔ اسے ایک حقیر سا تحفہ سمجھئے!"
منوہر نے بلبل کی طرف مسکرا کے کہا۔
بلبل خوش ہو کے مسکرائی۔
پرکاش رندھاوا کو یہ بات چیت بالکل پسند نہیں آرہی تھی، اسلئے اس نے جل کر کہا:

"حرام کا پیسہ ہوتا ہے صاحب جو جی چاہے دے دیجئے یہاں پوچھنے والا کون ہے؟"
"حرام کا پیسہ نہیں جناب!" رستوگی کو غصہ تو بہت آرہا تھا مگر وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولا: "گاڑھے پسینے کی کمائی ہے۔ اکیلے بمبئی میں ایک لاکھ آدمیوں کی دن رات کی محنت کی کمائی ہے۔ اگر آپ ہماری شوٹنگ۔۔۔ صرف ایک دن کی شوٹنگ ہی دیکھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم لوگ لگاتار دس بارہ گھنٹے کس محنت اور شدت سے کام کرتے ہیں۔"
"آپ کی شوٹنگ گلمرگ میں ہوگی؟" شاردا نے پوچھا۔
"ہاں!"
"کیا آپ کی پکچر میں اشوک کمار کام کرتا ہے؟" شاردا نے بے چین لہجے میں پوچھا۔
رستوگی نے اندازہ لگالیا بلبل کی ماں کے لہجے سے کہ اشوک کمار اماں کی کمزوری ہیں۔ حالاں کہ اشوک کمار پکچر میں نہیں تھا مگر پھر بھی اس نے بات بناتے ہوئے کہا۔
"اشوک کمار کے لئے بھی ایک رول ہے ہماری پکچر میں، اس سے بات چیت ہو رہی ہے ممکن ہے اشوک کمار بھی آجائے ممکن کیا مجھے تو بالکل یقین ہے میں نے کل ہی اشوک کمار کو تار دیا ہے!"
شاردا کا چہرہ مسرت سے کھل اٹھا۔ جنک رائے اپنی بیوی کے چہرے کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہوا۔
"شوٹنگ کب شروع ہوگی؟" جنک رائے نے پوچھا
"ایک ہفتے کے بعد!" رستوگی نے بتایا۔
"ایک ہفتے کے بعد تو ہم پہلگام میں ہوں گے!" پرکاش رندھاوا بولا: "کیوں ممی؟"
شاردا رک کر بولی:

"اب۔۔۔۔۔ایسا بھی۔۔۔۔۔کوئی ضروری نہیں ہے۔۔۔ ہم لوگ دو ہفتے کے بعد جا سکتے ہیں!"

"دو ہفتے کے بعد میری چھٹی ختم ہو جائے گی!" پر کاش رند ھاوا نے ذرا تیکھے لہجے میں جواب دیا۔

"کیا مضائقہ ہے!"

بلبل آہستہ سے بولی:

"تم یہاں دو ہفتے مزید رہ سکتے ہو۔ کیا نہیں؟ مجھے تو گلمرگ پہلگام سے اچھا معلوم ہوتا ہے 'کیوں ڈیڈی؟ ہم نے آج تک کسی پکچر کی شوٹنگ نہیں دیکھی ہم تو ضرور دیکھیں گے 'کیوں ممی؟ کیوں ڈیڈی؟"

"ہاں ہاں ضرور دکھائیں گے!"

ممی اور ڈیڈی فوراً" بول اٹھے:

"یعنی اگر رستوگی صاحب نے اجازت دی تو؟"

"کیوں نہیں؟" رستوگی ہنس کر بولا:

"آپ کی اپنی فلم کمپنی ہے۔ ہر روز دیکھئے شوٹنگ! ہیلن کا ناچ ہوگا دارا سنگھ اور کنگ کانگ کی فائٹ ہوگی اور ہندوستان کا سب سے خوبرو نوجوان شیو آنند ہماری فلم کا ہیرو ہے!"

"شیو آنند"؟ بلبل چیخ کر بولی اور زور زور سے تالی بجا کر کہنے لگی:

"آہا جی شیو آنند بھی آئے گا! تب تو میں ایک دن کے لئے بھی گلمرگ سے باہر نہیں جاؤں گی! ہائے شیو آنند تو میرا ڈارلنگ ہیرو ہے پر کاش تمہیں یاد ہے چڑیا کی چونچ میں اس نے بہترین اداکاری دکھائی تھی۔"

"جن لوگوں کا اپنا دماغ چڑیا کی چونچ جتنا ہے انہیں شیو آنند کی اداکاری بہت پسند آتی ہے!" پر کاش رند ھاوا بڑے کڑوے لہجے میں بولا۔ اور اٹھ کر وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ بلبل حیرت سے اپنے منگیتر کی پیٹھ کو دیکھتی رہی۔ پھر مڑ کر اپنی ممی سے کہنے لگی:

"پر کاش کو آج کیا ہوا ہے؟"

جنک رائے نے رستوگی کو بتایا:

"پر کاش بھاکڑا ننگل ڈیم پر انجینئر ہے۔ اسے فلمیں بالکل پسند نہیں ہیں!"

"اپنا اپنا شوق ہے!" منوہر نے جواب دیا۔

جنک رائے نے دوسرے دن کے دوپہر کے کھانے کے لئے رستوگی اور منوہر کو دعوت دی۔ جسے دونوں نے خوشی سے منظور کر لیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی۔ پھر دونوں رخصت ہوئے۔

ان کے جاتے ہی بلبل نے اپنے باپ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں اور بولی:

" پپا میں ان پانچ سو روپوں سے ایک لانگ کوٹ لوں گی!"

پپا بولے: "تمہارے پاس دو لانگ کوٹ پہلے سے موجود ہیں!"

"وہ دونوں پرانے ہو گئے ہیں۔ بالکل آؤٹ آف فیشن" بلبل تنک کر بولی:

"میں تو نیا لوں گی۔ سری نگر کاکس اینڈ کنگ کی دوکان پر میں نے ایک بہت ہی بڑھیا لانگ کوٹ دیکھا تھا۔ پانچ سو روپے کا تھا!"

"پانچ سو روپے جانتی ہو کتنے ہوتے ہیں؟"

جنک رائے بولا۔ "اگر پانچ سو روپے تم اپنے بنک میں رکھو فکسڈ ڈیپازٹ میں تو ساڑھے چار فیصدی سود کے حساب سے روپیہ بڑھتا جائے گا اور اگر مجھے فیکٹری میں لگانے دو تو نو فیصدی.........."

"چلا تمہارے ڈیڈی کا نو فیصدی۔" شاردا تحقیر آمیز لہجے میں مسکرا کر بولی۔

"تم عورتوں کو کیا معلوم روپیہ کس طرح کمایا جاتا ہے دو دو لانگ کوٹ پہلے سے موجود ہیں اب تیسرا نہیں لیا جائے گا بیٹی!"

جنک رائے فیصلہ کرتے ہوئے اٹھے: "اب اگلے سال!"

اگلے سال کا وعدہ کر کے جنک رائے جلدی سے اپنے کمرے میں چلے گئے کہ کہیں ماں بیٹی دونوں مل کر اس پانچ سو روپے پر ہاتھ صاف نہ کر دیں!

"انتہائی خراچ ہیں یہ دونوں عورتیں!"

جنک رائے نے اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے سوچا۔

اور اپنے ہوٹل کی طرف جاتے جاتے رستوگی نے منوہر سے کہا۔

"اپنے پروڈیوسر گلشن دیو کو تار دے دو کہ فوراً" ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کشمیر پہنچ جائے"

"کیوں؟" منوہر نے پوچھا۔

"لکھ دو کہ میں نے اپنی پکچر کے لیے نئی ہیروئن ڈھونڈ لی ہے!"

"یعنی میں نے!" منوہر نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کے کہا۔

"تم نے نہیں میں نے!" رستوگی نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

"مگر دریافت میں نے کی ہے!" منوہر بولا۔
"مگر پکچر کا ڈائریکٹر میں ہوں!" رستوگی بولا:
"احمق مت بنو جلدی سے تار دو ایک منٹ کی دیر مت کرو۔"
"ہو سکتا ہے لڑکی ہیروئن بننے سے انکار کر دے!"
"لڑکی سر کے بل ہیروئن بننے کے لئے آئے گی!"
"ہو سکتا ہے اس کے ماں باپ انکار کر دیں!"
منوہر نے اعتراض کیا۔
"تم لڑکی کے ماں باپ ہو؟" رستوگی گرج کر بولا۔
"وہ میں اور گلشن دیو مل کر طے کر لیں گے۔ اس کے ماں باپ کو پٹانا ہمارا کام ہے تم لڑکی کا چہرہ دیکھو!"
اگلے دن رستوگی اور منوہر نے ویلی ویو میں کھانا کھایا۔ اور دوسرے دن شام کے ڈنر کے لئے ویلی ویو والوں کو اپنے ہوٹل میں مدعو کیا۔ اس سے اگلے دن وہ سب لوگ ملکر کھلن مرگ پر پکنک منانے کے لئے گئے اور منوہر نے پکنک کے موقع پر ویلی ویو کے خاندان کی بہت سی تصویریں کھینچ ڈالیں۔ اور الگ سے بلبل کی بھی بہت سی تصویریں کھنچیں اور وہ دونوں بلبل کے خاندان والوں میں بہت جلد اچھی طرح گھل مل گئے۔ تیسرے دن سیٹھ گلشن دیو آگیا اس نے اپنے کیمرہ مین اور ڈائریکٹر سے نئی لڑکی کے بارے میں بات چیت کی لوکل سینما میں بلبل کا ٹسٹ دیکھا۔ اور اسی دن لڑکی کے باپ سے انٹرویو طے کیا۔ انٹرویو میں پہلے تو بلبل موجود تھی لیکن جب بزنس کی بات شروع ہوئی تو لڑکی کی ماں نے بلبل کو اٹھ جانے کے لیے کہا اور وہ اٹھلاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ سیٹھ گلشن دیو بولا:
"میرے ڈائریکٹر اور کیمرہ مین کو آپ کی لڑکی پسند ہے۔ وہ دونوں اس بات کے حق میں ہیں کہ آپ کی لڑکی کو اپنی فلم میں ہیروئن کا چانس دیا جائے!"
"ہیروئن؟" شاردا حیرت اور مسرت سے زور سے چیخی: "میری بٹی؟"
"ہاں ہاں تمہاری بچی اپنی بلبل!" جنک رائے نے اپنی بیوی کو سنجیدگی سے سمجھایا۔
"بات تو کرنے دو بات کرنے سے پہلے ہی چیخنا شروع کر دیتی ہو۔!"
"مگر میں اس کا منگیتر ہوں۔" پرکاش رندھا ہوا بولا!"
"مگر ابھی شادی تو نہیں ہوئی ہے!" جنک رائے نے اسے بھی کاٹا۔ "بات تو کرنے دو بھئی۔!" پھر گلشن دیو کی طرف مڑ کر کہنے لگا:

"کیامیں یہ سمجھوں کہ آپ میری بیٹی کو اپنی فلم میں ہیروئن لینا چاہتے ہیں؟"
"جی ہاں!" گلشن دیو بولا۔
"کن شرائط پر؟" جنک رائے نے پوچھا۔
"تین سال کا ایگریمنٹ ہوگا۔" گلشن دیو بولا۔
"تفصیل ہم بعد میں طے کرلیں گے۔ اس وقت موٹی موٹی باتیں بتاتا ہوں تین سال کا ایگریمنٹ ہوگا۔ بے بی کہیں باہر کام نہیں کر سکے گی!"
"بے بی کون؟" شاردا نے حیرت سے پوچھا۔
"آپ کی بچی اور کون؟" سیٹھ گلشن دیو نے جواب دیا۔
"بلبل تو بھگوان کی کرپا سے اس وقت بیس سال کی ہے وہ بے بی نہیں ہے!" شاردا بولی۔
گلشن دیو ہاتھ جوڑ کر بولا:
"ہمارے لئے تو وہ آج سے ماں ہے۔ بہن ہے۔ بیٹی ہے۔ بے بی ہے! جیسے آپ کی بے بی ہے ایسی میری بھی بے بی ہے! میں خود بال بچوں والا آدمی ہوں اس لئے دوسرے کی محبت سمجھتا ہوں! یہ لائن بہت ٹیڑھی ہے' اس میں آپ کو طرح طرح کے لالچ دینے والے دو کوڑی کے آدمی ملیں گے۔ مگر آپ بمبئی میں کسی سے بھی سیٹھ گلشن دیو کے بارے میں پوچھ تاچھ کر سکتے ہیں۔ بھگوان کی کرپا سے اب تک چالیس پکچر بنا چکا ہوں۔ انڈسٹری کے سب بڑے بڑے ہیرو اور ہیروئن لوگ نے میرے ہاتھ کے نیچے کام کیا ہے۔ ویسے تقدیر بنانے والا تو وہ اوپر والا ہے پر کوشش کرنا انسان کا کام ہے سو وہ میں کردوں گا۔ بے بی کو میں پہلے سال ایک ہزار روپے مہینہ پگار دوں گا۔ دوسرے سال دو ہزار' تیسرے سال چار ہزار آگے دو سال کا میرا آپشن رہے گا۔ چاہوں تو کنٹراکٹ ختم کر دوں۔ چاہوں تو آگے بڑھالوں۔ ایک ملیٹ کے لئے سوچو کہ کنٹراکٹ آگے بڑھایا تو تین سال کے بعد دو سال اور بے بی کو اپنے ایگریمنٹ میں رکھا تو بے بی کو پانچ کیا چھ ہجار مہینہ بھی دے سکتا ہوں!"
"مگر فلم میں تو ہیروئن کو لاکھوں روپے ملتے ہیں!" جنک رائے نے پوچھا۔
"مگر کب ملتے ہیں یہ بھی تو سوچو!" سیٹھ گلشن دیو بولا۔
"پہلے دو تین سال تو ادھرادھر پکچروں میں لڑکی رگڑے کھاتی ہے دو سو پر' پانچ سو پر' سات سو پر کوئی پکچر فیل ہوئی کوئی پاس ہوئی کسی نے کام دیا کسی نے کام نہیں دیا مل گئے پیسے تو چار دن مجا کرلیا نہیں تو فاقے لگے۔ کوئی ٹھیک ڈھنگ سے پبلسٹی بھی نہیں کرتا کس کو گرج

پڑی ہے کہ ایک پکچر کی ہیروئن کے لئے پبلسٹی کرے۔ یہ بھی کوئی عجت کی زندگی ہے۔ آج اس کی خوشامد، کل اسکی خوشامد، ہیرو کے سامنے ہاتھ جوڑو ڈائریکٹر کو سلام کرو کیمرہ مین کے سامنے سر جھکاؤ۔ اخبار کار پورٹر آجائے تو پبلسٹی کے لئے وہسکی پلاؤ، بے بی کو یہ سب کرنے کی جرورت نہیں ہے۔ ہماری فلم کمپنی سب سے پرانی ہے سب سے عجت دار ہے۔ ہم خود بھی بال بچے دار ہیں۔ تین سال کا اگریمنٹ کرے گا گھر بیٹھے ہر مہینے پیسہ دیگا۔ لاکھوں کی پبلسٹی کرے گا۔ بے بی کو اے ون ہیروئن بنا دے گا۔ بھگوان نے چاہا تو تین سال کے بعد بے بی کا وہ نام ہو گا وہ نام ہو گا کہ گھر بیٹھے ایک پکچر کا آٹھ لاکھ ملے گا۔

"آٹھ لاکھ ؟ایک پکچر کا؟" جنک رائے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"ملتا ہے۔ اے ون ہیروئن کو آج ملتا ہے وہ ایک سال میں آٹھ دس ایسے کنٹراکٹ کر ڈالتی ہے۔ ہم بھی بے بی کی پبلسٹی کرے گا۔ آسمان پر پہنچا دے گا۔ پر چار پیسے اپن بھی کمائے گا ناں۔ اسی لئے بولتا ہے کہ تین سال کا اگریمنٹ کرو۔ بے بی کہیں باہر کام نہیں کرے گی تین سال تک شادی نہیں کرے گی۔!"

"مگر وہ تو میری منگیتر ہے!" پرکاش رندھاوا غصے سے میز پر ھات مار کر بولا اور چائے کی پیالی میز پر اچھل گئی۔ "میری بیوی فلموں میں کام نہیں کرے گی!"

"بلبل تمہاری منگیتر ضرور ہے پر ابھی اس کی شادی تو نہیں ہوئی!" جنک رائے نے بتایا۔

یہ سنتے ہی پرکاش رندھاوا غصے سے بکتا جھکتا میز سے اٹھ گیا وہ اس فضول بحث میں مزید حصہ لینے کے لئے تیار نہ تھا۔

شاردا نے پوچھا۔ "سنا ہے فلموں کی زندگی اچھی نہیں ہوتی؟"

رستوگی ہنسا۔ منوہر بھی ہنسا۔ گلشن دیو بھی ہنسا۔

پھر تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے جو کچھ انہوں نے سنا تھا اس پر انہیں اعتبار نہ آرہا ہو۔ پھر رستوگی بولا۔

"ماں جی! فلم کے بارے میں ایسی غلط ملط باتیں بہت مشہور کر دی گئی ہیں۔ ورنہ آپ جانتی ہیں دنیا میں کہاں بد معاشی نہیں ہے اور اگر اپنا دل صاف ہے اور آپ کی لڑکی اچھی ہے تو دنیا میں کون اسے ھات لگا سکتا ہے؟ پھر ہم تو آپ کو پکا اگریمنٹ دے رہے ہیں بلکہ سیٹھ جی سے یہ بھی کہوں گا کہ وہ بے بی کو ایک ہزار روپیہ دیں اور پانچ سو روپیہ آپ کو دیں۔ آپ خود بے بی کے ساتھ اسٹوڈیو رہیں اور ہر وقت اس کی نگرانی کریں۔ وہ آپ کے ساتھ اسٹوڈیو آئے آپ کے ساتھ جائے آپ ہر وقت خود بے بی کے ساتھ رہیں

اس کی دیکھ بھال کریں۔ صبح سے رات تک اس کا خیال کریں تو کیا ہو سکتا ہے؟ آپ خود سوچیں ناں۔!"

شاردا نے سر ہلا کر جنک رائے سے کہا: "یہ تو ٹھیک ہے۔ میرے ہوتے ہوئے کیا ہو سکتا ہے؟"

جنک رائے نے بھی آہستہ سے سر ہلایا کچھ سوچتے ہوئے بولے "مگر یہ ایگر یمنٹ کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ ایک ہزار تو بے بی کے کپڑوں اور میک اپ پر ہر مہینے خرچ ہو جاتا ہے!"

اب ہر شخص حتیٰ کہ لڑکی کا باپ بھی لڑکی کو بے بی سمجھ کر گفتگو کر رہا تھا۔"

"اس سے جیادہ تو میں دے نہیں سکتا!"

سیٹھ گلشن دیو نے ایسی قطعیت سے کہا کہ رستوگی اور منوہر کے چہرے اتر گئے۔

"ایک نئی لڑکی کے لئے ہزار روپیہ مہینہ بہت ہے۔ اپنا رسک بھی تو دیکھو سیٹھ لڑکی فلم میں پاس ہو فیل ہو اپن تو ہر مہینے ایک ایک ہزار دیں گے۔ دوسرے سال دو ہزار دیں گے۔ تیسرے سال چار ہزار دیں گے۔ پبلسٹی پر لاکھوں روپیہ خرچ کریں گے۔ چاہے بے بی کی پکچر فیل ہو یا پاس ہو۔ اپنا رسک بھی تو دیکھو۔ اپن نے جو دے دیا سو دے دیا اس لئے جیادہ کی اپنے میں ہمت نہیں ہے۔ منجور ہو تو بولو۔ کل ایگر یمنٹ لے آؤں۔ ہزار روپیہ ایڈوانس دوں کل شیو آنند کو تار دوں۔ ایک ہفتے کے اندر اندر شوٹنگ شروع کر دوں' بولو؟"

شاردا نے ایسی ملتجیانہ نگاہوں سے اپنے خاوند کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ ہاں کر دو ایسا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔ مگر جنک رائے نے سنجیدگی سے سوچتے ہوئے سر ہلا کے کہا۔

"نہیں سیٹھ صاحب ہمیں کو یہ شرائط منظور نہیں ہیں!" رستوگی اور منوہر کا چہرہ لٹک گیا۔ مگر سیٹھ گلشن دیو اٹھ کھڑا ہوا بولا۔

جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے کل کا دن اور سوچ لو۔ پرسوں میں پھر آکے پوچھ لوں گا چلو بھئی رستوگی!"

بات اتنی جلدی ختم ہوئی اور یوں اچانک کہ جنک رائے اور گلشن دیو کے سوا سب ہکا بکا ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ شاردا کو اپنے شوہر پر بہت غصہ آرہا تھا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا صاف معلوم ہوتا تھا کہ مہمانوں کے جانے کے بعد فوراً "میاں بیوی میں لڑائی ہوگی!

راستے میں دونوں سیٹھ گلشن دیو پر برس پڑے۔ رستوگی بولا۔ "سیٹھ تم نے گھوٹالہ کر دیا۔!"

"سب بنٹا ڈھار کر دیا۔" منوہر افسوس سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

"کیا بنٹا ڈھار کر دیا؟" گلشن نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"ارے ایسی لڑکی پچاس ہزار میں بھی نہیں ملے گی اور تم اس کو ایک ہزار روپیہ مہینہ پر سائن کرتا ہے!"

رستوگی غصے سے بولا۔

"ادھر ہم نے سب معاملہ پکا کر دیا۔"

منوہر تاسف سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا: "اور تم نے ایک ملاقات میں چوپٹ کر دیا۔ ہم نے تصویر کھینچا پانسو روپیہ انعام دیا کھانا کھایا کھانا کھلایا ٹائم کھوئی کیا کس کے واسطے؟ تمہاری تصویر کے واسطے! تم کو ٹیسٹ دکھایا۔ کلر میں بھی اور بلیک اینڈ وہائٹ میں بھی۔ ایسی لڑکی اکھا فلم انڈسٹری میں کہیں نہیں ہے۔ تم نے خود دیکھا۔ اوپر والے کو ساکشی کر کے بولو' ہے ایسی کوئی لڑکی انڈسٹری میں؟۔ پر تم سالہ دو پیسے کے واسطے پیٹھ دکھا گیا! سالہ ہم بھی کیمرہ مین ہے کوئی حجام نہیں ہے۔ ہم جانتا ہے جو کوئی بھی اس لڑکی کو سائن کرے گا لاکھوں روپیہ کمائے گا!"

"تم کھاتری رکھو!" سیٹھ بولا: "گلشن سیٹھ کے علاوہ کوئی اس لڑکی کو سائن نہیں کرے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"پرسوں۔ دیکھتے جاؤ۔"

"پرسوں کیا ہو گا؟"

"یہ بج نس تم نہیں سمجھتا ہے۔"

"کیا بج نس نہیں سمجھتا ہے۔" منوہر خفا ہو کر بولا۔

"الو کی دم کے ماقف بات کیا' اب بولتا ہے تم بج نس نہیں سمجھتا ہے!"

"اے منوہر! تم زبان سنبھال کے بات کرو نہیں تو ابھی حساب چکتا کر کے لے جاؤ ہم نے تمہارے ایسا کیمرہ مین اپنی فلم کمپنی سے کھڑے کھڑے نکال دیا ہے!"

منوہر سہم کر چپ ہو گیا۔

رستوگی نے بھی سیٹھ کا غصہ دیکھ کر مزید کوئی بات نہیں کی۔

دیلی دیو میں سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ بلبل کو جب پتہ چلا کہ اس کے باپ نے ناں کر دی ہے تو اس نے رو رو کر برا حال کر لیا۔ رات کو کھانا نہیں کھایا بس چپکے پڑی پڑی سبکیاں لیتی رہی۔ شاردا نے بھی شوہر کو اس کی حماقت پر خوب کھری کھری سنائیں۔
مگر جنک رائے ہر بار یہی کہتا رہا۔ ”یہ بزنس کی باتیں ہیں تم نہیں سمجھتی ہو!“
شاردا نے بھی رات کو کھانا نہیں کھایا۔
گھر میں سناٹا چھا گیا۔ دونوں چھوٹے بچے بھی جلدی سے کھانا کھا کے سہمے سہمے اپنے کمروں میں دبک کر سو گئے۔ صرف پرکاش رندھاوا خوش تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بلبل پکچر میں کام کرے۔ دوسرے دن بھی گھر کی فضا بڑی مکدر رہی۔ پرکاش رندھاوا نے دو تین بار بلبل سے سیر پر جانے کے لئے کہا مگر بلبل نے بڑی سختی سے منع کر دیا۔ پرکاش نے پکچر جانے کے لئے کہا تو اسے پھر بلبل کی ڈانٹ سننا پڑی۔ مگر پرکاش نے خوشی خوشی ڈانٹ کو سہہ لیا۔ دو چار روز کی بات ہے۔ اس نے سوچا۔ بلبل خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ وہ جنک رائے کے فیصلے سے بہت خوش تھا۔
تیسرے دن جنک رائے کے پاس منوہر پہنچا۔ سیٹھ گلشن دیو نے جنک رائے کو نیڈوز میں اکیلے لنچ پر بلایا تھا۔ منوہر خود اسے لینے کے لیے آیا تھا۔
جنک رائے فوراً چلنے کے لئے راضی ہو گیا۔ مگر چلتے وقت بھی شاردا اور بلبل نے اس سے کوئی بات چیت نہیں کی۔ اس لئے وہ خاموشی ہی سے گھر سے رخصت ہو گیا۔ بلبل خاموشی سے پرکاش کے ساتھ کیرم کھیلتی رہی اور شاردا سر جھکائے ایک تھالی میں مٹر کے دانے بینتی رہی۔ اور جنک رائے کوٹ پتلون پہن کر منوہر کے ساتھ گھر سے رخصت ہو گیا۔

راستے میں اس کی منوہر سے کیا باتیں ہوئیں؟ یہ کسی کو معلوم نہیں!
نیڈوز ہوٹل پہنچ کر سیٹھ گلشن سے اسکی کیا باتیں ہوئیں؟ یہ بھی کسی کو معلوم نہیں!
کیوں کہ لنچ کے وقت وہ دونوں اکیلے تھے!!
البتہ شاردا نے جنک رائے کی واپسی پر اتنا محسوس کر لیا کہ جنک رائے بہت خوش نیڈوز ہوٹل سے لوٹا تھا۔ مگر جنک رائے نے بھی اپنی بیوی سے کچھ نہیں کہا۔
دن گزر گیا شام آگئی۔ شام گزر گئی رات آگئی۔ رات کا کھانا ہو گیا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ ڈرائنگ روم میں بیٹھے تاش کھیلتے رہے۔ آگ تاپتے رہے اور ڈرائی فروٹ سے دل بہلاتے رہے۔ آخر جب میاں بیوی اپنے کمرے میں پہنچے اور تخلیہ ہوا تو جنک رائے نے اپنی جیب سے ایک اگریمنٹ نکال کے بیوی کے حوالے کیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"بے بی کا اگریمنٹ ہے!"

"کیسا اگریمنٹ؟" شاردا نے انجان ہو کر پوچھا۔

"فلم کا۔" جنک رائے نے فخریہ انداز میں بیان کیا۔

"تم انگریزی پڑھ نہیں سکتیں، ورنہ تمہیں پڑھ کے سناتا، کتنا اچھا اگریمنٹ منوہر نے کیا ہے۔ بھگوان بھلا کرے منوہر کا، اس نے راستے میں مجھے سب کچھ سمجھا دیا، ورنہ میں تم عورتوں کے کہنے میں آکر الو بننے والا تھا!"

"لمبی بات مت کرو، سیدھے سیدھے بتاؤ اگریمنٹ میں کیا لکھا ہے؟"

"بے بی کو پہلی پکچر میں تیس ہزار روپیہ ملے گا۔ بیس ہزار وہائٹ اور دس ہزار بلیک۔ دوسری پکچر میں پچاس ہزار ملے گا، آدھا بلیک اور آدھا وہائٹ۔ تیسری پکچر میں ایک لاکھ ملے گا۔ چالیس ہزار وہائٹ باقی بلیک۔ بے بی باہر کی پکچر میں بھی کام کر سکتی ہے، مگر باہر سے جو پیسہ ملے گا اس کا آدھا ہم لیں گے، آدھا گلشن کو دینا پڑے گا۔ پہلی پکچر میں شیو آنند کے ساتھ ہیروئن آرہی ہے۔ اگلے ہفتے شوٹنگ شروع ہو جائے گی!"

اتنے میں ساتھ والا دروازہ کھلا اور خوشی سے ہنستی جگ مگاتی ہوئی بلبل اندر آئی اور دوڑ کر اپنے باپ کے گلے سے لپٹ گئی اور اس کا رخسار چوم کر کہنے لگی:

"پپا تم کتنے اچھے ہو!۔۔۔ مائی ڈارلنگ ڈارلنگ پپا۔ او آئی لو یو!! آئی لو یو!"

وہ بار بار اپنے باپ کو چومنے لگی۔ باپ نے اپنی بیٹی کے پتلے پتلے شانوں پر ہاتھ رکھ کے کہا "ارے تمہیں سردی لگ جائے گی بلبل!"

"یہ کیا کرتی ہو بیٹی یوں لحاف سے نکل کر آنا اس سردی میں خطرے سے خالی نہیں ہے۔"

ماں نے بھی لاڈ سے کہا۔ "جلدی سے کوٹ پہن لو۔!"

"کون سا کوٹ؟ وہی پرانا والا؟ اونہہ؟" بلبل منہ بناتے ہوئے بولی۔ جنک رائے نے مسکرا کر کہا۔ "پرسوں ہم لوگ سرینگر جائیں گے، وہاں تمہاری مرضی کا لانگ کوٹ خریدیں گے! ایک نہیں دو خرید لینا!"

جب سب بچے سو گئے تو جنک رائے نے جیب سے ایک گڈی نوٹوں کی نکال کر شاردا کو دی، بولے: "یہ پانچ ہزار کے نوٹ ہیں گن لو!"

"کا ہے کے ہیں؟"

"بلبل کے لیے ایڈوانس ملا ہے!"

شاردا نے گن کر نوٹ تکیے کے نیچے رکھ لئے۔ پھر دونوں ساتھ ساتھ تکیوں پر لیٹ گئے۔ جنک رائے نے کہا۔

"کشمیر کی شوٹنگ کے بعد ہم لوگ بمبئی جائیں گے۔ اور وہاں گھر ٹھیک کر کے میں تو لدھیانے چلا آؤں گا کیونکہ اپنا بزنس دیکھنا ہو گا۔ مگر تمہیں بلبل کے ساتھ بمبئی رہنا ہو گا۔ اور دونوں بچوں کی پڑھائی کا انتظام بھی وہیں کرنا ہو گا!"

"بمبئی!"

شاردا نے دل ہی دل میں سوچا: "بمبئی میں اشوک کمار بھی رہتا ہے!" شاردا کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

کچھ دیر کے سکوت کے بعد جنک رائے نے حساب کرتے ہوئے کہا۔ "شاردا معلوم ہے جب ہماری بلبل بڑی ہیروئن ہو جائے گی تو ایک فلم کے آٹھ لاکھ روپے لیا کرے گی اور سال میں دس بارہ پکچریں سائن کیا کرے گی۔ ذرا حساب کر کے دیکھو دس پکچروں پر آٹھ لاکھ کے حساب سے کتنا روپیہ ہوتا ہے؟

"کتنا ہوتا ہے؟"

"اسی لاکھ!! ابھی اسی لاکھ!

"ہوں!" شاردا نے نیم غنودگی میں جواب دیا۔ وہ اپنے تصور میں بمبئی پہنچ چکی تھی اور اشوک کمار سے باتیں کر رہی تھی۔

"اسی لاکھ میں ایک شوگر مل آ سکتی ہے!" جنک رائے بولا۔ "اور اگر اسی لاکھ سے شوگر مل نہ خریدی جائے بلکہ اسے سود پر دیا جائے تو نو فیصدی کے حساب سے اسی لاکھ کے......"

"ارے سو جاؤ میرے نو فیصدی کے لاڈلے..." شاردا نے نیم غنودگی میں اپنے شوہر کو ہاتھ سے تھپکتے ہوئے کہا۔ مگر اس کا شوہر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ شاردا نے آنکھیں کھول دیں اور حیرت سے پوچھنے لگی: "اب کیا ہو رہا ہے؟"

جنک رائے نے گھبرا کر اپنے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا "تمہیں معلوم ہے وہ کتنی لاپرواہ ہے، میری بچی، رات کو سوتے میں ایسی بے خبر سوتی ہے کہ لحاف جسم پر سے اتر جاتا ہے۔ اور اسے خبر نہیں ہوتی۔ اور پھر گلمرگ کی سردی، جانتی ہو، اگر رات بھر لحاف کے بغیر رہی تو اسے ٹھنڈ لگ جائے گی!"

"اونہ 'بڑے وہمی ہو اب سو جاؤ!" شاردا اپنے گرم لحاف میں دبک کر بولی۔ "مجھ سے تو اب اٹھا نہیں جاتا!"

مگر جنک رائے سے نہیں رہا گیا۔ وہ گاؤن پہن کر کمرے سے باہر گیا۔ بچوں کے کمرے کے اندر گیا' جہاں تینوں بچے بے سدھ پڑے ہوئے تھے۔ واقعی بلبل کا لحاف اس کے جسم سے اتر گیا تھا۔ اور وہ بے سدھ نیند میں غافل سوئی پڑی تھی۔ اور اس کے چہرے پر ایک عجیب و غریب گلنار مسکراہٹ تھی۔ گل مرگ کی شفق کی طرح۔

چند لمحوں تک چپ چاپ اپنی بیٹی کے بستر کے کنارے کھڑا اپنی بیٹی کا بے مثال حسن دیکھتا رہا۔ پھر اس نے جھک کر لحاف کا کونا اٹھایا اور اپنی بیٹی کا سارا جسم اس احتیاط سے ڈھانپ دیا جیسے وہ یہ لحاف اپنی بیٹی کو نہیں بلکہ اسی لاکھ کی شوگر مل کو اڑھا رہا ہو!

کنول اور کوشی تتلیاں پکڑتے ہوئے آگے آگے بھاگ رہے تھے۔ ہر نئی تتلی کو دیکھ کر ان کے منہ سے خوشی کی ایک چیخ نکلتی تھی اور وہ دونوں ہاتھ پھیلائے، آنکھیں اوپر اٹھائے رنگین پر پھیلانے والی تتلی کی طرف اس طرح بھاگتے جس طرح ساری زندگی انسان اک موہوم امید کی تلاش میں بھاگتا ہے۔ تتلیوں کا کھیل جنم سے مرن تک چلتا ہے۔ نہ چلے تو زندگی سے موت تک کا فاصلہ کیسے طے ہو؟ اس لئے زندگی میں اڑتی ہوئی رنگ برنگی تتلیوں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ تتلیاں آج ہیں اور کل ہیں۔ امید ہیں اور مستقبل ہیں، کلپنا ہیں اور قوس قزح کے ساتوں رنگ ہیں۔ آدمی کھاتا ہے اور سوتا ہے وہ چلتا ہے اور کام کرتا ہے۔ یہ سب چیزیں بے حد ضروری ہیں۔ لیکن اگر اس کے جیون میں ایک تتلی نہ ہو تو وہ ایک پل نہ جئے۔ اس لیے تو انسان کے پاؤں زمین پر ہیں اور نگاہ آسمان پر ہے۔

پرکاش کی آنکھیں بلبل پر تھیں۔ جو اسے ایک تتلی کی طرح خوبصورت، سبک اور نازک اندام نظر آ رہی تھی۔ وہ سبز رنگ کا ایک سوئٹر پہنے ہوئے تھی۔ جس کے اوپر اس کا گلابی چہرہ ایک پھول کی طرح کھلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اک مسرت بھری سوچ سے مسکرا اٹھتی۔ کبھی اپنا ہاتھ پرکاش کے ہاتھ میں دے دیتی کبھی چلتے چلتے اپنا ہاتھ کھینچ لیتی اور شریر اور مسرور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر کھل کھلا کر ہنسنے لگ جاتی۔ اور اس وقت پرکاش کو اس کی نازک گردن سے ہنسی یوں نکلتی معلوم ہوتی جیسے کسی لانبی صراحی کے منہ سے شراب ابل پڑے۔ موسم بہت سہانا تھا۔ وہ لوگ صبح کے وقت سرکلر روڈ سے اتر کے نیچے گلمرگ کے جنگلوں سے گزر رہے تھے۔ ان کا ارادہ نیچے فیروز پوری نالے پر دوپہر کے وقت کھانا کھانے کا تھا۔ بلبل کے ہاتھ میں لنچ باسکٹ تھی اور پرکاش نے بلبل کا کوٹ اٹھا رکھا تھا۔ اور ہوا میں پھولوں کی، شہد کی اور چیڑھ کے جنگل کی مہک تھی۔ اور کہیں کہیں پر گھنے جنگلوں کے اندر سورج کی کرنوں نے اتر کر سنہری غالیچے بچھا دیئے تھے۔ جس پر وہ چلتے چلتے چند پل کے لئے آرام کر لیتے۔ اوپر درختوں کا سایہ گہرا سبز تھا۔ اور پتوں پر سرکتی ہوئی گلہریوں کی دمیں نرت کرتی ہوئی رقاصاؤں کی طرح ناچ رہی تھیں۔ اور کہیں کہیں پر کوئی شہد کا چھتہ دور اوپر گھنے پتوں میں لٹکتا ہوا کسی کارخانے کی

طرح گونجتا معلوم ہوتا۔ یکایک ایک خرگوش نے ٹھٹھک کر اور اپنے لمبے کان کھڑے کر کے ان کی طرف دیکھا اور دونوں بچے کنول اور کوشی چیخ مار کر اس کی طرف بھاگے اور بلبل بھی لنچ باسکٹ زمین پر چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگی۔ مگر پرکاش نہیں بھاگا۔ مسکرا کر اس نے لنچ باسکٹ بھی اٹھا لیا اور ادھر چلنے لگا جدھر وہ تینوں خرگوش کے پیچھے بھاگے تھے خرگوش لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اطمینان سے پھدکتا ہوا نیچے ڈھلان پر بھاگ رہا تھا۔ اور جب ڈھلان ختم ہو گئی تو پھدکتا ہوا ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور اس کی سب سے اونچی چٹان پر بیٹھ کر اپنے لمبے لمبے کان ہلا کر کنول اور کوشی اور بلبل کی طرف تحقیر آمیز نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ کبھی کبھی ایک دو پل کے لئے اپنی سفید سفید اون میں منہ ڈال کر اسے چاٹنے لگ جاتا پھر مڑ کر نیچے کھڑے ہوئے کنول، کوشی اور بلبل کی طرف یوں دیکھتا جیسے کہہ رہا ہو۔ "ہمت ہے تو اوپر آؤ اور پکڑ لو مجھے!"

بلبل کو غصہ آ گیا، بولی: "میں پکڑتی ہوں تجھے!" وہ اپنی کیسری شلوار کے پائینچے اوپر کر کے ٹیلے پر چڑھنے لگی پرکاش نے اسے روکا بھی مگر وہ نہیں مانی، اور جھاڑیوں کو پکڑتی، چٹانوں کا سہارا لیتی، قدم جما جما کر اوپر چڑھتی گئی۔ خرگوش بڑے اطمینان سے اپنے کان ہلاتا رہا اپنی شربتی آنکھوں سے بلبل کی حرکتیں دیکھتا رہا۔ اور اپنی سفید اون میں منہ ڈال کر اسے بار بار چاٹتا رہا۔ جب بلبل پیچھے سے چکر لگا کر دبک دبک کر بالکل اس کے قریب پہنچ گئی اور اسے اندازہ ہوا کہ خرگوش نے اسے نہیں دیکھا ہے تو اس نے جھپٹا مار کر خوشی کی چیخ کے ساتھ خرگوش کو پکڑنا چاہا۔

اسی دم خرگوش ہوا میں اچھلا، اور لڑھک کر اونچے ٹیلے کی دوسری طرف نیچے گھاس میں کود گیا۔ اور پھدکتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔ بلبل کی نگاہوں میں مایوسی آ گئی۔ اس نے غصے سے اپنے ہونٹ کاٹے اور محسوس کیا جیسے خرگوش جاتے جاتے اس پر ہنس رہا ہو۔

"اب میں نیچے کیسے اتروں؟" بلبل نے ٹیلے پر کھڑے کھڑے جھنجلا کر کہا۔

"جس راستے سے اوپر گئی تھیں اسی راستے سے نیچے اتر آؤ!"

"مجھے ڈر لگتا ہے!" بلبل نے اٹھلا کر کہا۔

پرکاش نے بلبل کا کوٹ نیچے زمین پر رکھ دیا اور اس کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "اس پر کود پڑو!"

"واہ میں کوئی خرگوش ہوں!" بلبل سر ہلا کر بڑی نخوت سے بولی۔ "مجھے چوٹ لگ جائے گی......" پھر ذرا تنک کر بڑی ادا سے بولی: "کیوں جی، جب خرگوش ٹیلے سے اچھل کر بھاگا تھا تم اس کے پیچھے دوڑے کیوں نہیں؟"

"میں کوئی کچھوے کی طرح بے وقوف ہوں!" پرکاش نے جواب دیا۔

"مگر اب میں نیچے کیسے اتروں؟" بلبل کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور اونچے ٹیلے کی چوٹی سے نیچے دیکھ دیکھ کر وہ خوف کھانے لگی۔

پرکاش نے لنچ باسکٹ بھی زمین پر رکھ دی اور دونوں خالی ہاتھ فضا میں اوپر اٹھا دیئے۔
"میری بانہوں میں آجاؤ۔!" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہاری بانہیں بہت دور ہیں!" بلبل مایوسی سے چلائی۔

پرکاش چند قدم اونچی اور گھنی جھاڑیوں سے الجھتا ہوا اوپر چلا ایک چٹان پر کھڑے ہو کر اس نے اپنے ہاتھ پھیلائے مگر بلبل اب بھی اس سے دور تھی۔ وہ چند قدم اور اوپر چڑھا۔ اس کے بوجھ سے کئی جھاڑیوں کی شاخیں چرچرا کے ٹوٹ گئیں۔

"تمہیں چلنا بھی نہیں آتا۔!" بلبل غصے سے چلائی۔

مگر پرکاش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جھاڑیوں سے الجھتا، سبز پھسلواں کائی سے بچتا چند قدم اور اوپر بڑھ گیا۔ ایک محفوظ جگہ پر اس نے اچھی طرح سے اپنے پاؤں جما لئے۔ اور اوپر ہاتھ پھیلا کر کہا۔ "اب آجاؤ۔!"

بلبل نیچے جھکی، نیچے جھکی، اور نیچے جھکی، اور پرکاش کی بانہوں میں آگئی۔

اور پرکاش کو ایسے لگا جیسے مچھلی جال میں آگئی۔ اس کا نرم نرم بدن اس کی بانہوں میں پھسلتا گیا۔ سرکتا گیا۔ بلبل کے پاؤں زمین پر لگ گئے۔ پرکاش نے اپنی بانہیں الگ کر لیں۔ مگر اس کے بازوؤں میں جیسے ابھی تک بلبل کے جسم کی گولائیاں کانپ رہی تھیں۔ اور اس کا سینہ بڑے زور سے دھڑک رہا تھا۔ کیوں کہ وہ آج تک بلبل کے اتنا قریب کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ پریشان سا ہو کر اپنے دل کی دھڑکن چھپانے کے لئے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"ہائے میں گری۔!" بلبل گرنے کے انداز میں چیخی۔ اور اس نے پرکاش کے بازو کو زور سے پکڑ لیا۔ اور پرکاش اس کی کمر کو سہارا دے کر اسے ٹیلے سے اتار لایا۔

ٹیلے سے اتر کر فوراً" بلبل اپنی چھوٹی بہن اور بھائی کی طرف بھاگی اور کنول اور کوشی کو خرگوش کے پیچھے بھاگنے پر ڈانٹنے لگی، اور دونوں چھوٹے بچے حیران ہو گئے۔

آخر یہ کیا ماجرا ہے۔ آخر وہ خود بھی تو خرگوش کے پیچھے بھاگی تھی!!

پھر دیر تک بلبل اپنے چھوٹے بھائی بہن کی انگلی پکڑے ان کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ اور دیر تک اس نے پرکاش سے کوئی بات نہیں کی، اور دیر تک اس کے بدن میں برقی دھماکے سے محسوس ہوتے رہے۔ اس کی آنکھیں جھکی رہیں، پلکیں گری رہیں، رخساروں پر ایک گہری سرخی کا دھبہ سا چمکتا رہا۔...... پھر وہ جنگل سے گزر کر نیچے موٹر روڈ پر آگئے اور موٹر روڈ کو پار کر کے نیچے کھیتوں میں اتر گئے۔ اور کھیتوں سے گزر کر گھاس سے ہری بھری ایک سبز پوش گھاٹی پھر

ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈی سے اتر کر فیروز پوری نالے پر آگئے جہاں ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا' اور نالے کا پانی بہت پتلا تھا۔ پر کاش پہلے تو کنول اور کوشی کو اپنے کندھے پر بٹھا کر نالے کے پار چھوڑ آیا۔ پھر وہ لنچ باسکٹ اور کوٹ چھوڑ آیا۔ پھر اس نے کنارے پر آکر بلبل کو اٹھانا چاہا۔

"نہیں' میں خود چلوں گی!" بلبل نے اپنی کیسری شلوار کے پائنچے اوپر چڑھانے چاہے مگر وہ اس قدر تنگ تھے کہ ٹخنوں سے اوپر نہ چڑھ سکے۔ پر کاش نے کچھ کہے بغیر بلبل کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا۔

بلبل اس کے بازوؤں میں غصے سے چلائی: "مجھے چھوڑ دو!"

"نیچے پانی میں؟"

"ہاں!" "ہاں' اس نے ایسے کمزور لہجے میں کہا جیسے نہیں کہہ رہی ہو۔ پر کاش مسکرا کر چپ ہو گیا۔ اور اسے اٹھا کر دوسرے کنارے لے آیا۔ دوسرے کنارے لمبی لمبی دوب تھی۔ اور دوب میں پیلے پیلے مکھن پیالے کھلے ہوئے تھے۔ اور زمین ایک کشمیری گبھے کی طرح سندر تھی۔ اور کوتاہ قد اخروٹوں کے چھوٹے چھوٹے پیڑ اپنی گھنی ٹہنیوں کا سایہ پھیلائے کھڑے تھے۔ نچلی ڈالیاں زمین سے اس قدر نزدیک تھیں کہ پر کاش زمین پر لیٹ کر بھی ہاتھ اٹھا کر انہیں پکڑ سکتا تھا۔

فیروز پوری نالے کے شفاف نیلے پانی میں چاندی رنگ کی ٹراٹ مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ دوسرے کنارے پر چھوٹے سے کشمیری گاؤں کے چھوٹے چھوٹے گھروں میں بچے کھیل رہے تھے۔ ایک آنگن میں دو عورتیں لکڑی کے موسل اٹھائے دھان کوٹ رہی تھیں۔ بار بار ان کے کانوں میں پڑے ہوئے چاندی کے گچھے دار بالے جھمک جھمک جاتے۔ یکایک وہ کسی بات پر ہنستیں اور دھان کوٹنا چھوڑ کر ایک دوسرے کے کان میں سرگوشی کرنے لگتیں۔ ایک نوجوان لڑکی اپنا گلابی فرن جھلاتی ہوئی ایک چھوٹا سا مٹکا لے کر نالے کے کنارے آئی اور پانی بھرنے لگی۔ اور پانی بھرتے بھرتے دیر تک اپنے عکس کو پانی میں دیکھتی رہی اور دیکھ دیکھ کر مسکراتی رہی۔ پھر یکایک کوئی بوڑھی اماں کسی گھر کے آنگن سے زور سے چلائی اور نوجوان کشمیری دوشیزہ چونک کر گویا کسی سپنے سے جاگی اور جلدی سے مٹکی بھر کے بھاگ گئی.........

بلبل نے بڑی احتیاط سے دستر خوان بچھایا۔ چھری کانٹوں کو احتیاط سے رکھا۔ کنول اور کوشی کو پلیٹیں دھو کر لانے کے لئے کہا۔ اور پھر وہ لنچ باسکٹ کھولنے میں مصروف ہو گئی۔

مکھن میں تلے ہوئے مولی گوبھی اور آلو کے پراٹھے تھے۔ بالائی کی گہری تہوں کے اندر جما ہوا سفید میٹھا دہی تھا. شامی کباب تھے۔ خوشبودار مصالحوں میں بھنی ہوئی مرغی تھی۔ سلاد تھا۔ آم اور نیبو کا اچار تھا۔ میٹھے شاہی ٹکڑے تھے۔ صاف ستھرا لنچ تھا جس سے عمدہ پکوان کی خوشبو آتی تھی۔ اور وہ سب بھوکے تھے۔ اس لئے لنچ لگتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے۔ پہلا ہلا بہت تیز تھا۔ دوسرا ہلا اس سے کم تیز تھا۔ تیسرے ہلے میں وہ مزے لے لے کر کھانے لگے۔ کبھی اپنے ہاتھ کے لقمے کو دیکھتے کبھی نیلے آسمان کو، گھاس میں کھلے ہوئے پیلے پھولوں کو۔ پھر مسرور ہو کر وہ اپنا لقمہ اس طرح منہ میں ڈالتے جیسے وہ نیلے آسمان کا ٹکڑا کھا رہے ہوں۔ یا پھولوں کو پراٹھوں میں بند کر کے کھا رہے ہوں۔ اور پانی ہولے ہولے بہتی ہوئی زندگی کی طرح گن گناتا رہا۔ اور سیمگوں آزاد مچھلیاں اپنی خوبصورت آنکھیں کھولے ایک دوسرے کے ساتھ تیرتی رہیں۔

کھانا کھا کر انہوں نے پلیٹیں، چھریاں، کانٹے اور چمچے اور دوسرے برتن دھوئے اور دونوں بچے پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیوں کو چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا کر مارتے رہے اور مچھلیوں کے تتر بتر ہونے پر خوشی سے تالی مار کر ہنستے رہے۔ پھر انہوں نے دستر خوان تہہ کر دیا اور سارا سامان لنچ باسکٹ میں واپس ڈال دیا۔

پرکاش نے بلبل کے لئے کوٹ بچھا دیا اور وہ اس پر دراز ہو گئی اور پرکاش اس کے قریب ذرا فاصلے پر لیٹ گیا۔ اور بچے پہلے تو گھاس پر لوٹتے رہے اور پیلے پیلے پھول چنتے رہے۔ پھر انہیں نیند آ گئی۔ اور وہ دونوں اپنی بڑی بہن کے قریب آ کے سو گئے۔ سوتے

ہوئے وہ بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ ان کے سوتے ہوئے معصوم چہروں کو دیکھ کر بلبل کو ان پر بڑا پیار آیا اور اس نے ہلکی ہلکی ہوا میں اڑتے ہوئے ان کے بالوں کو بڑے پیار سے چھوا، اور دیر تک انہیں ہولے ہولے تھپکتی رہی۔ حتیٰ کہ اسے خود بھی نیند آنے لگی۔

"بلبل!" اس کے کانوں میں آواز آئی۔ بلبل سیدھی لیٹی تھی۔ آواز سن کر اس نے کروٹ لی، اور اپنا رخ لیٹے ہوئے پرکاش کی طرف کر لیا۔ جو چت لیٹا اپنے اوپر اخروٹ کی ٹہنیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہے؟" بلبل نے کانپ کر کمزور سی آواز میں کہا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ اب وقت آگیا ہے۔ اب وہ بات ہوگی جو دونوں کے دلوں میں تھی جس کے لئے وہ دونوں پکنک پر یہاں آئے تھے۔

"تم مجھ سے شادی کب کرو گی؟"

"تمہیں معلوم ہے اب تین سال تک تو نہیں کر سکتی!"

"کیوں نہیں؟"

"تمہیں معلوم تو ہے!"

"جبھی تو کہتا ہوں کہ........" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"کیا؟"

"فلم میں کام مت کرو۔!"

"کیوں نہ کروں؟"

"مجھے اچھا نہیں لگتا۔!"

"کیوں اچھا نہیں لگتا؟"

"وہاں۔۔۔وہاں بہت سے لالچ ہوں گے۔!"

"پھر؟" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"وہاں تمہاری عزت........!"

"میری عزت کو کیا ہوا ہے؟" بلبل ایک دم بھڑک اٹھی۔ "انسان کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ اگر میں نہ چاہوں تو کون مجھے چھو سکتا ہے؟ یہی میرے پتاجی اور ممی کہتی ہیں۔!"

"تمہارے ممی اور ڈیڈی نہیں جانتے!"

"اور تم سب جانتے ہو؟ اب تک کتنی فلموں میں کام کر چکے ہو؟"
"جانتا نہیں ہوں مگر سنا ضرور ہے وہاں کا ماحول...............!"
"ایک مضبوط کردار کی لڑکی کے لئے برا ماحول کوئی معنی نہیں رکھتا۔"
"وہ تو ٹھیک ہے مگر......؟"
"مگر کیا؟"

کچھ دیر تک پر کاش چپ رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر بلبل کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ اور بلبل کی طرف مڑے بغیر اخروٹ کی ٹہنیوں کو دیکھتے ہوئے بلبل کا ہاتھ ٹٹولتا رہا۔ اور دھیرے دھیرے کرب آمیز لہجے میں بولا۔ "تم مجھ سے محبت نہیں کرتی ہو؟"

دیر تک بلبل چپ رہی۔ پھر آہستہ سے بولی "تمہاری میری محبت کی شادی تو ہے نہیں۔ ممی ڈیڈی نے تمہیں دیکھ کے طے کر دیا۔ میں نے ہاں کر دی پھر انہوں نے تمہیں مجھ سے ملوا دیا......" وہ دیر تک فقرہ نا تمام چھوڑ کر چپ رہی' پھر بولی۔ "میں تمہیں پسند تو کرتی ہوں مگر......"

"آگے کچھ مت کہو" پر کاش نے گلوگیر لہجے میں کہا اور چپ ہو گیا۔ پھر گہرے اور مضبوط لہجے میں بولا۔ "میں تم سے پیار کرتا ہوں!"

بلبل کچھ نہیں بولی۔ پر کاش نے بلبل کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا۔ "میں تمہیں ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر دوں گا۔ اس گھر میں تمہارے بچے ہوں گے میں اور زیادہ محنت کروں گا۔...... ہولے ہولے ہمارے پاس ایک گاڑی بھی ہوگی۔ سب لوگ میرے کام سے خوش ہیں۔ مجھے ایک ذہین انجینئر سمجھتے ہیں۔ میں آگے ترقی بھی کروں گا..... میں تمہارے لئے دن رات محنت کروں گا' تمہیں زندگی کا آرام' زندگی کا حسن' زندگی کی محبت سب کچھ دوں گا اور کیا چاہتی ہو تم؟"

"میں کیا چاہتی ہوں؟" بلبل نے اپنے دل میں سوچا۔ "میں کیا چاہتی ہوں؟" اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔ اور وہ کچھ ٹھیک طرح سے سمجھ نہ سکی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ ٹھیک ہے اس سے پہلے اس نے ایسے خواب دیکھے تھے پر کاش کے ساتھ' پر کاش کا گھر' پر کاش کے بچے چنبیلی کے پھولوں سے آنگن بھرا ہوا' اور وہ خود ایک چھوٹے سے گھر کی رانی' ہرے بھرے گھر میں ٹہلتی ہوئی کبھی اپنے بچوں کو دھمکاتی ہوئی کبھی اپنے شوہر پر حکومت کرتی ہوئی۔ گھر کے مہمانوں کی خاطر کرتی ہوئی' اپنی ساس کے قدم چھوتی ہوئی۔ اپنی ہمراز سہیلیوں سے میٹھی میٹھی سرگوشیاں کرتی ہوئی۔ شام کی پہنائیوں میں کبھی دور کسی سڑک پر

دو رویہ گل مہر کے پیڑوں کی قطار میں پر کاش کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سیر کو جاتی ہوئی۔ یہ سب کچھ اس نے موہوم دھندلی تصویروں میں سوچا تھا۔

مگر اب تو ان میں سے ایک بھی تصویر باقی نہ رہی تھی۔ اس کے دل کے نگار خانے میں اب دوسری تصویر جھانک رہی تھی۔۔۔

وہ دلیپ کمار کے ساتھ کام کر رہی تھی۔ اور دیو آنند کے ساتھ۔ اور راج کپور کے ساتھ۔

اور شمی کپور کا کھلنڈرا پن اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ جیسے ہوا میں ناک اٹھا کے وہ بات کرتا تھا۔ اس ادا پر تو وہ ہنس ہنس کے دہری ہوئی جاتی تھی۔

اس کے سامنے بڑی بڑی تصویریں آرہی تھیں۔ قد آدم تصویریں۔۔۔۔۔ اس کی اپنی تصویریں۔۔۔۔۔ اخباروں' رسالوں میں جھانکتی ہوئی' دکانوں پر لگی ہوئی' چھتوں پر سڑک کے کنارے بڑے بڑے پوسٹر اور کروڑوں آنکھیں ہر شام سینما کے پردے پر اسے دیکھتی ہوئی۔۔۔۔ پر یمئیر کی رات میں لوگوں کا اژدہام اس کی ایک جھلک کے لیے لاکھوں بے قرار تماشائی۔ ڈاک میں ہزاروں خط۔ ہزاروں آٹوگراف' ہزاروں چاہنے والے۔ ایک ہجوم رنگوں کا اور خوشیوں کا اور ترستی ہوئی نظروں کا۔ اور وہ ان سب سے اوپر کہیں خلاء میں اڑتی ہوئی ستاروں کے درمیان' آکاش کے شفاف نیلے پانیوں میں ایک آزاد مچھلی کی طرح تیرتی ہوئی۔ ....

ان تصویروں سے گھر کی تصویر کسی طرح میل نہ کھاتی تھی۔۔۔۔۔ بڑی ہی پرانی' بوسیدہ اور بور سی لگتی تھی۔ اس کے رنگ کیسے ملگجے تھے فریم کتنا کہنہ' زنگ آلود اور شکستہ تھا۔

اس تصویر سے کچن کے میلے کچیلے نمکین گدلے پانی' ہلدی اور پیاز کی بو آتی تھی۔

اخروٹ کی گھنی جھاڑیوں تلے لیٹ کے ہری ہری دوب میں چاروں طرف کھلے ہوئے پیلے پیلے پھولوں کو دیکھ کر پر کاش کے اس گھر کا تصور بڑا بھیانک اور خوفناک معلوم ہونے لگا۔ بلبل کے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی۔ پر کاش دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا:

"کسی حد تک تو میں بھی سمجھ سکتا ہوں کہ تمہارے دل میں کیا ہے اور تم کیا چاہتی ہو اور وہ کیسا لالچ ہے جو اس وقت تمہارے دل میں ہے۔ لیکن اس لالچ کے لئے تمہیں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی؟ مرد کی روح شائد اس کے جسم سے باہر کہیں ہوتی ہے اسی

لئے مرد جسم کے کاروبار میں زیادہ نہیں کھوتا۔ لیکن عورت کی روح تو صرف اس کے جسم کے اندر ہوتی ہے۔ اس لئے جسم کے کاروبار میں وہ سب سے زیادہ کھوتی ہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا وہ تو اپنے شوہر کے ساتھ رہ کر بھی کھوتی ہے۔ اور بچوں کے ساتھ رہ کر بھی کھوتی ہے۔ اور تمہارا پیشہ ہی ایسا ہے جس میں جسم کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور اس پیشے میں سب سے پہلے جسم بکتا ہے۔ میرا مطلب اس طرح کی خرید و فروخت سے نہیں ہے جس طرح طوائفوں کے کوٹھے پر ہوتی ہے۔ لیکن جسم کے کاروبار میں اپنی عزت محفوظ رکھنے کے بعد عورت کچھ ہارتی ضرور ہے' دوسرے مرد کی بانہوں میں آکر چاہے وہ جھوٹی محبت کیوں نہ ہو چاہے وہ محض ایکٹنگ کیوں نہ ہو دوسرے مرد کے سینے سے لگ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کیا تم اپنے جذبات کی پاکیزگی نہ کھو دوگی؟"

"تو کیا تم اس لئے بھاکڑا ننگل ڈیم نہیں بناؤ گے کہ اس کی بجلی سے ایک رنڈی کا کوٹھا روشن ہوگا؟ یا ایک پل اس لئے نہیں بناؤ گے کہ اس پر انسان کے علاوہ گدھے گھوڑے کتے بھی چلیں گے؟ یا ایک نہر اس لئے نہیں بناؤ گے کہ کبھی کوئی جاٹ اپنے بھائی کو قتل کر کے اس نہر میں پھینک دے گا؟ اگر کچھ لوگ فلم کو برے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس سے فلم بری نہیں ہو جاتی تمہاری دلیل مان لی جائے۔" بلبل یکایک اٹھ کر بولی:

"تو اس دنیا میں نہ تھیٹر ہو' نہ رقص ہو' بلکہ تفریح اور نشاط کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ مجھے پہلے بھی تم تھوڑے سے بور معلوم ہوئے تھے۔ مگر آج کی باتوں سے تمہاری دقیانوسی بوریت اور کھل کر سامنے آگئی۔ جہاں تک بیچنے کا سوال ہے تم بھی اپنا ذہن بیچتے ہو' اور اپنے جسم کی محنت' اور میں نہیں مانتی کہ مرد کی روح اس کے جسم سے باہر ہوتی ہے۔ میں ابھی تمہارا سر کاٹ کے پھینک دوں تو دیکھتی ہوں کون تمہیں بھاکڑا ننگل ڈیم کا انجینئر رکھتا ہے۔ تمہارا ذہن اور تمہارا دماغ تمہارے جسم ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور اگر تم اپنی صلاحیتوں کو استعمال کر سکتے ہو تو میں کیوں نہیں کر سکتی؟ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ میں کبھی بھی کسی حالت میں غیر شریفانہ زندگی بسر نہیں کروں گی تو تم میرا اعتبار کیوں نہیں کرتے ہو؟ میں آج فلم کی ہیروئن بن چکی ہوں۔ کانٹریکٹ میری جیب میں ہے۔ ایک لڑکی کو فلم کی ہیروئن بننے کے لئے جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان سب سے میں گزر چکی ہوں ایک ہی دن میں اپنی عزت دیئے بغیر' تو پھر آگے غیر شریفانہ زندگی بسر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پھر حجت کس بات کی ہے؟ کیا تم تین سال تک میرا انتظار نہیں کر سکتے ہو؟ میں تین سال کے بعد

تم سے شادی کر لوں گی، بس بولو اور کیا چاہتے ہو؟" یہ کہ کر بلبل پھر گھاس پر لیٹ گئی۔

"تین سال کیا میں تو تین سو سال تک تمہارا انتظار کر سکتا ہوں مگر۔ میرا جی نہیں مانتا کہ تم فلم میں کام کرو۔ میں سوچ ہی نہیں سکتا کہ میری بیوی وہ ہوگی جس نے ایک دن بھی فلم میں کام کیا ہو گا۔ میرے لئے اس کا تصور بھی بھیانک ہے۔ تمہیں انتخاب کرنا پڑے گا مجھ میں اور فلم میں۔ میرے سامنے بھی دو سری لڑکیاں ہیں.... مگر میرے دل نے تمہیں چن لیا۔ میرے سامنے بھی دو سرے پیشے تھے.... ڈاکٹر بنوں یا انجینئر بنوں؟ مگر میں نے اپنا پیشہ چن لیا۔ کیونکہ میں بیک وقت ڈاکٹر اور انجینئر نہیں بن سکتا تھا۔ تم بھی بیک وقت فلم اسٹار اور گھر کی ماں نہیں بن سکتیں۔ ایسا میرا خیال ہے۔ اس لئے تمہیں چننا ہو گا۔ آج مجھے بتا دینا ہو گا کیونکہ میری دنیا اس دنیا سے بہت مختلف ہے۔ مجھے کسی کی دنیا کو برا بھلا کہنے کا حق نہیں ہے۔ مگر ڈارلنگ یہ دنیا اس دنیا سے بہت مختلف ہے جہاں میں تمہیں لے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں کی زندگی نسبتاً خاموش ہوگی دن رات کے ہنگاموں اور شور و شغب اور ہاؤ ہو سے خالی ہوگی مگر اس کے اپنے انداز ہوں گے۔ اور اس کا اپنا ایک حسن ہو گا۔ اور میں تمہیں وہاں خوش رکھ سکوں گا۔ میں اپنی زندگی کا آخری لمحہ بھی تمہاری خوشی کے لئے صرف کر دوں گا.... بولو کیا کہتی ہو؟"

بلبل چپ چاپ لیٹی رہی۔

"بولو کیا کہتی ہو؟" پرکاش نے کانپتی ہوئی جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں بلبل سے پوچھا۔ "بولو۔!"

چند لمحوں تک بلبل چپ چاپ لیٹی رہی۔ پھر بولی: "ہٹو مجھے نیند آ رہی ہے!" بلبل نے اتنا کہا اور اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"بلبل ــ بلبل بلبل؟؟" پرکاش دھیرے سے مگر گہری شدت سے چلایا۔ اس نے دو تین بار بلبل کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا بھی مگر بلبل خاموش رہی۔ اس کے ہونٹ بند تھے۔ ہاتھ سرد اور بے مہر تھا۔ مایوس ہو کر پرکاش نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا بلبل پرے سرک گئی....

دوسرے دن پرکاش رندھاوا واپس اپنی ڈیوٹی پر بھاکڑا ننگل ڈیم چلا گیا۔

اگر ایک لڑکی خوبصورت ہے تو وہ یکایک ہی خوبصورت نہیں ہو جاتی۔ ایسا ہوتا ہے مگر بہت کم ہوتا ہے کہ ایک لڑکی اپنی عمر کے اٹھارویں برس میں پہنچ کر یکایک خوبصورت معلوم ہونے لگے۔ عام طور پر جس لڑکی کو خوبصورت ہونا ہوتا ہے۔ وہ بہت پہلے سے خوبصورت نظر آنے لگتی ہے۔ اور اس کی خوبصورتی آہستہ آہستہ کھلتی ہے ایک کلی کی طرح' اور پتی پتی اپنا راز کھولتی ہے ایک پھول کی طرح' اور دفتردفتر مہکتی ہے ایک گلشن کی طرح۔ مگر اس لڑکی کو اور اس کے ہمسایوں کو اور اس کے ماں باپ بھائی بہنوں اور دوستوں کو بلکہ اس کی جانی پہچانی راہوں پر چلنے والے اجنبیوں تک کو بہت پہلے معلوم ہو جاتا ہے کہ فتنہ بیدار ہو رہا ہے۔

بلبل بچپن ہی سے خوبصورت تھی اس لئے بلبل کے لئے اور اس کے لواحقین کے لئے اس کی خوبصورتی کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ بلبل نے اپنی خوبصورتی کو منظور کر لیا تھا۔ جیسے بہت سے لوگ اپنی مڑی ہوئی ناک اور چھوٹی بڑی آنکھ کو منظور کر لیتے ہیں۔ بلبل بھی کئی بار اپنی خوبصورتی اور اس کی طاقت سے جھنجھلا جاتی تھی۔ جیسے لوگ اکثر اپنی مڑی ہوئی ناک سے جھنجھلا جاتے ہیں' مگر کچھ کر نہیں سکتے۔ اس لئے بلبل بھی اپنی خطرناک خوبصورتی کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے گھر والوں لواحقین اور روز مرہ کے ملنے جلنے والوں نے بھی اس کی خوبصورتی کو منظور کر لیا تھا۔ اس لئے ان پر بلبل کی خوبصورتی کا بہت زیادہ اثر نہیں ہوتا تھی۔ جو چیز روز دیکھنے کو ملے نگاہ اس کی عادی ہو جاتی ہے۔ اور طبیعت اسے منظور کر لیتی ہے۔ لیکن یہ بات اجنبیوں کے لئے ممکن نہیں ہے! اجنبیوں پر بلبل کی خوبصورتی کا اچانک حملہ ہوتا تھا۔ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان کے سر پر زور

سے ڈنڈا مارا ہو۔ وہ بلبل کو پہلی بار دیکھتے ہی بھونچکے رہ جاتے۔ اور حیرت سے کھڑے کے کھڑے ششدر رہ جاتے!

بلبل کو ان لوگوں کی پہلی نگاہ میں عجب مزا آتا تھا۔ مگر پریشانی بھی ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اپنے غیر معمولی حسن کے باوجود ایک لڑکی ہی تو تھی۔ جس طرح راہ چلتے لوگ یکایک کھڑے ہوکر اسے گھورنے لگتے اس سے وہ سخت پریشان بھی ہوتی تھی۔ اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہوجاتا اور سارا جسم لجانے لگتا۔ اور وہ اپنے آپ میں بند ہوکر لاجونتی کی طرح سمٹ کر اور کترا کر وہاں سے چلی جاتی۔ حالاں کہ جاتے جاتے بھی اسے احساس رہتا کہ لوگوں کی نگاہیں دور تک اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ گویا اس کی پیٹھ میں سوئیاں سی چبھو رہی ہیں۔ اس وقت بلبل کا جی چاہتا کہ وہ بھی ایک عام معمولی لڑکی ہوتی اور اس طرح سینکڑوں لوگوں کی توجہ کا مرکز نہ بنتی۔ کیونکہ آخر وہ ایک لڑکی تھی' ایک عورت تھی۔ اس کی سب خواہشیں ایک لڑکی کی سی تھیں' جو اپنے جسم کی عزت چاہتی ہے' اپنی روح کی حفاظت چاہتی ہے اور کسی ایک کی ہوکر رہنا چاہتی ہے۔ مگر وہ جو کوئی بھی ہوگا اس کی پسند کا ہوگا۔ چونکہ وہ بہت سے لوگوں کی پسند کا مرکز تھی۔ اس لئے وہ ان کی پسند کے مطابق اپنے حسن کو سب میں کیسے بانٹ سکتی تھی؟ عورت حلوائی کی مٹھائی نہیں ہوتی وہ ایک مکمل شخصیت ہوتی ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں بانٹے جاسکتے مگر وہ ایک ماڈرن لڑکی تھی۔ اس لئے اسے تو معلوم تھا کہ بہت سی عورتیں اور بہت سی شیخی خور حسین لڑکیاں اپنے جسم کو حلوائی کی مٹھائی کی طرح بانٹتی ہیں۔ مگر وہ ایک ماڈرن لڑکی ہوتے ہوئے بھی اور زمانے کی نئی باتیں اپناتے ہوئے بھی اور انہیں پسند کرتے ہوئے بھی اس بندر بانٹ کے خلاف تھی۔ کئی باتوں میں وہ الہڑ پن کے باوجود ایک سنجیدہ مزاج لڑکی تھی۔ اسے کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ شعروشاعری سے دلچسپی تھی۔ مصوری سے محبت تھی۔ اور اداکاری سے گہرا شغف تھا۔ مگر اس کا غیر معمولی حسن اس کی دوسری صفات پر اس بری طرح چھا گیا تھا کہ لوگوں کو اس کے حسن کے سوا اس کی شخصیت کی کوئی ادا یاد ہی نہ رہتی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔اس بات سے وہ خوش بھی ہوتی لیکن کبھی کبھی چڑ بھی جاتی۔

پرکاش رندھاوا سے وہ اسی لئے چڑ گئی تھی کہ اس نے اسے کیوں محض حسن کا ایک مجسمہ سمجھا۔ ایک لڑکی کیوں نہ سمجھا۔ جو دل و دماغ' جسم و روح رکھتی ہے۔ جو لوگوں کی آرزوؤں کا آسانی سے شکار نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ماحول کا مقابلہ کر کے اپنی شخصیت کو منوا سکتی

ہے۔ آخر دنیا اتنی بری نہیں ہو سکتی جتنی پر کاش رندھاوا سمجھتا ہے۔ اس نے کیا بلبل کو موم کی گڑیا سمجھ رکھا ہے؟ وہ دنیا کو دکھا دے گی۔

پر کاش رندھاوا کے اس طرح منگنی توڑ کر چلے جانے پر اسے افسوس بھی ہوا تھا مگر وہ اپنی وہمی اور شکی طبیعت سے اس کے دل سے اتر گیا تھا۔ اس کے جانے پر اس کی آنکھوں میں آنسو بھی بھر آئے تھے۔ اور اس کا ملول. اداس اور رنجیدہ چہرہ دیکھ کر اسے پر کاش پر رحم بھی آیا تھا۔ مگر اس نے اپنے آنسوؤں کے باوجود اپنی طبیعت پر جبر کر لیا تھا۔ ----- پر کاش کون ہوتا ہے اس کے راستے میں آنے والا۔ اس کے مستقبل کو روندنے والا۔ مدد کرنے کے بجائے. خوش ہونے کے بجائے اس نے بلبل کے راستے کا روڑا بننے کی کوشش کی تھی۔ شادی سے پہلے ہی اپنی حاکمانہ اور سخت گیر تنگ دلی کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ ایسے کسی آدمی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی تھی۔ جو فنون لطیفہ کا اس قدر دشمن ہو' اس لئے اس نے اپنے آنسوؤں کو پی لیا تھا۔ اور پر کاش سے انسیت کے باوجود اسے جانے دیا تھا۔

پر کاش کے چلے جانے سے منوہر بہت خوش ہوا۔ دوسرے دن وہ اپنا کیمرہ بھر کے ویلی ویو میں پہنچا اور بیان کیا کہ وہ بلبل کو باہر لے جاکر مزید ٹیسٹ کرنا چاہتا ہے۔ بلبل کی ماں نے اجازت دے دی۔ مگر کنول اور کوشی کو بلبل کے ساتھ روانہ کر دیا۔ دونوں بچے اوپر گھاٹی پر چڑھ کر کھیلنے لگے اور منوہر بلبل کی تصویریں اتارنے لگا اور دھیرے دھیرے باتیں کرنے لگا۔

"میں تمہارے چہرے کو قریب سے سمجھنا چاہتا ہوں!"

منوہر نے اپنی ایک انگلی بلبل کی ٹھوڑی پر رکھی اور اسے تھوڑا سا دائیں طرف گھما دیا۔

"چہرہ کوئی الجبرے کا سوال ہے جسے سمجھنا چاہتے ہو؟"

بلبل ہنس کر بولی۔

"پھر زاویہ بگاڑ دیا نا۔!"

منوہر نے مسکرا کر بلبل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ہلو نہیں، چہرے کو بالکل یہاں رکھو"

منوہر نے بلبل کے بائیں رخسار کو اپنے ہاتھ سے چھوا، اور اسے ذرا سا دائیں طرف سرکا دیا۔ جس سے پتوں سے چھنتی ہوئی روشنی اس کے بائیں رخسار پر پڑنے لگی۔

"اس روشنی کو لو، جو تمہارے بائیں رخسار پر پڑ رہی ہے اور چپ چاپ کھڑی رہو!"

"اچھا!"

بلبل نے آہستہ سے کہا۔

"دونوں ٹانگوں کو ملا کے اپنے کولہے کے دائیں طرف ابھارو اور بائیں طرف کمر کا خم واضح کرو۔"

منوہر نے صلاح دی۔

"یوں! بلبل نے پوز بنایا۔"

"غلط!"

منوہر بولا

اور پھر قریب جا کر اس نے بلبل کا پوز درست کیا۔ اس کے بائیں طرف کمر کے خم کا پوز اپنے ہاتھ سے بنایا اور بائیں طرف کے کولہے کے ابھار کو اجاگر کیا۔

جب منوہر کی انگلیاں بلبل کے کولہے پر پھسلیں تو ایک عجیب سی برقی رو بلبل کے جسم میں سر سے پاؤں تک لرز گئی۔

منوہر نے اس کی لرزش کو اپنی انگلیوں میں محسوس کیا، اور دھیرے سے بولا!

"ایک کیمرہ مین کے لئے اپنی ہیروئن کے جسم کو سمجھنا بے حد ضروری ہوتا ہے!"

"اور ہیروئن کی روح کو سمجھنا شائد ضروری نہیں ہوتا؟"

بلبل نے پوچھا۔

"روح تو اداکاری میں ہوتی ہے اور آنکھوں سے ظاہر ہوتی ہے۔"

منوہر نے کہا:

"میں کچھ تصویریں تمہاری آنکھوں کی بھی لونگا!"

منوہر بلبل کے بہت قریب چلا گیا، اور بلبل نے اپنے چہرے پر ایک غیر مرد کی سانس کو اپنے رخساروں پر محسوس کیا!

"تمہاری پلکیں بہت لانبی اور عمدہ ہیں۔!"

منوہر بولا۔

بلبل چپ رہی۔

"نجانے تمہاری آنکھوں کا رنگ کیا ہے؟ کبھی سیاہ معلوم ہوتی ہیں کبھی بھوری، کبھی شربتی، تمہاری آنکھیں بڑی متلون مزاج معلوم ہوتی ہیں!"

بلبل زور سے ہنس پڑی۔

"پوز بگاڑ دیا نا!"

یکایک منوہر سنجیدہ ہو کر بولا۔
"اس وقت میرا کیمرہ ٹھیک تمہارے بالکل نزدیک ہے۔ ایک انچ کے دسویں حصے کی غلط حرکت سے بھی پوز بگڑ سکتا ہے۔ میں تمہیں کیمرے کے سامنے کھڑے ہونے کے سب انداز سکھادوں گا!"
"شکریہ!"
بلبل دھیرے سے بولی۔
منوہر نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بلبل کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ وہ جلد گلاب کی پتی سے بھی زیادہ نازک تھی۔ منوہر کا دل اندر ہی اندر کانپنے لگا۔ اس نے بہت سے چہرے دیکھے تھے مگر ایسا شفاف روشن تیکھا موزوں چہرہ اسے آج تک فلم انڈسٹری میں نظر نہیں آیا تھا۔ اگر یہ چہرہ اس کا ہو سکتا....
ایک ہیروئن اور ایک کیمرہ مین کو دن رات اکٹھے کام کرنا پڑتا ہے۔ ایک کیمرہ مین کو اپنی ہیروئن کے جسم کو ہر زاویئے سے دیکھنا پڑتا ہے۔ ایک ہیروئن کے حسن کی دلکشی کی عکاسی کا انحصار ہر منزل پر کیمرہ مین کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی لغزش ہیروئن کی کشش کو ختم کر سکتی ہے۔ اس لئے ایک کیمرہ مین کے لئے اپنی ہیروئن کو بہت قریب سے دیکھنا اور سمجھنا بہت ضروری ہے اور دونوں کی دوستی فلم کی کامیابی اور خود ہیروئن کی کامیابی کے لئے خصوصاً" ایک نئی ہیروئن کی کامیابی کے لیے بے حد ضروری ہے۔
"مجھے امید ہے کہ ہم دونوں بہت اچھے دوست ثابت ہوں گے۔"
بلبل نے پر خلوص لہجے میں کہا۔ اس تک منوہر کا ذو معنی لہجہ پہنچا ہی نہ تھا۔ اس لئے اس کے خلوص بھرے لہجے میں کسی طرح کی مدافعت نہ تھی کسی طرح کا جھوٹ نہ تھا' بناوٹ نہ تھی' تصنع نہ تھا اس نے سچے دل سے اپنے خلوص کا اظہار کیا تھا!
منوہر کو بلبل کا جواب پر امید معلوم ہوا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔
"آنکھیں اوپر اٹھاؤ' اور اوپر...... اور اوپر...... بائیں طرف گھماؤ' اور بائیں طرف اور بائیں طرف... اسے کہتے ہیں ترچھی نظر۔۔۔!!!"
کھٹاک کھٹاک سے بٹن دبا کر تین چار تصویریں منوہر نے لیں۔ پھر بولا:
"واہ کیا نظر تھی۔ راستے میں ٹینک بھی ہوتا تو چھد جاتا!"
بلبل کھل کھلا کر ہنس پڑی!

منوہر نے اپنی جیب سے شیفرڈ کا ایک قیمتی پین نکالا اور بلبل کو پیش کرتے ہوئے بولا۔

"یہ ایک حقیر سا تحفہ ہے۔!"

"کس لئے؟"

"ہماری تمہاری دوستی کے پہلے دن کی یاد میں!"

بلبل نے لجا کر دھیرے سے تھینکس کہا۔ اس کے رخساروں پر رنگ آنے لگے، جانے لگے، پلکوں نے رخساروں پر گرتے گرتے سپر ڈال دی۔ اس نے پھر دھیرے سے کہا۔ "تھینکس"۔ اور گھبرا کر وہاں سے بھاگ گئی کنول اور کوشی بھی خوشی سے چلاتے ہوئے اپنی بہن کے پیچھے بھاگے۔

منوہر دیر تک گھاٹی پر کھڑا رہا۔ اور دیر تک اس کا دل خوشی سے لرزتا رہا۔

دوسرے دن گوردھن رستوگی ویلی ویو میں پہنچا۔ اس نے بغل میں کہانی کا مسودہ دبا رکھا تھا، اور ایک البم، اور اس نے آتے ہی مطالبہ کیا کہ وہ اپنی فلم کی کہانی ہیروئن کو سنانا چاہتا ہے۔ اور ایکٹنگ کے بارے میں دوسری بہت سی باتیں بتانا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ بلبل کے ساتھ چند گھنٹے اکیلے گزارے گا اور اسے سب باتیں بتائے گا۔ لیکن اس کام کے لئے ان دونوں کو ایک کمرہ دے دیا جائے جہاں کسی طرح کی آمدورفت نہ ہو اور بچوں کا شور وغل نہ ہو۔!

شاردا نے دونوں بچوں کو باہر کھیلنے کے لئے بھیج دیا اور ڈرائنگ روم بلبل اور رستوگی کے حوالے کر دیا۔ اور ایک نوکر سے کہہ دیا کہ وہ ڈرائنگ روم کے باہر بیٹھا رہے اور گھنٹی کا انتظار کرے، چائے پانی کے لئے، جس چیز کی ضرورت ہو فوراً" مہیا کرے!

گوردھن رستوگی اور بلبل ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

رستوگی نے فلم کی کہانی کا مسودہ نکال کے سامنے تپائی پر رکھا۔ پھر بغل سے البم نکالا۔ یہ ایک خوش نما خوبصورت البم تھا جس پر گلابی مخمل کا غلاف چڑھا ہوا تھا۔ اس غلاف کے بیچ میں ایک مربع مرکز میں بلبل کی تصویر تھی۔

گوردھن نے یہ البم بلبل کو پیش کیا۔!

"یہ کیا ہے؟"
بلبل نے پوچھا
"میری طرف سے ایک حقیر تحفہ ہے۔!"
رستوگی بولا۔
بلبل البم کو کھول کر دیکھنے لگی۔ خوشی کی ایک ہلکی سی چیخ اس کے منہ سے نکلی۔
یہ اس کی اپنی تصویروں کا رنگین البم تھا' جو منوہر نے کھینچی تھیں' رستوگی نے انہیں بڑے قرینے سے اس البم میں سجایا تھا۔ طرح طرح کے پوز تھے۔ ایک سے ایک بڑھیا اور دل کش۔
"یہ میں ہوں؟"
بلبل حیرت سے اپنی تصویروں کو دیکھ کر کہنے لگی۔
جی ہاں' یہ آپ ہیں"
رستوگی نے مسکرا کر کہا۔
"اور جب آپ میری اس فلم میں کام کرلیں گی تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہو جائیں گی!"
"وہ کیسے؟"
"ڈائریکٹر کا کام یہ ہے کہ صرف اپنی ہیروئن کی باہر کی خوبصورتی کے علاوہ اس کی اندر کی خوب صورتی کو بھی ابھار کر فلم پر لائے۔"
"اندر کی خوب صورتی؟"
بلبل نے پوچھا۔
"میرا مطلب پوری شخصیت کی خوبصورتی سے ہے' روح کے سوز سے ہے' اگر دل میں سوز نہ ہو' تڑپ نہ ہو' کرب نہ ہو' بہترین اداکاری نہیں ہو سکتی۔ کیا تم نے کبھی محبت کی ہے؟"
"نہیں!"
بلبل بولی۔
"ایک دن کروگی"
رستوگی نے کامل اطمینان سے کہا۔

"اور جس دن محبت تمہارے دل کو چھولے گی، اس دن تم بڑی اداکارہ بن جاؤگی!"
بلبل نے محبت کے موضوع سے گریز کرتے ہوئے کہا۔
"آپ کو ان تصویروں میں سے کون سی تصویر اچھی لگتی ہے؟"
"سبھی پوز اچھے ہیں تمہارے بلبل۔"
رستوگی نے تصویروں کی طرف دیکھ کر بلبل کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پردہ سکرین پر اتنا مکمل چہرہ آج تک نہیں آیا۔
اس میں اگر میری ہدایت کاری بھی شامل ہو تو سونے پر سہاگہ ہو جائے گا!"
"وہ تو ہو گا ہی۔"
بلبل نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔
"مجھے آپ کے تعاون پر پورا بھروسہ ہے!"
"مگر اس کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب آجائیں۔"
رستوگی صوفے پر سرک کر بلبل کے قریب ہوتے ہوئے بولا:
"ایک ہدایت کار کے لئے اپنی ہیروئن کی روح کو سمجھنا بہت ضروری ہے!"
"وہ بھی یہی بات کہتا تھا!"
بلبل بولی۔
"وہ کون؟"
رستوگی نے چونک کر پوچھا۔
"منوہر۔"
"منوہر یہاں آیا تھا۔"
"کل آیا تھا کہتا تھا۔ ایک کیمرہ مین کیلئے ہیروئن کے جسم کو سمجھنا بہت ضروری ہے!"
رستوگی بڑی بیزاری سے ہاتھ ہلا کر بولا۔
"میں جسم کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا لیکن جسم آخر ایک ظاہری چیز ہے اور ایک کیمرہ مین بیچارے کو شخصیت کے مظاہرے سے واسطہ پڑتا ہے۔ اسلئے وہ بیچارہ ظاہری سجاوٹ اور ترتیب پر زور دیتا ہے لیکن اداکاری اور چیز ہے۔ گریٹا گاربو کے چہرے کا حسن بالکل معمولی تھا لیکن اسکی روح کی فنکاری نے اسے دنیا کی سب سے بڑی ہیروئن بنا

دیا۔ تم اس فن میں ابھی بالکل نئی ہو۔ یہ باتیں ابھی تم ٹھیک سے سمجھ نہیں سکتیں۔ لیکن اگر تم مجھ سے تعاون کروگی اگر تم مجھے سمجھنے کی کوشش کروگی، اور میں تمہیں، تو تمہاری اندر کی خوبصورتی کو باہر نکال کے لے آؤں گا........"

بلبل نے چائے بنا کر اس کے سامنے شکر دانی رکھتے ہوئے کہا۔

"اس چمچے سے شکر نکال لیجئے اپنی پسند کی!"

"شکریہ!"

رستوگی اپنی پیالی میں شکر ڈالتے ہوئے بولا۔

چائے کا ایک گھونٹ پی کر اس نے پیالی تپائی پر رکھ دی اور کہنے لگا۔

"ذرا اپنا ہاتھ دکھاؤ!"

بلبل نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

رستوگی نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ وہ اس کی انگلیوں کو چھو کر بولا۔

"تمہاری انگلیاں بتاتی ہیں کہ تمہاری روح بڑی حساس ہے!"

"انگلیوں سے روح کا اندازہ ہو جاتا ہے؟"

بلبل نے پوچھا۔

اور پھر وہ خاموشی سے اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی۔ جو رستوگی کی موٹی موٹی بے ڈھب انگلیوں والے ہاتھ میں تھا۔ اسے رستوگی کے ہاتھ سے کراہیت سی محسوس ہونے لگی۔

رستوگی نے اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کو ذرا سا دبا کر کہا:

"ہاتھ روح کا آئینہ ہوتا ہے۔ میں ہاتھ دیکھ کر انسان کی شخصیت کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتا ہوں۔ مثال کے طور پر تمہاری یہ انگلیاں کتنی لالبی، پتلی اور مخروطی ہیں۔ ان کی ہڈیاں بے حد نازک ہیں ایسی لڑکی بے حد حساس اور ہمدرد ہوتی ہے۔ جنگل کی ایک ہرنی کی طرح!"

"اس حساب سے آپ کی انگلیاں دیکھ کر پتا چلتا ہے کہ آپ کسی جنگل کے ریچھ ہیں!"

بلبل نے رستوگی کے ہاتھ کی موٹی موٹی بے ہنگم انگلیوں کی طرف اشارہ کیا اور زور زور سے ہنسنے لگی!

رستوگی نے جلدی سے ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ دوسرے لمحے میں اس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھال لیا اور بلبل کے ساتھ قہقہے لگانے لگا۔

پھر سنجیدہ ہو کر کہنے لگا:
"مرد کا ہاتھ مختلف ہوتا ہے۔ اس کی پہچان کا طریقہ بھی الگ ہے!"
"یہ امرتی کھائیے نا!"
بلبل گفتگو کا رخ پلٹ کر بولی۔
"عجیب بات ہے!"
رستوگی بولا۔
"کیا؟"
"میری فلم کی ہیروئن کا نام بھی امرتی ہے!"
"سچ؟"
بلبل حیرت سے بولی۔
"مسودہ دیکھ لیجئے۔"
رستوگی نے مسودہ کھول کر بلبل کو دکھادیا۔ پہلے صفحے پر ہی ہیروئن کا نام امرتی لکھا تھا!
"اب اگر میں اپنی ہیروئن کو کھا گیا تو فلم میں کام کون کرے گا؟"
رستوگی نے بے باک نگاہوں سے بلبل کی طرف دیکھا۔
بلبل نے لجا کر نگاہیں نیچی کر لیں۔ گلابی رنگ کی چھوٹ اس کے چہرے پر پڑنے لگی۔
اور رستوگی کو وہ اس لمحے بڑی پیاری اور کمزور سی معلوم ہوئی۔
"مگر معلوم ہوتا ہے اس امرتی کو کھانا ہی پڑے گا؟"
رستوگی نے پلیٹ سے ایک امرتی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لی، بلبل کا چہرہ ایک دم سرخ ہو گیا۔ اس کا خون ایک عجیب و غریب حدت سے گرم ہونے لگا۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے چہرے پر چیونٹیاں رینگ رہی ہوں۔
چند لمحے رستوگی بلبل کے شرمیلے احساس سے محظوظ ہوتا رہا، پھر بات پلٹ کر بولا:
"میں نے نرگس کو نرگس بنایا، مینا کماری کو مینا کماری، وحیدہ رحمان کو وحیدہ رحمان، اداکاری کی الف، ب ت میں نے انہیں سکھائی، اور دن رات محنت کر کے انہیں فلمی دنیا کے آسمان پر چڑھا دیا۔ میں تمہارے لئے بھی سب کچھ کروں گا۔ مگر اس کے لئے یہ بے حد ضروری ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کو جانیں بوجھیں۔ ایک دوسرے کے قریب

آئیں۔ ایک دوسرے سے بے تکلف ہوں۔ تم میرے دل کی بات سمجھو' میں تمہاری روح کا درد دیکھوں.....

رستوگی نے کہتے کہتے بلبل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا کہ اتنے میں بلبل کی ماں خود ایک سینی اٹھائے ہوئے اس میں گوبھی اور پالک کی تلی ہوئی گرماگرم پھلکیاں لے کر اندر آگئی۔

بلبل نے جلدی سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا' مگر رستوگی نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا۔

جب بلبل کی ماں ان کے سامنے تپائی پر پھلکیاں رکھ رہی تھی تو رستوگی نے بڑے غور سے بلبل کے ہاتھ کی جلد کو چھو کر کہا "تم رات کو سونے سے پہلے اپنے ہاتھوں پر دل بہار لوشن کی مالش کیا کرو' اس سے تمہارے ہاتھوں کی جلد کی Dullness نکل جائے گی اور وہ شفاف اور چمک دار ہو جائیں گے!"

یہ کہہ کر رستوگی نے بڑے اطمینان سے بلبل کا ہاتھ چھوڑ دیا اور پھلکیاں کھانے لگا۔

جب رستوگی چلا گیا تو بلبل کی ماں نے اپنی بیٹی سے پوچھا'
"کیا باتیں کرتا تھا؟"
"کچھ جسم اور روح کا جھگڑا تھا!"
بلبل نے جواب دیا۔
"فلم کی بات میں فلسفے کا کیا کام؟"
شاردا نے حیرت سے پوچھا۔
"فلم میں ہیروئن ایک فلاسفر کی بیٹی ہے نا۔!"
بلبل نے جھوٹ بولا۔
"اچھا۔!"
شاردا کو اطمینان ہو گیا۔
پھر چند لمحوں کے سکوت کے بعد بولی:
"تم نے اشوک کمار کا پوچھا تھا' آ رہا ہے کہ نہیں؟"
"میں نے نہیں پوچھا' بھول گئی!"
"ہیروئن کیا ہو گئی ہو۔' ہر بات بھولنے لگی ہو' کچھ یاد ہی نہیں رہتا تمہیں!"
شاردا نے تلخ لہجے میں کہا۔
"اب پوچھ لوں گی ممی۔!!"
بلبل نے پشیمان ہو کر کہا:
"اب آئے گا تو ضرور پوچھ لوں گی میری اچھی ممی!"

بلبل نے اپنی ماں کے گلے میں باہیں ڈالنے کی کوشش کی، مگر شاردا غصے سے پیچھے ہٹ گئی اور غصے سے بولی:
"تجھے اپنے نخروں سے فرصت ملے تو تو کسی دوسری بات کی طرف دھیان دے!

رستوگی ہوٹل پہنچ کر سیدھا کیمرہ مین کے کمرے میں گیا۔
"تو دیلی ویو کیوں گیا تھا؟"
اس نے منوہر سے پوچھا۔
"کچھ خاص طرح کے کلوز اپ لینے کے لئے۔!"
منوہر نے جواب دیا۔
"کلوز اپ؟"
رستوگی نے حقارت سے ہنس کر کہا۔
"ہاں کلوز اپ۔!"
"شٹ آپ!"
رستوگی زور سے چیخا۔
"یو شٹ اپ!"
منوہر کو بھی غصہ آگیا۔
"تم میری اجازت کے بغیر اس سے نہیں ملو گے!"
"کیوں نہیں ملوں گا ضرور ملوں گا!"
"ایک بات صاف ہونی چاہیے اس لڑکی پر میرا دل ہے؟"
"میرا بھی دل ہے!"
"وہ میری پکچر کی ہیروئن ہے۔!"
"وہ میری دریافت ہے!"
"تم اس کے مستقبل کو بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ اس کی مدد کیا کر سکتے ہو؟ سوائے اس کے کہ اس کے جسم اور چہرے کے خوبصورت زاویے سکرین پر لاؤ۔

اس سے زیادہ تم ایک ہیروئن کے لئے کیا کر سکتے ہو؟ وہ بڑی احمق لڑکی ہوگی اگر تم سے محبت کرے گی.....

"اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی اگر میں اسے دریافت نہ کرتا!"

منوہر بولا:

"اگر اس لڑکی میں اداکاری کی صلاحیت پہلے سے ہی موجود نہ ہوتی تو تم یا تمہارا سیٹھ کیا اسے اپنی پکچر میں ہیروئن لیتے؟ تم کسی کے مستقبل کو کیا بنا سکتے ہو۔ اپنے لئے بمبئی میں ایک فلیٹ تک تو بنا نہیں سکے!"

"اگر تم نے پھر کبھی میری ہیروئن سے بات کی..."

رستوگی نے دانت پیس کر کہا۔ اور منوہر کو گردن سے پکڑ لیا اور اسے ہلاتے ہوئے بولا۔

"تو میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔!"

منوہر نے جھٹکا دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیا اور رستوگی کے منہ پر گھونسہ مار کر کہا:

"اور اگر میں نے کبھی تمہیں اپنی بلبل سے بات کرتے دیکھ لیا تو چھری سے تمہاری آنکھیں باہر نکال لوں گا!"

منوہر کے گھونسے سے رستوگی کے ہونٹ سے خون جاری ہو گیا اس نے غصے میں آکر ایک کرسی اٹھائی اور زور سے منوہر کے سر پر ماری منوہر نے اپنا سر تو بچالیا مگر کرسی اس کے شانے پر زور سے لگی اور لگ کر ایک تپائی پر گری۔

منوہر نے غصے میں آکر پانی سے بھری صراحی اٹھائی اور رستوگی کے سر پر ماری۔ رستوگی کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ اور کانچ کی صراحی ٹوٹ کر فرش پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

رستوگی نے ایک اسٹول اٹھا کر منوہر پر دے مارا اور اسٹول منوہر سے لگ کر کھڑکی سے ٹکرایا اور کھڑکی کا کانچ توڑتا ہوا اور کھڑکی کھولتا ہوا ہوٹل کے باہر جاگرا۔

شور سن کر گلشن دیو دوڑا دوڑا کمرے کے اندر آیا اور دونوں کی ہیئت کذائی دیکھ کر تعجب کرنے لگا۔ جب اسے سب حال معلوم ہوا تو ان دونوں میں سے کسی کو تسلی دینے کے بجائے زور زور سے ہنسنے لگا۔!

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔؟"

منو ہر نے غصے سے پوچھا۔
"ہمارا جباڑا ٹوٹ گیا' تم ہنستا ہے؟"
"ہمارا سر کھل گیا تم ہنستا ہے؟"
رستوگی نے بھی تیکھے لہجے سے پوچھا۔
"یہ ہماری لڑکی کو اڑانا چاہتا ہے!"
"لڑکی تمہاری نہیں میری ہے!"
منو ہر نے پھر گھونسہ تان کر کہا۔
"میری ہے' میری ہے' میری ہے!"
رستوگی نے میز سے کھانے کی چھری اٹھالی' اور منو ہر کی طرف بڑھ گیا!
گلشن دیو جلدی سے دونوں کے بیچ آگیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔۔۔۔
"بے کار کا جھگڑا کرتے ہو!۔ لڑکی نہ تیری ہے نہ اسکی ہے...... ہیروئن تو ہمیشہ ہیرو کی ہوتی ہے' اور ہیرو اپنا کل آرہا ہے یہ دیکھو نا... شیو آنند کل گلمرگ پہنچ رہا ہے!"
گلشن دیو نے اپنے ہاتھ میں تار کا گلابی کاغذ زور زور سے ہلایا! جیسے کسی نے دونوں کو سرخ جھنڈی دکھادی ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف گھورتے گھورتے ایک دم ٹھنڈے پڑ گئے۔ رستوگی کے ہاتھ سے چھری گر گئی۔ منو ہر کا ہاتھ جو مارنے کے لئے اوپر اٹھا تھا نیچے ڈھلک گیا دونوں کے چہرے فق ہو گئے اور وہ دونوں کچھ سراسیمہ کچھ پریشان ہو کر اپنے اپنے زخموں کا جائزہ لینے لگے!
"کیا تم ہم کو حیران کرتا ہے؟"
گلشن دیو غصے سے بولا۔
"سالا یہ ہوٹل کا کمرہ ہے کہ کھاٹی پورہ کا چوک ہے؟ تم ادھر گلمرگ میں آکر داداگیری کرتا ہے۔ گنڈوں کے مافق؟ ہم تم دونوں کو پکچر سے باہر کرے گا۔ اگر تم ہماری ہیروئن سے ایک بات بھی گلط کرے گا ہم تم کو ابھی سے بول دیتا ہے!"
منو ہر اور رستوگی دونوں ایک دوسرے سے دور چلے گئے' اور مخالف سمت کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر ہوٹل سے باہر دیکھنے لگے۔!
"چلو تم کو ڈاکٹر کے پاس لے کے جائے گا۔ مرہم پٹی کے واسطے!"
گلشن دیو کا لہجہ نرم پڑ گیا۔

"نہیں تو سالا کل تم شوٹنگ کیا کرے گا؟"
منوہر کے شانے سے خون نکل رہا تھا اور رستوگی کے ہونٹ سے اور ماتھے سے اور وہ دونوں رومال رکھ رکھ کر اپنا خون صاف کر رہے تھے۔ دونوں بے حد شرمندہ نظر آ رہے تھے اور ان دونوں کی نگاہوں میں ٹیلی گرام کا گلابی کاغذ جھلک رہا تھا جس پر لکھا تھا:
"کل گلمرگ پہنچ رہا ہوں۔"

شیو آنند

شیو آنند بمبئی سے سری نگر تک سمیرا اور شوم کے ساتھ آیا تھا سمیرا کے ساتھ سفر کرنے کا یہ پہلا موقع تھا شو آنند کے لئے۔ اس لئے وہ اس موقعے کو ہاتھ سے کھو دینا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ ایک عرصے سے بمبئی کی فلمی تصویروں میں کام کرتے کرتے وہ سمیرا کے جسم کے زہریلے خم دیکھ رہا تھا۔

سمیرا فلموں میں نئی نئی آئی تھی، لیکن بہت جلد ترقی کے بلند مدارج طے کر چکی تھی۔ وہ فلموں میں صرف رقص کرتی تھی، مگر اس کے جسم کے خم اس قدر خطرناک تھے کہ تماشائی اسے فلم پر دیکھتے ہی جوش اور مسرت سے تالیاں بجانے لگتے تھے۔

سمیرا کی ماں آرمنی تھی، باپ اینگلو انڈین تھا۔ اس لئے تین نسلوں کے امتزاج سے ایک عجیب و غریب جسم پیدا ہوا تھا، سرو قد چمپئی رنگ، بال رات کی طرح سیاہ اور بھنویں کمان کی طرح تنی ہوئی، اور جسم۔ جسم چھوتے ہی ناگن کی طرح بل کھانے لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں کوئی ہڈی نہ ہو۔ سمیرا کمر تک اپنے جسم کو ساکت کر کے اپنے کولہوں کو ایک جھولے کی طرح جھلا سکتی تھی اور کبھی کولہوں تک اپنے جسم کو جامد کر کے اپنے شفاف پیٹ میں یوں دائرے بناتی جیسے ٹھیرے ہوئے پانی میں بھنور ناچنے لگیں۔

سمیرا کا چہرہ طوائف کا سا تھا۔ جسم ناگن کا اور روح ایک قدامت پرست لڑکی کی تھی۔ کیونکہ یہ سب جانتے تھے۔ اور فلمی حلقوں میں یہ مشہور تھا کہ سمیرا ایک نیک چال چلن کی لڑکی ہے جو صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے۔

شوم اس کا شوہر تھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا۔ ہر وقت سگار پیتا رہتا تھا۔ عمدہ کپڑے پہنتا تھا اور اپنے ٹھگنے قد کی وجہ سے ڈبل ایڑی کے جوتے پہنتا تھا۔ وہ اپنی بیوی کا شوہر بھی تھا اور اس کا مینیجر بھی تھا۔ اس کی آنکھیں ہر وقت مسکراتی سی رہتیں۔ ایک عجیب نیم تلخ، نیم

در گذر کرنے والی مسکراہٹ تھی وہ۔ جیسے شوم سب کچھ جانتا ہو، اور جو کچھ وہ جانتا ہو وہ بہت تلخ ہو اور اس تلخی کے باوجود معاف کرنے پر آمادہ ہو۔ کیونکہ اس کے سوا جینے کا اور کوئی طریقہ اسے معلوم نہ تھا۔

کمپنی نے سمیرا اور شوم کے لئے فرسٹ کلاس کا ٹکٹ دیا تھا۔ بمبئی سے دہلی تک اور دہلی سے ہوائی جہاز کا کرایہ ادا کیا تھا۔ مگر شو آنند ان دونوں کو اپنے خرچ پر بمبئی سے سری نگر تک ہوائی جہاز میں لایا تھا۔ شو آنند اپنے کام کی وجہ سے فلمی دنیا میں دن بدن مقبول اور مشہور ہو رہا تھا وہ چھ فٹ کا لمبا تگڑا جوان تھا ہر وقت مضطرب اور بے چین۔

اصل میں وہ پہلوان بننا چاہتا تھا، مگر ماں باپ نے کالج میں داخل کرا دیا۔ اس لئے چار بار امتحان دینے کے باوجود کبھی ایف اے پاس نہ کر سکا۔ اور گھر سے بھاگ کر بمبئی چلا آیا۔

بمبئی میں وہ کئی سال تک مختلف طرح کے پاپڑ بیلتا رہا اور بار بار پاپڑ کی طرح خود بخود لوٹتا رہا۔ وہ ویٹر رہا۔ کلرک رہا۔ انشورنس ایجنٹ رہا۔ سیلز مین رہا۔ ایک پراپرٹی ڈیلر کا اسسٹنٹ رہا۔ اور ہمیشہ بھوکا رہا۔

پھر وہ فلموں میں آگیا اور یہاں دھکے کھاتے کھاتے ایک دن فلم کا ہیرو بن گیا!

ہیرو بنتے ہی اس کی پہلی پکچر اتنی کامیاب ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ راکٹ کی طرح بلند ہوا، اور فلم کے آسمان کا چمکدار ستارہ بن گیا!!

اب اس کے پاس سب کچھ تھا سوائے معصومیت کے اور وہ اسے راستے میں کہیں کھو چکا تھا۔ اس کے پاس ہنسی بھی تھی۔ لیکن اس کی ہنسی بہتے پانی کی کھنکتی ہوئی صدا نہ تھی۔ ایک ٹھہرے ہوئے ظلم کی گہری چھاؤں تھی جس کی دبیز پرتوں سے ماضی کی مایوسیاں ابھرا بھر کر انتقام لینے پر آمادہ ہوں۔

وہ بلند آہنگ میں بات کرتا تھا شوخ رنگوں کے کپڑے پہنتا تھا دوستوں کی فیاضی سے دعوت کرتا تھا۔ پبلک کے کاموں میں لمبے لمبے چندے دیتا، اور کھل کر ہنستا تھا۔ لیکن اس کی بلند کھلی، بے باک، جوان اور نڈر ہنسی کے اندر تہوں کے اندر تہوں سے پرے ایک موہوم سے خوف، ڈر اور ظلم کی بازگشت سنائی دیتی تھی۔ ہر ایک کے لئے نہیں، لیکن غور کرنے والے کے لئے وہ ہنسی ایک تنبیہہ تھی اور کبھی کبھی سننے والے کے بدن میں جھرجھری سی پیدا کر دیتی تھی۔

لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ عام طور پر لوگ اس کی صحبت کو بے حد پسند کرتے تھے۔ اس کے دائیں بائیں منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کی دل جوئی اور خوشامد کرتے تھے اور ہر طرح سے اسے اپنی تعریف سے نوازتے تھے' اور اب دنیا کی نظروں میں وہ ایک کامیاب انسان تھا اور کامیابی کی اس بلند منزل پر تھا جہاں جذبے کو کمزوری' عورت کو جسم اور روپے کو خوشی سمجھا جاتا ہے۔

بمبئی میں اس نے سمیرا کے جسم کو حاصل کرنے کی بہت کوشش کی تھی سمیرا ہلکی پھلکی دل کش چھیڑ چھاڑ کی تو عادی تھی کہ اس کے بغیر کام نہیں چلتا مگر اس سے آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ تھی' اور جب کبھی شو آنند نے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اس نے ہمیشہ ہنس کر ٹال دیا۔

"تم جانتے ہو شو' میرا ایک خاوند بھی ہے۔!"

"اچھا۔ پھر؟"

"اور میں اس سے محبت بھی کرتی ہوں۔!"

"نان سینس سمیرا۔"

شو آنند ہنس کر کہتا:

"آج کل کون عورت اپنے شوہر سے محبت کرتی ہے یا کر سکتی ہے۔ ناممکن ہے۔!"

"کیوں ناممکن ہے؟"

"آج محبت کرنے کے لئے وقت کہاں ہے کسی کے پاس' دیکھو دنیا کتنی تیز رفتاری سے دوڑتی جا رہی ہے۔ ہمارا جہاز چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑ رہا ہے۔ زندگی کی اس دوڑ میں صرف ہیلو کہنے کا وقت ہے۔!"

"تو میں بھی تمہیں صرف ہیلو کہتی ہوں"

سمیرا مسکرا کر بولی۔

"ہیلو۔!"

اور شو آنند کی سیٹ سے اٹھ کر آگے جا بیٹھی جہاں اس کا شوہر تین چار سیٹیں آگے چل کر ایک سگار پی رہا تھا۔!"

جب وہ شوم کے پاس بیٹھ گئی' تو شوم سگار کی راکھ جھاڑتا ہوا بولا:

"کیا مانگتا ہے تمہارا ہیرو؟"

"لالی پاپ!"

سمیرا نے شوخ نگاہوں سے اپنے شوہر کی طرف دیکھا اور پھر بڑے پیار سے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ اسے معلوم تھا کہ پیچھے شو آنند دیکھ رہا ہو گا اور دیکھ دیکھ کر جل رہا ہو گا۔

اس خیال کے آتے ہی وہ کھل کھلا کر ہنس پڑی اس کی ہنسی کے پنجے بلی کے ناخنوں کی طرح تیز تھے۔ وہ شو آنند کو اپنے جسم میں گڑتے ہوئے محسوس ہوئے۔ اس نے غصے سے اپنے ہونٹ چبائے' دانت کٹ کٹائے اور دیر تک اپنی مٹھیاں بھینچ بھینچ کر کھولتا رہا اور بند کرتا رہا۔

اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ سمیرا کی پیٹھ میں اتنے زور سے لات جمائے کہ وہ لڑکھڑا کر ہوائی جہاز سے باہر جاگرے۔ کتیا۔!

ائر پورٹ سے باہر نکل کر شو آنند نے شوم سے پوچھا:

"آپ لوگ کہاں جاؤ گے؟"

"ہمارا کمرہ تو دلشاد ہوٹل میں بک ہے!"

شوم نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں نہیں!"

شو آنند نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"اس پھٹیچر ہوٹل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ تم لوگ میرے ساتھ پیلس ہوٹل میں چلو۔ جوڈل کے کنارے واقع ہے اور سری نگر کا سب۔ سے بڑھیا ہوٹل ہے۔!"

"لیکن ہمارا کمرہ تو کمپنی نے دلشاد"

"ایسی تیسی کمپنی کی!"

شو آنند نے سمیرا کو کار کے اندر دھکیلتے ہوئے کہا:

"کمپنی پیسے نہیں دے گی تو میں خود دوں گا!..... میں اکیلا ہوٹل میں کیا کروں گا۔ مجھے بھی تو کمپنی چاہئے... یہ کہہ کر اس نے دوسرا تھو کا شوم کو دیا اور اسے سمیرا کے بعد کار میں بٹھا دیا۔

پیلس ہوٹل میں شو آنند کو ساتھ ساتھ لگے ہوئے دو کمرے مل گئے اور شو آنند بہت خوش ہوا۔ وہ لوگ اپنے اپنے کمروں میں غسل کرنے اور کپڑے بدلنے گھس گئے اور طے یہ پایا کہ تیار ہونے کے بعد شو آنند کے کمرے میں ڈرنک کا دور چلے گا۔

لیکن جب ایک گھنٹہ گذر گیا' اور وہ لوگ نہیں آئے تو شو آنند اپنے کمرے سے نکل کر ان کے کمرے میں گیا۔

شوم نہا دھو کر گرم کپڑے پہن کر تیار بیٹھا تھا۔ اس نے اپنی انگلیوں میں ہیرے کی تین انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ کیونکہ شوم کو بیش قیمت جواہرات کی انگوٹھیاں پہننے کا بہت شوق تھا۔ ایک نیلم کی انگوٹھی تھی۔ دوسری ہیرے کی۔ تیسری مرجان کی!

شو آنند نے پوچھا:

"سمیرا کہاں ہے؟"

"باتھ روم میں!"

"شوم نے جواب دیا!"

اس کے آنے تک میرے کمرے میں چلو' وہسکی تو شروع کریں۔

شوم اٹھ کر شو آنند کے کمرے میں چلا آیا۔

شو آنند نے دو گلاسوں میں وہسکی ڈالی۔

"ہیراز ہیسٹ!" وہ بولا۔

شوم نے اس کے گلاس سے گلاس لگاتے ہوئے کہا:

"ہیسٹ۔!"

پہلا پیگ انہوں نے خاموشی میں جلدی سے ختم کیا۔ دوسرے پیگ کے دوران میں شو آنند نے کہا:

"مجھے اس کا جسم چاہیے۔!"

شوم چپ رہا۔

"صرف ایک رات کے لئے!"

شوم چپ رہا۔

"یعنی مجھے 'یعنی شو آنند کو مجھے شوم سمیرا کا جسم چاہئے!"
شوم بولا:
"میں نے بمبئی میں ایک فلیٹ دیکھ رکھا ہے پینتیس ہزار روپے کا' مجھے وہ چاہئے۔!"
شو آنند نے کہا:
"مگر پینتیس ہزار روپیہ تو بہت ہوتا ہے۔ایک رات کے لئے!
ہر انسان کو سوچ سمجھ کر قاعدے کے مطابق بات کرنی چاہئے!"
"بالکل درست۔"
شوم اپنی ہیرے کی انگوٹھی کو اپنی انگلی پر گھماتے ہوئے بولا۔
"ہر انسان کو سوچ سمجھ کر قاعدے سے بات کرنی چاہئے۔اسی لئے میں کہتا ہوں کہ میرے پاس ستائس ہزار روپیہ جمع ہو چکا ہے!"
"یعنی تمہیں فلیٹ کے لئے آٹھ ہزار روپیہ اور چاہئے؟"
"درست۔!"
"اور یہ آٹھ ہزار تم مجھ سے لے کر اس فلیٹ میں زندگی بھر سمیرا کے ساتھ رہو گے اور میں صرف ایک رات؟"
"لیکن یہ رات کتنی خوبصورت ہے۔!"
شوم نے کہا۔
"کھڑکی سے باہر دیکھو' اگر میں اس رات کا خالق ہوتا تو تم سے اس رات کا ایک لاکھ روپے چارج کرتا' مگر میں تو خالق نہیں ہوں صرف ایک شوہر ہوں!"
"شراب کا ایک گھونٹ پیو اور پانچ ہزار پر معاملہ ختم کر دو!"
"میں دو گھونٹ پیتا ہوں' اور تم سے کہتا ہوں کہ سمیرا کو بھول جاؤ' پانچ ہزار روپے میں تمہیں سو سو روپے والی پچاس راتیں مل سکتی ہیں!"
"میں ایک خاص طرح کا انسان ہوں"
شو آنند بولا:
"اور میری کوئی ایک خاص خواہش بھی ہو سکتی ہے!"
"خاص خواہش کی خاص قیمت بھی ہوا کرتی ہے!"
شوم نے جواب دیا' اور سنجیدہ ہو کر اپنی ہیرے کی انگوٹھی گھمانے لگا۔

"چھ ہزار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟"
شو آنند نے پوچھا۔
"میرا گلاس خالی ہے!"
شوم بولا۔
شو آنند نے دوسرا جام بنایا۔
شوم گھونٹ پی کر بولا۔
"وہسکی اچھی ہے!"
"چھ ہزار روپے بھی اچھے ہوتے ہیں!"
"رات خوبصورت ہے!"
"چھ ہزار روپے بھی خوبصورت ہوتے ہیں!"
"اور وہ ابھی آتی ہوگی"
شوم بولا:
"اور پھر کوئی بات نہ ہو سکے گی!"
"چلو سات ہزار لے لو"
شو آنند بے چینی سے بولا۔
"ایک ہزار تمہاری خاطر سے بڑھائے دیتا ہوں۔ کیونکہ تم میرے دوست ہو!"
"آؤ ہم اپنی دوستی کا جام صحت پئیں اور سات ہزار روپیوں کو بھول جائیں"
شوم نے اپنا گلاس اٹھا کر کہا۔
شو آنند نے اپنا ہونٹ چبایا' جیب میں ہاتھ ڈالا' چیک نکالا!
"مجھے چیک پسند نہیں ہے!"
شو آنند نے چیک واپس جیب میں رکھ لیا۔ دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا۔ بٹوہ نکالا۔ بٹوہ نکال کر کھولا۔ ہزار روپے کے آٹھ نوٹ نکالے اور شوم کے سامنے رکھ دیئے۔
شوم نے گن کر اپنی جیب میں رکھ لئے' اور پھر بڑے اطمینان سے شراب پینے لگا۔
"آج رات تم کہاں سوؤ گے؟"
شو آنند نے پوچھا۔
"دل شاد ہوٹل میں!"

شوم بولا۔
"سمیرا آئی نہیں ابھی تک!"
شو آنند بڑی بے تابی سے بولا۔ اس پر شراب کا رنگ چڑھنے لگا تھا۔
"کپڑے بدل رہی ہوگی!"
شوم بولا۔
"میں نے اس سے وہی ڈریس پہننے کو کہا تھا جو اپنی ناچ کے وقت اس نے پہنا تھا!"
"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ مجھے وہ ڈریس پسند ہے؟"
"اگر میں نہ جانتا تو تم سے آٹھ ہزار کیسے لے سکتا؟"
شوم نے پوچھا۔
"یہ انگوٹھی نیلم کی ہے؟"
شو آنند نے اپنی انگلی میں چمکتی ہوئی انگوٹھی کو دیکھ کر اسے چھپانا چاہا، کیسے چھپ سکتی تھی وہ انگوٹھی؟
"مجھے نیلم کی انگوٹھی بہت پسند ہے!"
شوم نے کہا۔
"مگر یہ انگوٹھی میری ہے!"
شو آنند نے سختی سے جواب دیا۔
"سمیرا بھی میری ہے!"
اور شوم نے آٹھ ہزار کے نوٹ نکال کر شو آنند کے سامنے میز پر رکھ دیے۔
"اٹھالو!"
شو آنند نے چند لمحوں کے لئے انتہائی غضب ناک نگاہوں سے شوم کی طرف دیکھا، پھر اپنے آپ پر قابو پاکر مسکرا دیا اور اپنی انگلی سے انگوٹھی نکال کر شوم کے حوالے کر دی!
شوم نے انگوٹھی پہن لی، نوٹ اٹھاکر واپس جیب میں ڈال لئے۔ بولا:
"رات کو مجھے بھی ایک جسم کی ضرورت ہوگی!"
"کیا کہتے ہو؟ میں سمجھا نہیں؟"
شو آنند غصے سے چلایا۔
"میں صرف یہ کہتا ہوں۔"

شوم بولا۔
"ہر انسان کو سوچ سمجھ کر قاعدے سے بات کرنی چاہئے'اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر تمہیں آٹھ ہزار والی رات چاہیے تو کیا مجھے سو روپے والی رات بھی نہیں ملے گی؟"
"کیوں نہیں ملے گی؟"
شو آنند بولا:
"تمہاری جیب میں آٹھ ہزار روپے ہیں!"
"وہ فلیٹ کے لئے ہیں!"
شوم نے جواب دیا۔
"میں ایک پائی اور نہیں دونگا!"
شوم نے جیب سے آٹھ ہزار نکالے۔انگلی سے انگوٹھی نکالی' دونوں شو آنند کے سامنے میز پر رکھ دیئے!
"تم کیا چاہتے ہو؟"
شو آنند حیران ہو کر بولا۔
"ایک سو روپے والی رات!"
"یہ لو ایک سو روپیہ۔اور اپنا منہ کالا کرو۔"
شو آنند نے سو کا ایک نوٹ اس کی طرف پھینک دیا۔
شوم نے سو کا نوٹ واپس پھینک دیا' اور گمبھیر لہجے میں بولا۔
"شریفوں کی طرح نوٹ پیش کرو میں سمیرا کا شوہر ہوں' اس کا دلال نہیں ہوں!"
شو آنند ہنسنے لگا۔اس نے نوٹ اپنے دونوں ہاتھ کی ہتھیلیوں پر رکھے' اور ہتھیلیاں آگے بڑھا کر بولا:
"باادب ملاحظہ!"
"شکریہ!"
کہہ کر شوم نے سو کا نوٹ لے لیا۔
"اور اب وہسکی کی دو بوتلوں کے دام....!"
شو آنند نے سو کا ایک اور نوٹ اس کے ہاتھ میں چپکے سے تھما دیا۔اب اسکی مدافعت کی قوت ختم ہو چکی تھی۔

HaSnain Sialvi

"اور ٹیکسی کے پیسے آنے اور جانے کے........!"
"یہ لو دس روپے!"
"دس کم ہوں گے رات کا وقت ہے!"
شوم نے اعتراض کیا!
"یہ لو بیس!"
"شکریہ!"
شوم نے بیس روپے جیب میں ڈالے اور بولا:
"اور بیرے کی بخشش.........؟"
"بخشش بھی میں دوں گا؟"
شو آنند غصے سے چلایا۔
"میں نے تمہارا ایسا کمین آدمی دنیا میں نہیں دیکھا!"
شوم نے انتہائی سنجیدگی سے ایک بڑا گھونٹ پیا۔ جیب میں ھات ڈال کر آٹھ ہزار کے نوٹ نکالے۔ سو کے دو نوٹ نکالے۔ دس کے دو نوٹ نکالے۔ اپنی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور میز پر رکھ کر شو آنند کی طرف کھسکاتے ہوئے بولا۔
"ہر انسان کو سوچ سمجھ کر قاعدے سے بات کرنی چاہیے اور قاعدے کی بات تو یہ ہے کہ جو انسان مجھے دلشاد ہوٹل بھیج رہا ہے وہی وہاں کے بیرے کی بخشش مجھے دے گا!"
"یہ لو دس روپے! بیس روپے۔ تیس روپے!!"
"شکریہ!"
شوم نے انکار میں سر ہلا کے کہا۔
"صرف دس کافی ہیں!"
اور سارے نوٹ اکٹھے کر کے جیب میں ڈال لئے اور نیلم کی انگوٹھی پہن لی۔ پھر بولا۔
"میرا گلاس خالی ہے!"
شو آنند نے اس کا گلاس بھر دیا۔
اتنے میں سمیرا ایک خوبصورت اچینی فراک پہنے ہوئے آگئی اس کے سر پر اودے رنگ کا دوپٹہ تھا جس پر ستارے لگے ہوئے تھے اور وہ فرانسیسی خوشبوؤں سے مہک رہی تھی' اور اس کے ھات میں ایک نازک سی پنکھی تھی' اور وہ اتنی پیاری معلوم ہو رہی تھی

کہ اسے دیکھ دیکھ کر شو آنند کا دل دھک دھک کرنے لگا' اور اس نے دانت پیس کر دل ہی دل میں سوچا:

"نہ جانے یہ کم بخت شوم کب یہاں سے دفعان ہو گا!"

اپنا گلاس خالی کرتے ہوئے شوم اٹھا۔

سمیرا نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مگر کچھ بولی نہیں۔

شوم بولا:

"تو میں چلتا ہوں۔"

"کہاں؟"

شو آنند نے معصوم بن کر پوچھا۔

"اگر کل گلمرگ جانا ہے' تو راستے کے لیے ٹیکسی وغیرہ کا بندوبست کرنا ہو گا۔ پوسٹ آفس میں کمپنی والوں کو ایک تار دینا ہو گا میں یہ سب کام کر کے آتا ہوں!"

جب شوم چلا گیا تو شو آنند نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ سمیرا گھبرا کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بولی:

"کیا کرتے ہو' کیا کرتے ہو' شوم ابھی آتا ہی ہو گا!"

"نہیں' اب وہ ساری رات نہیں آئے گا!"

سمیرا نے اس کی طرف تیکھی نظروں سے دیکھا' اور اپنی کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر بولی:

"مسٹر شو آنند' آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں ایک شوہر والی عورت ہوں!"

اتنا کہہ کر سمیرا مڑ گئی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے شو آنند کی طرف اپنی پیٹھ کر لی۔ جیسے وہ اب اس سے بات کرنے کے لئے بھی آمادہ نہیں ہے!

"اور اب تم ایک فلیٹ والی عورت بھی بن چکی ہو۔ میری مبارک باد قبول کرو' مسز سمیرا شوم!"

یہ کہہ کر شو آنند نے زور سے ایک لات اس کی پیٹھ پر جمائی اور سمیرا دھڑام سے اسکے بستر پر گر پڑی!

آج بلبل کی پہلی شوٹنگ تھی۔ یہ شوٹنگ آج گلمرگ اور تن مرگ کے درمیانی جنگلوں میں ہونے والی تھی۔ لوکیشن کے لئے ایک عمدہ سی گھاٹی ڈھونڈلی تھی۔ جہاں دن میں زیادہ سے زیادہ عرصے کے لئے دھوپ رہنے والی تھی۔ اور جہاں زمین پر رنگارنگ پھولوں کے تختے بچھے ہوئے تھے۔ اس گھاٹی میں شاہ بلوط کا ایک بڑا پیڑ کھڑا تھا جس کی چھاؤں میں بلبل ایک چرواہی کے بھیس میں بھیڑبکریاں چرایا کرتی تھی۔

دیلی ویو کے رہنے والے آج پو پھٹنے سے پہلے ہی جاگ گئے تھے کنول اور کوشی جو بالعموم نو بجے تک سوتے تھے سب سے پہلے تیار ہو کے ناشتہ کررہے تھے۔

شاردا نے بہت عرصے کے بعد میک اپ کیا تھا۔ اور وہ ساڑھی پہنی تھی جو اس نے اس روز پہنی تھی جس روز صوبے کے گورنر بہادر ان کی فیکٹری کے افتتاح کے لئے لدھیانے تشریف لائے تھے۔

"بلبل کو اورنج جوس دیا؟"

جنک رائے نے اپنی بیوی سے پوچھا۔

"دیا!"

"وزن کیا؟"

"کیا!"

"بڑھا تو نہیں؟"

جنک رائے نے متفکر لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!"

رستوگی نے جنک رائے کو ہدایت کی بلبل کا وزن نہ بڑھنے پائے' منوہر نے بتایا تھا کہ اگر بلبل کے جسم پر ایک چوتھائی انچ کا موٹاپا بھی آگیا تو وہ بھدی معلوم ہوگی۔ کیمرہ ایک عجیب و غریب چیز ہے۔ ایک چوتھائی انچ کے موٹاپے کو دس گنا بڑھا کے دکھاتا ہے! اس لئے شدید احتیاط ضروری ہے۔

جنک رائی نے سری نگر کے سب سے بڑے ڈاکٹر سے مشورہ کیا تھا' اور مشورے کے مطابق اب عمل ہو رہا تھا۔ بلبل کے کھانے کی میز سے چاول ہٹائے جاتے تھے۔ حالاں کہ بلبل کو چاول اس قدر پسند تھے مگر چاول موٹاپا بڑھاتے ہیں اس لئے بلبل چاول نہیں کھا سکتی تھی۔ وہ مکھن کھانے کی بہت شوقین تھی مگر اب وہ مکھن بھی نہیں کھا سکتی تھی۔

وہ ایک پنجابی لڑکی تھی' اس لئے پانچ چھ روٹی صبح اور اتنی ہی روٹیاں شام کے کھانے میں کھانے کی عادی تھی۔ اب اس کی خوراک آدھی کر دی گئی تھی۔ تین روٹیاں لنچ کے وقت اور دو روٹیاں رات کو۔ البتہ خالی پیٹ کے بھرنے کے لئے وہ جس قدر چاہے سلاد کھا سکتی تھی۔ کچی مولیاں اور گاجریں اور سلاد کے پتے' کہ انہیں کھا کر آدمی موٹا نہیں ہو سکتا!

طاقت قائم رکھنے لیے اسے دن میں دو بار اورنج جوس ملتا تھا۔ جنک رائے اس کے لئے دلی سے سنگترے بذریعہ ہوائی جہاز منگاتے تھے اور اسے روزانہ اپنے حات سے سنگترے کا رس پلاتے تھے جب گھر کے سب لوگ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو یکایک شاردا کو کچھ یاد آیا۔ اپنے شوہر سے بولی:

"ارے پوجا تو کر لو!"

"کاہے کے لئے؟"

جنک رائے نے حیران ہو کر پوچھا۔

"بھول گئے' جس دن تمہارے نئے کارخانے کا ادگھاٹن ہوا تھا تم نے کارخانے پر جانے سے پہلے گھر پوجا نہیں کی تھی؟"

بلبل نے ہنس کر کہا:

"ممی تم نے بھی مجھے کیا کوئی فیکٹری سمجھ لیا ہے؟"

"فیکٹری تو نہیں'۔ مگر کام پر تو جا رہی ہو پہلے روز کا پہلا کام ایسی شبھ گھڑی میں بھگوان کا نام لے کر جانا اچھا ہوتا ہے!"

شاردا گمبھیر ہو کر بولی۔

اور گھر کے سب لوگ باہر جاتے جاتے پلٹ کر اندر پوجا کے کمرے کی طرف لوٹ گئے۔

گلشن دیو نے تعارف کرایا:

"یہ میرا ہیرو ہے۔ شو آنند!"

"یہ میری ہیروئن ہے، بلبل!"

شو آنند اور بلبل دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

شو آنند لمبا اونچا کھڑا تھا، بلبل کے سامنے پہاڑ کی سی مضبوط اور چوڑی چھاتی لئے ہوئے۔ مضبوط شانے کھولے ہوئے، وہ ہولے ہولے مسکرانے لگا، اور اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

بلبل ایک لمحے کے لئے **جھجھکی**۔ اس نے ایسا محسوس کیا، جیسے اس کے سامنے ایک آدمی نہیں پہاڑ کھڑا ہو، اور وہ خود اس پہاڑ سے بہنے والا ایک جھرنا ہو۔ کمزور اور ملائم۔ دوسرے لمحے میں اس نے اپنی کمزوری پر قابو پا لیا، اور بے وقوفی سے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

اور شو آنند کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس سے ملائم ہاتھ آج تک اس کے ہاتھوں نے نہیں چھوئے تھے۔

بلبل نے دلیر بن کر شو آنند کی آنکھوں میں دیکھا پھر ایکدم گھبرا کر نگاہیں نیچی کر لیں، اور اس کے رخساروں پر گلاب کی پتیاں بکھر گئیں۔

خود شو آنند کے دل میں وہ نگاہ ایک بجلی بن کر چمکی، اور دور دور تک اس کے محسوسات کو آگ لگاتی چلی گئی۔

اور وہ کچھ نہ کہہ سکا،

اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

اور دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔
کیوں کہ اب گلشن دیو اپنے فلم یونٹ کے دوسرے افراد سے بلبل کا تعارف کرا رہا تھا:
"یہ سمیرا ہے ہماری ڈانسر۔ یہ شوم ہے۔ اس کا گھر والا۔ یہ قادر مرزا ہیں' ہمارا اسٹوری رائیٹر۔ یہ سردار جگت سنگھ ہے' انٹرنیشنل فیم کا فوٹوگرافر۔ ہماری فلم کی پبلسٹی کا اکھا کام بھی کرتا ہے!"
"یہ چاچا دھرم پر کاش ہے۔ ہندوستان کے مشہور کامیڈین! آپ نے ان کو تو دیکھا ہو گا جرور!"
"ہاں انکی تو بہت سی فلمیں میں نے دیکھی ہیں!"
بلبل دھرم پر کاش کی طرف دیکھ کر ایسی بچگانہ مسرت سے ہنسنے لگی جیسے اپنے سامنے کسی سرکس کے مسخرے کو دیکھ رہی ہو۔
"آپ فلموں میں بہت ہنساتے ہیں!"
پھر وہ گلشن دیو کی طرف مڑ کر بولی:
"مگر یہ دھرم پر کاش جی آپ کے چچا کیسے ہو گئے؟"
"اجی میں اس کا بھی چچا ہوں' اور اسکے باپ کا بھی چچا ہوں! دھرم پر کاش نے جلدی سے ہاتھ چلا کر کہا۔
"یہ کیسے ممکن ہے؟"
بلبل نے سوچ سوچ کر کہا۔ "کیوں کہ میں وقت سے پہلے جوان ہو گیا' اور اس کا باپ وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا!"
دھرم پر کاش نے ہنس کر کہا۔
بلبل کھل کھلا کر ہنس پڑی۔
"بہت شریر ہیں آپ؟"
"شرارت کی عمر تو آچکی ہے!"
دھرم پر کاش بولا:
"ہم تو یونہی کبھی کبھی زبردستی کر لیتے ہیں!"

بلبل نے جھینپ کر منہ موڑ لیا۔ تو سیٹھ گلشن دیو نے گھور کر دھرم پر کاش کی طرف دیکھا' تو دھرم پر کاش نے فوراً" سنجیدہ ہوکر اپنا منہ لٹکالیا اور پچھتاوے کے انداز میں بولا:
"ساری باس!"
گلشن دیو اگلے آدمی کا تعارف کرانے لگا۔
"یہ محمد بھائی میک اپ مین ہے۔ یہ پی سی تراوش ہے۔ یہ ہماری فلم میں مردوں کے ڈائیلاگ لکھتا ہے!"
"صرف مردوں کے؟"
بلبل نے حیرت سے پوچھا۔
"کتاب! کتاب!"
گلشن دیو نے ہیروئن کو سمجھاتے ہوئے کہا:
"بہت سی چوپڑیاں لکھی ہیں اس نے۔ اس کی "گدھے کی ہتیا" تو آپ نے پڑھی ہوگی!"
"گدھے کی آتم کتھا!"
بشن چندر نے تصحیح کی۔
"گدھے کی آتم کتھا آپ نے لکھی ہے؟"
بلبل زور سے چیخی۔ اس کی نگاہوں میں شدید حیرت تھی۔
"ہاں' بہت ہائی کلاس منشی ہے!"
گلشن دیو جلدی سے بولا:
"اس کی چوپڑی عورت لوک کو بہت پسند آتا ہے۔ اس لئے ہم نے نوکر رکھا ہے اس کو ادھر۔ یہ ہماری فلم میں عورتوں کے ڈائیلاگ لکھتا ہے!"
"صرف عورتوں کے؟"
بلبل نے حیرت سے بشن چندر کی طرف دیکھ کر کہا۔
بشن چندر نے بڑی عاجزی سے سرہلا کے سر جھکا دیا۔
"جی ہاں!"
بلبل بولی:

"ایک رائیٹر صرف مردوں کے ڈائیلاگ لکھتا ہے' دوسرا رائیٹر صرف عورتوں کے ڈائیلاگ لکھتا ہے' مگر جو بیچ کی مخلوق ہوتی ہے اس کے ڈائیلاگ کون لکھتا ہے؟"

"وہ سیٹھ جی خود لکھتے ہیں!"

دھرم پر کاش نے گلشن دیو کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اور سارا فلم یونٹ کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔

گلشن دیو نے گھور کر سب کی طرف دیکھا' اور سب لوگ ہنستے ہنستے اک دم خاموش ہو گئے!

جب بلبل میک اپ کر کے اور کپڑے بدل کر تیار ہو کے آگئی تو گلشن دیو نے تالی بجا کر سب کو اکٹھا کیا، اور گوردھن رستوگی سے بولا۔

"اب سب لوگوں کو سچو نیشن سمجھا دو!"

ڈائریکٹر رستوگی نے آنکھ کے اشارے سے قادر مرزا کو کہا کہ وہ سچو نیشن سمجھائے!۔

"سچو نیشن کیا ہوتی ہے؟"

بلبل نے پوچھا۔

ڈائریکٹر رستوگی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"ہر شوٹنگ میں ایک سین ہوتا ہے۔ ہر سین میں ایک سچو نیشن ہوتی ہے۔ سین کے بغیر سچو نیشن ہو سکتی ہے لیکن سچو نیشن کے بغیر کوئی سین نہیں ہو سکتا۔ سمجھ گئیں؟"

"جی ہاں!"

بلبل نے سرہلا کے جواب دیا۔

"تو ہیرو ہیروئن کو بتاؤ سچو نیشن کیا ہے؟"

رستوگی نے قادر مرزا سے کہا۔

قادر مرزا نے منہ کھولا۔ پان اگال دان میں تھوک دیا۔ پان کا ڈبہ کھولا۔ پان نکال کے منہ میں رکھ لیا۔

پھر بولے:

"اماں یار، سچو نیشن تو بہت صاف ہے (ہیروئن کی طرف اشارہ کر کے) لونڈیا سالی ادھر جھاڑ کے نیچے (درخت کی طرف اشارا کر کے) چرواہی کے بھیس میں بھیڑ بکریاں چرا رہی ہے۔ ادھر سے لونڈا سالا (ہیرو کی طرف اشارا کر کے) گھوڑے پر سوار، ڈھاٹا باندھے منہ پر، الو کی دم بنا چلا آتا ہے۔ اور پیڑ کے نیچے گھوڑے کو روک کر اتر کر چرواہی

سے ہم کلام ہوتا ہے۔ پھر کچھ دیر تک محبت کی بکواس ہوتی ہے جو یہ تمہارے رائیٹر لوگ لکھیں گے۔ مگر سالی لونڈیا نہیں مانتی کسی طرح سے حرامزادی‘ اور پٹھے پر ہاتھ رکھنے نہیں دیتی۔ تو لونڈے کو بھی کہ ڈاکوؤں کے سردار کا بیٹا ہے‘ اک دم جوش میں آجاتا ہے‘ اور وہ سالا اس سالی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھ لیتا ہے اور یہ جا۔۔وہ جا۔۔!“

قادر مرزا نے پان اگل دیا۔ نیا پان گلے میں دبالیا‘ بولے:

پچو نیشن ختم!“

تھوڑی دیر تک سناٹا رہا۔ پھر رستوگی نے کھانس کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا:

”پچو نیشن کچھ بھی نہیں!“

”سین کچھ بنا نہیں!“

گلشن سیٹھ بیزار ہو کر بولا۔

”پچو نیشن میں وہ نہیں ہے وہ!“

تراوش مایوسی سے اپنے ہاتھوں کا چمچہ بنا کر فضا میں یوں گھمانے لگا جیسے کسی ہانڈی سے پلاؤ نکالنے کی ناکام کوشش کر رہا ہو۔

”وہ۔۔۔وہ۔۔!!“

”وہ تو بالکل نہیں ہے!“

بشن چندر نے اداس ہو کر کہا۔

”بلکہ یہ بھی نہیں ہے!“

”اور جس سین میں نہ وہ ہو۔ نہ یہ ہو وہ سین کیا ہوا؟“

بشن چندر نے اتنا کہہ کر قادر مرزا کے پانوں کی ڈبیہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

قادر مرزا نے فوراً ”اپنے پانوں کی ڈبیہ جھٹک لی اور جھلا کر بولا:

”اماں یار‘ نہ سین سمجھتے ہو نہ پچو نیشن جانتے ہو‘ مگر برابر میرے پان کھائے جا رہے ہو!“

رستوگی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

منوہر نے آکر کہا۔

”شاٹ تیار ہے!“

"ابھی سین تو تیار نہیں ہے' شاٹ کے تیار ہونے کو کیا کروں!"
رستوگی غصے سے بولا:
"سالا سین تو جمتا ہی نہیں!"
"اس دن تو جم رہا تھا!"
قادر مرزا نے یاد دلایا۔
"اس دن سردی بھی زیادہ تھی!"
تراش نے سر ہلا کے کہا۔
"اس دن سین خوب جم رہا تھا!"
"سین نہ ہوا ملائی کی برف ہو گیا!"
بشن چندر بولا:
"سردی سے جمتا ہے' گرمی سے پگھلتا ہے!"
"تم ذا نہلا اگ رائیٹر ہے' تم کہانی کے بیچ میں کیوں بولتا ہے؟"
گلشن سیٹھ نے ایسے تیکھے تیور سے بشن چندر کی طرف دیکھا کہ وہ بے چارا وہیں سہم کر رہ گیا۔
پھر گلشن سیٹھ قادر مرزا کی طرف مڑ کر اور گھڑی دیکھ کر بولا:
"مرزا سین جلدی جماؤ' آدھے گھنٹے میں۔ اس سے جاستی ٹائم اپنے پاس نہیں ہے۔ اپنے کو آدھے گھنٹے میں سین مانگتا ہے جما جمایا۔"
"آئس کریم کے مافق' نہیں تو سب کو ہکال کے باہر کرے گا۔ سالا ہم نے ہزاروں روپیہ برباد کیا۔ اکھا یونٹ لے کر گل مرگ آیا۔ ایسٹ مین کلر میں تصویر بناتا ہے اور تم ایک سین نہیں جما سکتا؟"
یہ کہہ کر گلشن سیٹھ غصے میں بکتا جھکتا چیڑھوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے پیشاب کرنے کے لیے چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد وہ سب لوگ مل کر سین کو جمانے لگے!
"سین میں کیا خرابی ہے؟"
قادر مرزا نے پوچھا۔
"لڑکا آتا ہے۔ لڑکی کو بھگا کے لے جاتا ہے بات کیا بنی؟"
رستوگی نے پوچھا۔

"ہر فلم میں ایسا ہوتا ہے!"
"ایسا کرو"
تراوش بولا:
"جبکہ ڈاکو کا بیٹا، یعنی ہمارا ہیرو گھوڑے پر سوار ہو کر تو آئے اور لڑکی سے محبت کی میٹھی میٹھی باتیں کرے لیکن لڑکی میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہوئے لڑکے کو کوئی جڑی بوٹی سونگھا کر بے ہوش کر دے۔ اور اسے گھوڑے پر بٹھا کر بھاگ جائے۔ یعنی ہیرو کے بجائے ہیروئن ہیرو کو بھگا کے لے جائے! کیوں؟ سین جمتا ہے؟"
"جمتا ہے!"
قادر مرزا دونوں کلوں میں پان ٹھونستے ہوئے بولا۔
"جمتا ہے!"
رستوگی نے اپنی ناک میں انگلی دے کر کہا۔
"کیسے جمتا ہے؟"
بشن چندر بولا۔
"سین کے شروع میں تو ہیرو گھوڑے پر سوار ہو کر چرواہی کو بھگا لے جانے کی نیت سے آتا ہے اور آخر میں چرواہی خود اس کو بھگا لے جاتی ہے۔ کدھر؟۔۔۔ ڈاکو کے گھر؟۔ لیکن چرواہی تو ڈاکو کا گھر نہیں جانتی، اور ہیرو بے ہوش ہے۔ اس لیے ہیروئن اگر بے ہوش ہیرو کو گھوڑے پر رکھ کر گھوڑے پر چڑھ کر گھوڑے کو دوڑانے میں کامیاب بھی ہو جائے تو یہاں سے بھاگ کر جائے گی کہاں"؟
"غوں!"
قادر مرزا نے منہ میں پان کی پیک گھنگھولتے ہوئے کہا۔
"اونہہ!"
تراوش نے بے دلی سے سر ہلایا:
"سین نہیں جما!"
"اب کیا کروں؟"
رستوگی نے مایوس ہو کر بشن چندر سے پوچھا۔
"اپنی ناک میں دوسری انگلی لے لیجیے!"

بشن چندر نے مشورہ دیا۔

رستوگی نے جھٹ اپنی ناک سے انگلی نکال لی اور شرمندہ ہو کر وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ادھر ادھر گھوم کر واپس آیا تو بے حد خوش اور کھلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ بار بار ہاتھ پر ہاتھ مار کر کہہ رہا تھا:

"سین جم گیا۔ سین جم گیا!"

"وہ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ ہیرو گھوڑے پر سوار ہو کر آتا ہے۔ ہیروئن کو دیکھ کر گھوڑے سے اترتا ہے۔ محبت کی میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے مگر ہیروئن نہیں مانتی۔ بالآخر ہیرو ناراض ہو کر جانے لگتا ہے کہ اتنے میں گھوڑا آگے بڑھتا ہے اور ہیروئن کو اپنے منہ میں لے کر بھاگ جاتا ہے"

"یعنی گھوڑا ہیروئن کو لے کر بھاگ جاتا ہے؟"

تراوش نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ گھوڑا"۔

رستوگی نے وثوق سے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا۔

"ہیرو گھوڑے کی پیٹھ پر ہے اور ہیروئن گھوڑے کے منہ میں ہے' اور گھوڑا سرپٹ بھاگا جا رہا ہے۔ ایسا غضب کا شاٹ لوں گا کہ سیسل بی ڈیمیلو کی کھوپڑی گھوم جائے گی!"

"میری کھوپڑی تو ابھی گھوم گئی!"

تراوش اپنا سر کھجانے لگا۔

"کیوں مرزا جی؟"

رستوگی نے بشن چندر سے پوچھا۔

رستوگی نے مرزا جی سے پوچھا۔

"غاں!"

مرزا جی کا منہ اب پیک سے بالکل بھر چکا تھا۔ اس سے زیادہ اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔

"کیوں بشن چندر؟"

رستوگی نے بشن چندر سے پوچھا

بشن چندر بولا۔

"اول تو ایسا گھوڑا نہیں ملے گا جو کسی ہیروئن کو منہ میں لے کر بھاگے۔ دوسرا خطرہ اس شاٹ میں یہ ہے کہ ہیرون کو اگر راستے میں گھوڑے نے اپنے دانتوں سے چھوڑ دیا' تو ہیروئن کی ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس سین میں اب اصلی ہیرو تو ہیروئن ہے۔ گھوڑا ہے۔ اور یہ بات ہمارے ہیرو کے خلاف جاتی ہے کیوں شو آنند ؟"

"شاباش!"

شو آنند خوش ہو کر بولا۔

"یہی بات تو میں بھی سوچ رہا تھا' کہ اس سین میں ہمارا Advantage تو گھوڑا لے جاتا ہے۔ پھر میں ہیرو کس بات کا ہوں؟ مگر تم نے سین کی اصل کمزوری پکڑ لی۔"

شو آنند نے بشن چندر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تم میری اگلی پکچر کی کہانی لکھ رہے ہو!"

"شکریہ!"

بشن چندر بولا۔

تراوش نے کہا۔

"اگلی پکچر تو جب شروع ہو گی جب یہ پکچر ختم ہو گی۔ مگر یہ پکچر کیسے ختم ہو گی۔ اگر شروع ہی نہ ہو گی۔ میرے خیال میں تو یہ سین یوں ہونا چاہیے کہ ہیرو گھوڑے پر سوار آئے۔ پیڑ کے نیچے اترے۔ مگر ہیروئن سے محبت جتانے کے بجائے اس سے بیزاری جتائے۔ یعنی ہیرو کے بجائے ہیروئن ہیرو سے محبت کرے۔ اسے اپنے ساتھ لے جانے کو کہے۔ مگر ہیرو اسے چانٹا مار کر پرے دھر دے۔ وہ پھر آگے بڑھ کے ہیرو کے قدم چھو لے۔ ہیرو اسے ٹھوکا مار دے' اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائے اور گھوڑے کو دوڑا دے تو ہیروئن اچک کر گھوڑے کی رکاب سے لٹک جائے۔ اب سین دیکھیے۔ سچونیشن سمجھیے۔ ہیرو گھوڑے کی پیٹھ پر ہے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا ہے۔ ہیروئن گھوڑے کی رکاب سے لٹک رہی ہے اور نیچے ایک گہری کھڈ ہے۔ ہیرو کی ایک غلط حرکت سے 'گھوڑے کی ایک غلط جنبش سے یا رکاب کے ٹوٹ جانے سے ہیروئن ہزاروں فٹ گہری کھڈ میں گر کر پاش پاش ہو سکتی ہے ایسے میں کیا ہوتا ہے ؟"

"کیا ہوتا ہے ؟"

رستوگی نے سانس روک کر پوچھا۔

تراوش بولا۔

"ہیرو کو رحم آجاتا ہے۔ وہ جھک کر ہیروئن کو اپنے بازو میں اٹھالیتا ہے اور اپنی آغوش میں رکھ لیتا ہے اور گھوڑا دوڑاتے ہوئے نظروں سے غائب ہو جاتا ہے!"

"یاہو! یاہو!!"

شو آنند زور سے چلایا۔

"کیاہوا؟"

گلشن سیٹھ ہیرو کے چلانے کی آواز سنکر پلٹا' اور بھاگتا ہوا اپنے یونٹ کی طرف دوڑا۔

"کیاہوا؟"

اس نے قریب آکر پوچھا۔

"سین جم گیا!"

رستوگی نے تالی بجاکر کہا۔

"سین جم گیا!"

منوہر بولا۔

"کیسا جما؟"

گلشن سیٹھ نے پوچھا۔

"اک دم سالڈ (Solid) پتھر کے مافق!"

رستوگی نے جواب دیا۔

"شاباش!"

شو آنند نے تراوش کی پیٹھ ٹھونک کے کہا۔

"میری اگلی پکچر تم لکھ رہے ہو"

تراوش نے پوچھا۔

"یعنی آپ کی وہ پکچر تو ابھی دو منٹ پہلے بشن چندر لکھ رہا تھا' وہ اب میں لکھوں گا؟"

"بے شک' بالکل۔ ہنڈریڈ پر سینٹ!"

شو آنند بولا۔

"ہاتھ ملاؤ!"
"شکریہ!"
تراوش نے ہیرو سے ہاتھ ملاتے ہوئے بشن چندر کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر اس سے آہستہ سے پوچھا۔
"اب تم کیا کرو گے؟"
"اب میں اپنی ناک میں انگلی لوں گا!"
بشن چندر نے پشیمان ہو کر کہا۔
"شارٹ ریڈی؟"
رستوگی نے چلا کر منوہر سے پوچھا۔
"ریڈی!"
منوہر نے اس سے بھی زیادہ بلند آواز میں چلا کر کہا۔
"میک اپ ریڈی؟"
رستوگی نے منوہر سے بھی بلند لہجے میں میک اپ مین سے پوچھا۔
"ہیروئن کو بلاؤ!"
اتنے میں میک اپ کے خیمے سے ہیروئن میک اپ کیے نیا لباس پہنے نکلی، اور خراماں خراماں کیمرے کی طرف بڑھنے لگی!

بلبل نے ایک غوب چرواہی کا ڈریس پہن رکھا تھا یعنی اس نے مرشد آبادی سلک کی بڑھیا شلوار پہن رکھی تھی جس کے پائنچوں پر زردوزی کا کام جھل ملا رہا تھا۔ شلوار کے اوپر اس نے گلابی رنگ کے چندیری ریشم کی قمیص پہن رکھی تھی۔ جس کی آستینوں پر بنارس کا طلائی کام اپنی بہار دکھا رہا تھا۔ قمیص کے اوپر اس نے باریک شیفون کا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا جس کی جھالروں میں موتی ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے کانوں میں نانڈیر کے کرن پھول' گلے میں اورنگ آبادی چندن ہار' اور کلائیوں پر جے پور کی مینا کاری کے طلائی کرتے جھم جھمار ہے تھے۔

غرض کہ بلبل ایک ایسی چرواہی کی طرح بنی سنوری تھی جو ہر روز بھیڑ بکریاں چرانے جنگل کو جاتی ہے۔

ہیرو بھی بالکل ڈاکو کا بیٹا لگ رہا تھا۔

اس نے مخملیں کارڈرائے کی جودھ پوری پہن رکھی تھی۔ گہرے بھورے رنگ کی اور ہلکے فان رنگ کی کھلے کالر والی بش شرٹ پہن رکھی تھی۔ جس پر طاؤسی نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور جو شو آنند نے خاص طور پر نیویارک سے منگائی تھی۔ اس کے پاؤں میں براؤن بروگ کا انگریزی جوتا تھا' اور کمر میں مگرمچھ کی کھال کی پیٹی تھی جس کا بکل خالص سونے کا تھا۔

غرض کہ وہ ہر طرح سے ایک ایسے ڈاکو کا لڑکا لگ رہا تھا جو غاروں میں رہتا ہے اور زمین پر سوتا ہے۔

رستوگی نے بلبل اور شو آنند کو سین سمجھایا۔ سین کی سچوئیشن بتائی۔

"یہ محبت کا سین ہے۔"

رستوگی انہیں سمجھانے لگا۔
"آپ لوگوں کو محبت کے ڈائیلاگ بولنے ہوں گے!"
"مگر ڈائیلاگ کہاں ہیں؟"
بلبل نے پوچھا۔
"ڈائیلاگ تو اب لکھے جائیں گے!"
گلشن سیٹھ نے کہا۔
"کیوں کہ سین بدل گیا ہے!"
"پہلے سین کیا تھا؟"
بلبل نے پوچھا۔
"پہلے سین میں لڑکا محبت کرتا تھا۔ اور لڑکی انکار کرتی تھی' اب لڑکی محبت کرے گی اور لڑکا انکار کرے گا۔ اس لیے ڈائیلاگ نئے سرے سے لکھے جائیں گے!"
"تو لکھوائیے!"
بلبل نے کہا۔
گلشن سیٹھ نے آواز دی
"تراوش جی' بشن جی' ادھر آ کے ڈائیلاگ لکھو!"
تراوش جی اور بشن چندر دونوں آ گئے۔
تراوش پینسل کاغذ لے کے شو آنند کے پاس بیٹھ گیا بشن چندر بلبل کے قریب۔
"بولئے کیا ڈائیلاگ ہیں؟"
بلبل نے بشن چندر سے پوچھا۔
"میں کیا بولوں؟ بولیں گی تو آپ!"
بشن چندر نے کہا:
"میں تو صرف لکھتا ہوں!"
"تو لکھئے نا!"
بلبل کسی قدر تنک کر بولی۔
"کیا لکھوں؟"
بشن چندر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میں کیا جانوں؟ لےکھک آپ ہیں، میں نہیں ہوں!"
بلبل کے لہجے میں تلخی آچکی تھی۔
"میں لےکھک ضرور ہوں، لیکن میرا کام صرف لکھنا ہے، بولنا نہیں ہے۔ بولنا تو آپ کا کام ہے۔ آپ بولئے میں لکھتا جاؤں گا!"
"کیا مطلب؟"
بلبل حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
"آپ خود نہیں لکھیں گے؟ بلکہ جو میں بولوں گی وہی آپ لکھیں گے؟"
"جی بجا ارشاد فرمایا آپ نے۔ میں بالکل یہی عرض کرنے والا تھا کہ ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھ سکتا۔ جو ہیرو بولے گا وہ تراوش جی لکھ لیں گے۔ جو آپ بولیں گی وہ میں لکھ لوں گا۔ اس طرح آپ کے اور ہیرو کے درمیان جو گفتگو ہوگی وہ ہم سب لکھتے جائیں گے۔ لکھنا ہمارا فرض ہے۔ وہ ہم سب لکھیں گے۔ کیوں کہ آخر اس لکھنے کی ہم روٹی کھاتے ہیں۔ اس لیے لکھنے سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ لہٰذا آپ بولئے، تو ہم لکھیں!"
بشن چندر اتنا کہہ کر بلبل کا منہ دیکھنے لگا۔
بلبل حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔
گلشن سیٹھ بلبل کو سمجھانے لگا۔
"یہ رئیٹر ٹھیک بولتا ہے۔ اپنے ہاں ڈائیلاگ اسی طریوں لکھا جاتا ہے۔ پہلے سین سیزی ایکٹر لوگ کے کان میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہیرو کو اور ہیروئن کو۔ جب سین ان کے مغز میں آجاتا ہے تو ان کو ڈائیلاگ بولنے کو بولا جاتا ہے۔ اور ان کو اس واسطے بولا جاتا ہے کہ اس طریوں جو وہ بولے گا، وہ ٹھیک بولے گا۔ ایک دم نیچرل ہوگا۔ پھر ہم دو رئیٹر لوگ کو ہر وقت تیار رکھتا ہے۔ مرد کا ڈائیلاگ ایک رئیٹر لکھتا جاتا ہے۔ عورت کا ڈائیلاگ دوسرا لکھتا ہے۔ اس طریوں اکھا ڈائیلاگ دس منٹ میں لکھا جاتا ہے۔ پھر ہیرو ہیروئن لوگ کو یہ کاغذ یاد کرنے کے واسطے دے دیا جاتا ہے۔ اور جب ڈائیلاگ یاد ہو جاتا ہے تو سین شوٹ کر لیا جاتا ہے! سمجھ گئیں؟"
"تو آپ لوگ کیا کریں گے؟"
بلبل نے بشن چندر سے پوچھا۔
"ہم لوگ لکھیں گے،"

بشن چندر نے جواب دیا۔
" تراوش جی ہیرو کے ڈائیلاگ لکھیں گے۔ میں ہیروئن کے ڈائیلاگ لکھوں گا۔ جو کچھ آپ بولتے جائیں گے وہ ہم لکھتے جائیں گے۔ یہی ہمارا کام ہے۔ بیچ بیچ میں کہیں کہیں جو گرائمر کی غلطی ہوگی' ہے تھا' تھی' کون' کس' کدھر؟ بس اس قسم کی غلطیاں ہم ٹھیک کرتے جائیں گے' مگر اور کسی قسم کی تبدیلی آپ کے ڈائیلاگ میں ہم کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ "
تراوش بولا۔
"اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس طرح سے فلم کی کہانی فلم کے ساتھ ساتھ لکھی جاتی ہے!"
"بلکہ کئی بار فلم کی کہانی مکمل ہونے کے بعد لکھی جاتی ہے!"
بشن چندر نے کہا۔
"بعد میں لکھنے کا کیا فائدہ؟"
بلبل نے حیران ہوکر پوچھا۔
"کہانی کی ایک نقل سینسر کو دینا پڑتی ہے۔ پکچر بننے کے بعد' یہ نہ ہوتا تو شاید فلم کے دوران میں رائیٹروں کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ ہیرو بول رہا ہے۔ ہیروئن بول رہی ہے۔ ہیلن ڈانس کر رہی ہے۔ دھرم پرکاش کامیڈی کر رہا ہے۔ لتا گا رہی ہے۔ کیمرہ چل رہا ہے' رائیٹر کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس بیچ میں؟"
بشن چندر اتنا کہہ کر چپ ہو گیا پھر چند لمحوں کے وقفے کے بعد بولا۔
"اب آپ ڈائیلاگ بولیں تو میں لکھتا جاؤں گا۔"
"لکھیے!"
بلبل بولی۔
"پردیسی تم کل کیوں نہیں آئے؟"
بشن چندر نے لکھا"
"پردیسی تم کل کیوں نہیں آئے؟"
تراوش نے شو آنند کی طرف دیکھا اور پینسل کاغذ پر رکھی شو آنند بولا"
"میں کل دریا کے کنارے مالش کر رہا تھا!"
تراوش نے لکھا:

"میں کل دریا کے کنارے مالش کر رہا تھا!"
شو آنند نے غصے سے ہاتھ مار کر کہا:
"دریا کے کنارے نہیں دریا کے کنڈے!۔
"درست تو یہی ہے۔ دریا کے کنارے۔"
تراوش نے سمجھایا۔
"ہو گا، مگر جو بات دریا کے کنڈے میں ہے وہ دریا کے کنارے میں نہیں ہے۔ لکھو دریا کے کنڈے۔ نہیں تو میں فلم میں کام نہیں کروں گا"
شو آنند نے بھڑک کر کہا۔
"میں غلط کیسے لکھ سکتا ہوں؟"
تراوش کو بھی اب غصہ آ گیا۔
"تو کیسے نہیں لکھے گا؟"
گلشن سیٹھ برہم ہو کر بولے:
"تو چار ہزار کا رائٹر، وہ چار لاکھ کا ہیرو۔ تیرا اس کا کیا مقابلہ تجھ کو لکھنا پڑے گا۔ لکھ دریا کے کنڈے، نہیں تو کاغذ پنسل چھوڑ، کوئی دوسرا لکھ لے گا!"
تراوش نے لکھا:
"کل میں دریا کے کنڈے مالش کر رہا تھا!"
گلشن سیٹھ بولا:
"ڈائیلاگ کے بیچ میں ایک آدھ شعر ڈال دو تو بڑا مجا رہتا ہے آج کل بہت چلتا ہے!"
"شو آنند بولا"
"لکھو کل میں دریا کنڈے مالش کر رہا تھا، اور یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

دل کے شیشے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی"

تراوش لکھنے لگا:
"دل کے آئینے میں۔۔۔۔"

"اچھا آئینہ ہی سہی' کون تم سے جھگڑا کرے بے کار میں۔"
شو آنند بولا۔
"آگے لکھو!"
"بولو!"
"کہ مہینوں میں تیرا دھیان آیا' اور میں فروٹ گھوڑا دوڑا کے تیرے پاس پہنچ گیا۔"
"فروٹ نہیں' سرپٹ!"
تراوش نے تصحیح کرنا چاہی۔
"سرپٹ نہیں فروٹ!"
ہمارے چکوال میں سب فروٹ بولتے ہیں۔"
تراوش نے کہا:
"مگر صحیح سرپٹ ہے' دلی اور لکھنؤ میں یہی بولا جاتا ہے"۔
"مگر چک لالے میں تو فروٹ بولا جاتا ہے۔ اور جہلم میں بھی' اور لدھیانے میں بھی! کیوں بلبل؟"
شو آنند نے بلبل سے پوچھا۔
"ہاں لدھیانے میں تو فروٹ بولا جاتا ہے!"
جلدی سے بلبل کی ماں شاردا بول اٹھی۔
جنک رائے نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
"فروٹ ہی ٹھیک ہے! لدھیانے کے سب کوچوان فروٹ بولتے ہیں۔ سرپٹ آج تک نہیں سنا!"

تراوش نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اس کا جی چاہا۔ کاش وہ ایک گھوڑا ہوتا' تو یہاں سے رسیاں تڑا کے اسطرح سرپٹ بھاگتا کہ کسی فلم پروڈیوسر کے کبھی ہاتھ نہ آتا' مگر افسوس کہ وہ گھوڑا نہیں تھا۔ وہ ایک انسان تھا' اور اپنے مکان کا کرایہ ادا کرتا تھا۔ اور اپنے بچوں کی فیس اور اپنی بیوی کی علالت کے اخراجات ادا کرتا تھا۔ افسوس کہ اسکے ایک پیٹ تھا۔ اس کا ایک بڈھا باپ تھا۔ اس کا بھی ایک پیٹ تھا اور جس طرح گھوڑے زمین پر منہ مار کر گھاس چر سکتے ہیں' اس طرح سے وہ اپنا پیٹ نہیں بھر سکتا تھا۔ نہ اپنا نہ اپنے بچوں کا' نہ

اپنی بیوی کا' نہ اپنے بڈھے باپ کا۔ اس لئے وہ سرپٹ کو فروٹ لکھنے پر مجبور تھا' اور ہر کروٹ لکھنے پر مجبور تھا۔

"تم کیسا رائیٹر ہے؟ کہ سرپٹ کو فروٹ نہیں لکھ سکتا؟":

گلشن سیٹھ غصے میں آکر بولا

"ادھر ہیرو بولتا ہے' سرپٹ نہیں ہے' فروٹ ہے۔ ہیروئن بولتا اے سرپٹ نہیں فروٹ اے۔ ہیروئن کی ماں بولتا ہے۔ ہیروئن کا باپ بولتا اے۔ تو پھر تم اپنی چوپڑی میں کیوں فروٹ نہیں لکھتا ہے؟"

"لکھتا ہے سیٹھ ابھی لکھتا ہے!"

تراوش نے سر جھکا کے کہا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے' مگر وہ انہیں پی گیا' اور سر جھکا کے شو آنند کے بولے ہوئے ڈائیلاگ لکھنے لگا!

جب سین مکمل ہوا تو ریہرسل شروع ہوئی۔ جب ریہرسل خاطر خواہ ہوگئی تو شوٹنگ شروع ہوئی۔

شو آنند نے دیکھا کہ بلبل ایک فطری اداکارہ ہے بلبل کیمرے سے رتی بھر بھی خائف نہ تھی۔ وہ اس طرح کی اداکاری کر رہی تھی جیسے کیمرہ اس کے سامنے ہی نہ ہو۔

رستوگی شروع میں بہت ڈرا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ لڑکی پر بہت محنت کرنا پڑے گی۔ حسن تزئین اور ترتیب کے اعتبار سے نہیں' اداکاری کے اعتبار سے۔ مگر اس کے شکوک و شبہات قطعی بے بنیاد ثابت ہو رہے تھے۔

بلبل نہایت ہی عمدہ اور مناسب اداکاری کر رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اداکاری اس لڑکی کی فطرت میں پہلے ہی سے لاشعور کی تہوں کے اندر کہیں رچی بسی تھی۔ جو موقع پاتے ہی ابھر کر اوپر آگئی تھی۔

اس سے پہلے شو آنند صرف بلبل کے حسن سے مسحور ہوا تھا دوسرے لوگوں کی طرح اس نے بھی جب بلبل کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے سر پر ڈنڈا مارا ہو۔ بہت دیر تک اس کے ذہن کے تار بلبل کے حسن کی ضرب سے جھن جھناتے رہے۔ مگر جب اس نے بلبل کی ایکٹنگ دیکھی' تو اس کا دل ایک عجیب و غریب مایوسی سے بھر گیا۔ اس نے سوچا۔ وہ اس نئی الہڑ ان جان ناتجربے کار لڑکی کو اپنے مشاق

اور منجھے ہوئے کام سے مرعوب کرے گا۔ اسے اپنے دائرہ اثر اور اختیار میں لے لے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح وہ آج تک دوسری لڑکیوں کو مرعوب کرتا آیا تھا۔

مگر وہ اپنی ایکٹنگ سے آج بلبل کو کسی طرح مرعوب نہ کر سکا بلبل اس کی خوب صورت اور منجھی ہوئی اداکاری کے جواب میں اس سے بھی خوب صورت اور بہتر اداکاری کی تمثیل پیش کر رہی تھی۔ کسی مقابلے کی خاطر نہیں' اسے نیچا دکھانے کے لیے نہیں' بلکہ یہ اداکاری خود بخود اس کی شخصیت کے گوشوں سے پھوٹ رہی تھی۔ جیسے بوقت سحر افق کے گوشوں سے روشنی ابھرتی ہے۔ اسی طرح آج بلبل کی زندگی کی سحر آگئی تھی' اور روشنی کا سیلاب خود بخود اس کی شخصیت کے ہر گوشے سے ابھر کر ضوفشاں تھا۔

منوہر دنگ تھا'

رستوگی دنگ تھا'

اور گلشن سیٹھ اپنی کامیابی پر نازاں تھا۔ بلبل کا کانٹریکٹ اس کی جیب میں تھا۔ وہ بلبل سے لاکھوں روپے کمائے گا۔ کروڑوں روپے کمائے گا۔ یہ بیس برس کی چھوکری اگر دس برس بھی اس کے پاس رہ گئی تو بمبئی کے سارے پروڈیوسر اس کے قدموں میں ہوں گے اور سارے ڈسٹری بیوٹر اس کی جیب میں ہوں گے۔ واقعی آج اس نے سونے کی کان دریافت کر لی تھی۔ ایل ڈے ریڈو!

خدا خدا کر کے کسی طرح سے سین مکمل ہوا۔

رستوگی' منوہر' گلشن اور خود شو آنند بلبل کی اداکاری پر عش عش کر رہے تھے۔

حالاں کہ بلبل کسی طرح کی اداکاری نہیں کر رہی تھی۔ اپنی فطری صلاحیتوں سے کام لے کر سیدھے سادے طریقے سے ایک چرواہی کی طرح کام کر رہی تھی۔

پہلے شاٹ ہی سے اس نے اپنے آپ کو ایک چرواہی کے روپ میں ڈھال لیا تھا' اور اب اس کے لیے کسی ایکٹنگ کی ضرورت نہ تھی۔

سین کے آخری شاٹ میں وہ رکاب سے لٹکنے کا منظر کاٹ دیا گیا' اور یہ بھی مناسب نہیں سمجھا گیا کہ ہیروئن ہیرو کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہے۔ یہی مناسب سمجھا گیا کہ سین جس طرح سے قادر مرزا نے شروع میں سوچا تھا اسی طرح لیا جائے۔ چنانچہ سین کے

سین کے آخری شاٹ میں شو آنند نے بلبل کو زبردستی اور اس کی مرضی کے خلاف اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھ لیا۔ اور گھوڑے کو سرپٹ سرکلر روڈ پر دوڑا دیا' اور کیمرہ لانگ شاٹ میں اس ایکشن کی تصویر لیتا رہا۔ حتیٰ کہ شو آنند اور اس کا گھوڑا سرکلر روڈ کے موڑ پر جنگلوں میں غائب ہو گئے۔

"کٹ!"

رستوگی زور سے چلایا۔

کیمرہ مین نے کیمرہ بند کردیا۔

اور اب سب لوگ آخری شاٹ کے ختم ہونے پر شو آنند کا انتظار کرنے لگے کہ کب وہ گھوڑا دوڑا کر واپس لائے۔ بلبل کو اتارے تو شوٹنگ پیک اپ ہو۔

پانچ منٹ گزرنے کے بعد رستوگی نے جنگل کی طرف منہ کر کے زور سے چلا کر کہا:

شاٹ او کے شو آنند 'شاٹ او کے! واپس آجاؤ جلدی واپس آجاؤ!"

پانچ منٹ گزر گئے۔

دس منٹ گزر گئے۔

پندرہ منٹ گزر گئے۔

آدھا گھنٹہ گزر گیا۔

مگر شو آنند بلبل کو لے کر واپس نہیں آیا۔

شو آنند گھوڑے پر سوار بلبل کو آگے بٹھائے ہوئے چلا جا رہا تھا رستوگی کا "کٹ" سننے کے بعد بھی وہ نہیں رکا۔ بلکہ گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے جنگلوں سے گھرے ہوئے سرکلر روڈ کی کچی سڑک پر سے گزرتا رہا۔ اس کے کانوں میں رستوگی کی موہوم سی آواز بھی آئی۔

"شاٹ 'او کے۔ واپس آجاؤ!"

مگر اس کا گھوڑا پھر بھی آگے ہی آگے بھاگتا رہا۔

اس کے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی باگ تھی' دوسرے، ہاتھ سے اس نے بلبل کی کمر کو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ اور بلبل نے خود بھی تیز رفتار گھوڑے سے ڈر کر اپنا سارا بوجھ شو آنند پر ڈال دیا تھا۔ اور اس وقت شو آنند کو یہ بوجھ بہت اچھا معلوم ہوا۔ خون اس کی رگوں اور شریانوں میں گرجنے لگا۔ اور اس کے جسم کی حدت اک دم یوں تیز ہو گئی جیسے کسی نے اس کی جلد کے اندر پٹرول رکھ کر اسے ماچس دکھا دی ہو۔ شو آنند کو اس وقت اپنا جسم شعلے کی طرح بھڑکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"گھوڑا روکو۔ گھوڑا روکو۔"

بلبل خوف سے چلائی۔

"گھوڑا رکتا نہیں ہے!"

شو آنند نے لمبی لمبی سانسوں کے درمیان کہا۔

"کسی طرح سے رکتا نہیں ہے۔ میں روکنے کی کوشش کرتا ہوں جب بھی رکتا نہیں ہے۔ دیکھو!"

”شو آنند نے باگ کھینچ کر گھوڑے کو روکنے کی بہت کوشش کی، مگر بلبل نے دیکھا کہ گھوڑا منہ زور ہو چلا ہے، کسی طرح روکے سے نہیں رکتا ہے!“

بلبل گھوڑے کی باگ کو کھینچتے ہوئے تو دیکھ سکتی ہے۔ وہ البتہ یہ نہیں دیکھ سکتی کہ شو آنند متواتر گھوڑے کو ایڑی لگاکر آگے ہی آگے دوڑا رہا ہے۔ شو آنند کو دراصل خود بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ ایساکیوں کر رہا ہے۔ مگر بلبل کے اس کے بازوؤں میں آجانے کے بعد ایک لحظے کے لیے بھی اس کے دل میں یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ یہاں سے گھوڑا روک کر واپس جا سکتا ہے، یا اسے واپس جانا چاہیے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اسے آگے ہی جانا چاہیے جہاں تک کہ یہ سڑک جاتی ہے۔ جہاں تک کہ یہ جنگل جاتا ہے۔ جہاں تک کہ یہ زمین و آسمان جاتے ہیں۔ وہ اپنا گھوڑا دوڑاکر بلبل کو اپنی آغوش میں بٹھائے ہوئے لے جائے گا۔ وہ اس لمحے کو طویل تر کرنے کے لیے ہر خطرہ مول لینے کو تیار تھا۔

گھوڑا اس کی ایڑی کی مار کھاکر ہوا کی طرح اڑتا گیا۔

ایک جگہ گھنے جنگلوں کے درمیان اسے ایک چھوٹی سے پگڈنڈی نیچے جنگل کی ڈھلانوں پر جاتی ہوئی دکھائی دی۔ شو آنند نے گھوڑا اسی سمت ڈال دیا۔

”کہاں جارہے ہیں ہم؟“

بلبل نے گھبراکر پوچھا!“

”جہاں گھوڑا لیے جارہا ہے!“

شو آنند نے اس کی گردن کے قریب کہا۔ اتنے قریب کہ بلبل کو اس کی سانس شعلوں کی آنچ کی طرح محسوس ہوئی۔

”تم روکتے کیوں نہیں ہو گھوڑے کو؟“

بلبل غصے سے چلائی۔

”دیکھتی نہیں ہو، گھوڑا قابو سے باہر ہے!“

شو آنند کی سانسوں کی لے تیز تر ہوتی چلی گئی۔

”ہزار کوشش کرتا ہوں، کسی طرح رکتا نہیں ہے!“

”تو۔ مجھے چھوڑ دو۔“

بلبل اس کے بازو کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

”میں چھلانگ لگاکر نیچے اتر جاؤں گی!“

"گردن ٹوٹ جائے گی یا ریڑھ کی ہڈی"
شو آنند نے اپنے بازو کو اس کی کمر کے گرد کس لیا۔
"ایسی کوشش بھی مت کرنا' ورنہ جان سے جاؤ گی!"
"ہو۔ مجھے جانے دو!"
بلبل اپنے آپ کو شو آنند سے چھڑانے لگی۔

اس کوشش میں گھوڑا واقعی بدکنے لگا اور دو ایک بار اس نے دولتیاں جھاڑنے کی کوشش بھی کی۔ شو آنند بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اور بلبل کو گھوڑے کی پیٹھ پر رکھ سکا۔

"خاموش بیٹھی رہو!"
شو آنند نے اسے تحکمانہ لہجے میں کہا۔
"ورنہ دونوں جان سے جائیں گے۔ گھوڑا بدک چکا ہے۔ اسے بھاگنے دو۔ کہاں تک بھاگے گا؟ آخر تھک کر کہیں تو کھڑا ہو گا' وہیں اتر جائیں گے!۔"

گھوڑا جنگلوں میں دوڑتا رہا۔ ڈھلانوں پر بھاگتا رہا۔ موڑوں پر گھومتا رہا۔ چوکنا ہو کر بیٹھنے کے باوجود کبھی کبھی شو آنند کو دھکا سا لگ جاتا اور اس کا جسم ایک جھٹکے سے بلبل کے جسم سے جا لگتا اور بلبل کے جسم میں ایک جھرجھری سی آ جاتی اور وہ اپنے تن بدن میں کانپ کانپ جاتی' اور ایک عجیب و غریب میٹھی سی کھجلی اس کے سارے جسم میں جاگنے لگتی۔

ہولے ہولے گھوڑے کے قدم دھیمے پڑتے گئے' اور اس کی چال میں دلکی کا سا انداز آتا گیا' ہولے ہولے روشنی کی شطرنجماں جنگلوں کے اندر سے غائب ہو گئیں۔ شفق کی روشنی کا طلائی پالش جنگل کے پیڑوں کے تنوں سے غائب ہو تا گیا۔ اونچی اونچی ٹہنیوں کی پھنگیوں پر شفق کے لال ڈورے رات کی بڑھتی ہوئی سیاہی میں کھو گئے۔ ہوائیں خنک ہوتی گئیں۔ بلبل کے بال اڑ اڑ کر شو آنند کے رخساروں کو چھوتے گئے۔

اب بھی وہ اس کی گردن کا سفید خم دیکھ سکتا تھا۔ نازک لانبی صراحی کی طرح خوب صورت گردن۔ چکنی اور ہموار اور شفاف گویا خراد پر ڈھلی ہوئی گردن کو دیکھ کر اس کا جی چاہا کہ وہ اپنے دانت اس گردن میں گاڑ دے مگر اس نے ہمت سے کام لے کر اپنے دل کی بڑھتی ہوئی وحشیانہ حالت کو کسی نہ کسی طرح روک دیا۔

اب گھوڑا آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ اب شو آنند کی آنکھوں کو راستہ بھی سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس لئے اس نے گھوڑے کو ایڑی لگائے بغیر آزاد چھوڑ دیا تھا۔

اب گھوڑا خود بھی رات کی بڑھتی ہوئی تاریکی سے ڈر کر کسی محفوظ جگہ پہنچنے کی فکر کر رہا تھا۔ وہ بار بار نتھنے اٹھا کر ہوا کو سونگھتا اور دھیرے دھیرے جنگلوں میں نیچے اترتا جاتا کبھی دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں گھوم جاتا۔

اب تو شو آنند کو راستے اور سمت کا بھی کوئی اندازہ نہ رہا تھا۔

بلبل بالکل خاموش اس کے آگے بیٹھی تھی۔ دونوں کے جسم ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے یوں ہل رہے تھے جیسے ایک ہی مشین کے پرزے ہوں' یا ایک ہی لے کے سر ہوں۔ سکون اور تھکن کا ایک میٹھا سا احساس ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا ہوا میں برف کی خنکی تھی' فضا کی تازگی تھی' اور بلبل کے بالوں کی مہک تھی۔

جب تلک وہ تیز چلتے رہے شو آنند کو اس کے بالوں کی مہک نہ آئی تھی۔ اب گھوڑے کی رفتار دھیمی ہوتے ہی دھیرے دھیرے بلبل کے بالوں کی مہک اس کے احساس پر چھانے لگی۔ اور اس کی زلفوں کے گچھوں کا ریشمی لمس اس کے رخساروں کو چھیڑتا گیا اور اسے نیند سی آنے لگی۔

اور اس کا جی چاہا کہ یہ گھوڑا یونہی چلتا رہے۔ یونہی یہ رات بیت جائے اور صبح کبھی نہ ہو۔ اور اگر ہو تو وہ خود سچ مچ کسی ڈاکو کا بیٹا بن جائے' اور گھوڑا دوڑا کر بلبل کو کسی ایسے پہاڑی کچھار میں لے جائے جہاں تہذیب کی ساری کاوشیں زندگی بھر ان دونوں کا سراغ نہ لگا سکیں۔

کچھ اس طرح کے نیم روشن نیم تاریک' دھندلے دھندلے پھیلے پھیلے سے خیال دھبوں کی طرح اس کے ذہن میں اجاگر ہونے لگے اور وہ نیم غنودگی میں کھویا ہوا یہی سوچنے لگا کہ وہ ایسا کیوں سوچتا ہے؟

گھوڑا ڈھلانوں سے اترتا اترتا سن مرگ کے ایک ایسے اجاڑ علاقے میں آنکلا جہاں درخت ختم ہو گئے تھے۔ یہاں ایک چوڑی چکلی سطح مرتفع تھی' جس پر گھاس کا ایک تکونا سا میدان دور تک چلا گیا تھا یہاں پہنچ کر گھوڑے کے بدن میں ایک جھرجھری سی آئی اس نے چاروں طرف ہوا کو سونگھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ ہنہنایا' اور گردن نیچی کر کے میدان میں گھاس چرنے لگا۔

شو آنند گھوڑے سے اترا۔
پھر اس نے بلبل کو اتارا۔
پھر وہ دونوں ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ وہ کہاں پر ہیں؟
ان کی پیٹھ پر جنگل تھا جہاں سے وہ گزر کر آئے تھے۔ سامنے ایک تکونا میدان تھا جس میں ان کا گھوڑا اب گھاس چر رہا تھا نیچے ایک کھائی تھی' اور کہیں دور نیچے سے پانی کے چلنے کی صدا سنائی دیتی تھی۔ میدان کی تکون کے کنارے۔ آخری کنارے پر ایک گھر کی چمنی اور ٹین کی چھت درختوں کے جھنڈ میں گھری ہوئی نظر آئی۔
بلبل کی جان میں جان آئی۔
گھر ہے تو روشنی ہوگی۔ روشنی ہوگی تو تہذیب ہوگی تہذیب ہوگی تو بچاؤ کی کوئی صورت ہوگی۔
گھر ہے تو آگ ہوگی۔ آگ ہوگی تو چولہا ہوگا۔ چولہا ہوگا تو روٹی ہوگی۔ یکایک بلبل کو سخت بھوک محسوس ہونے لگی۔
گھر ہے تو عورت ہوگی۔ عورت ہوگی تو وہ اس کے گلے سے لپٹ جائے گی' اور ایک ماں کی طرح اس کی آغوش میں چھپ جائے گی اور اس کے سینے پر سسک سسک کر اپنی مصیبت بیان کرے گی!
بلبل کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے مگر رات کے اندھیرے میں شو آنند انہیں دیکھ نہ سکا۔ اچھا ہی ہوا۔ بلبل نے چپکے چپکے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔
پھر بلبل نے اشارہ کر کے کہا۔
"وہ ادھر کوئی گھر معلوم ہوتا ہے!"
"چلو' چل کر دیکھیں!"
شو آنند نے جواب دیا۔
اس نے آگے بڑھ کے ایک ہاتھ سے گھوڑے کی باگ تھام لی۔ دوسرے ہاتھ میں بلبل کا ہاتھ لے لیا' اور میدان کے آخری سرے پر نظر آنے والے گھر کی جانب بڑھ گیا۔

گھر بہت عمدہ اور بڑا تھا' اور باہر سے انگریزی وضع کا بنا ہوا نظر آتا تھا۔ ایک بہت بڑے دیوار گیر صحن میں یوکلپٹس کے پیڑوں کے جھنڈ تھے اور دیوار پر بوگن ویلیا کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

گھر بند تھا مگر نوکر خانے کے ایک کمرے میں چراغ کی روشنی تھی' اور چولہے میں شعلوں کے بھڑکنے کی روشنی نظر آتی تھی۔ وہ دونوں اس کمرے کی طرف بڑھے۔

"کون ہے؟"

کمرے کے اندر چولہے پر روٹی پکانے والا آدمی جو بعد میں اپنے لباس سے چوکیدار معلوم ہوا' گھوڑے کی چاپ سن کر باہر آیا' اور ایک میم اور ایک صاحب اور ایک گھوڑا کو دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور عاجزی سے بولا۔

"صاحب نے ریسٹ ہاؤس بک کرایا ہے؟"

"ہاں!"

بلبل حیرت سے شو آنند کو دیکھنے لگی۔ مگر شو آنند نے چپکے سے اس کا ہاتھ دبا دیا۔

"صاحب رات کو رہے گا؟"

"ہاں!"

شو آنند بولا۔

"صاحب کھانا کھائے گا؟"

"ہاں!"

اس بار شو آنند اور بلبل دونوں اکٹھے بول پڑے!

"صاحب بہت دیر میں آیا"

چوکیدار بولا۔

"نہیں تو ہم میم صاحب کے لیے مرغی پکاتا تھا۔ اب تو مکا کی روٹی اور کدو کا سالن حاضر ہے۔ اگر صاحب گسہ نہیں کرے گا تو ہم لائے گا!"

"نہیں گسہ کرے گا!"

بلبل نے تشکر آمیز لہجے میں کہا۔

"مگر تم مکا کی روٹی اور کدو کا سالن فوراً" لائے گا!"

"پہلے ہم میم صاحب کے لیے ریسٹ ہاؤس کھولے گا!"

چوکیدار نے چولہے سے اٹھ کے چابیوں کا گچھا سنبھالا' اور نوکر خانے سے نکل کر صحن کو پار کر کے ریسٹ ہاؤس کے برآمدے میں پہنچ کر ایک کمرہ کھولنے لگا۔ کمرہ کھول کر اس نے دودھیا کانچ والا ایک لیمپ روشن کیا۔

روشنی ہوتے ہی گویا بلبل کی جان میں جان آئی' کمرہ اس نے دیکھا۔ صاف ستھرا ہے۔ سفید چادروں والے براق بستر پر ہلکے زرد رنگ کے دو کمبل پڑے ہیں۔ ایک طرف دو آرام کرسیاں لگی ہیں' ایک کونے میں تپائی پر کانچ کا جگ اور گلاس رکھا ہے۔ ایک کونے میں ڈریسنگ ٹیبل ایستادہ ہے۔ آتش دان میں کئی دن کی پرانی جلی ہوئی لکڑیاں رکھی ہیں اور مینٹل پیس پر دو ایش ٹرے پڑے ہیں۔

اس کی تیز نگاہ نے چند لمحوں میں پورے کمرے کا جائزہ لے لیا' اور بستر کے قریب دہرے دروازے والی کھڑکی کو بھی دیکھ لیا۔

"صاحب سردی بہت ہے' آگ جلا دوں؟"

"ہاں جلا دو!"

بلبل نے سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے کہا' اور پھر کود کر پلنگ پر چڑھ گئی اور کمبل اوڑھ کر بولی:

"مارے سردی کے میرے تو دانت بج رہے ہیں۔ میں تو یہیں بستر کے قریب تپائی کھینچ کر کھانا کھالوں گی!"

"مگر پہلے آگ جلا دوں؟"

چوکیدار بولا۔

"ہاں' ہاں' آگ فوراً جلاؤ!"

شو آنند بولا۔

جب چوکیدار آتش دان میں آگ جلا رہا تھا' تو بلبل نے اس سے پوچھا:

کیا کوئی دوسرا کمرہ نہیں ہے؟"

پیشتر اس کے کہ چوکیدار کوئی جواب دے' شو آنند نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور بلند آواز میں بولا:

"نہیں ہے۔ جنگل کے ریسٹ ہاؤس میں عام طور پر ایک ہی کمرہ ہوتا ہے اور وہی غنیمت ہوتا ہے۔ ارے بھگوان کا شکر ادا کرو اس وقت جان بچ گئی۔ رات کاٹنے کے لیے

ایک محفوظ جگہ مل گئی' ورنہ اس وقت کسی کھڈ میں پڑے پڑے سردی سے جم جاتے اور تمہیں سوجھ رہی ہے ایک اور کمرے کی۔۔ ایسے ایسے چھوٹے ریسٹ ہاؤس میں ایک ہی کمرہ ہوتا ہے!"

چوکیدار بولا:

"چار کمرے ہیں' میرے ریسٹ ہاؤس میں' صاحب یہ بڑا ریسٹ ہاؤس ہے۔ ادھر ادھر بڑا بڑا صاحب لوگ ٹراؤٹ مچھلی کے شکار کو آتا ہے۔

"اچھا؟ چار کمرے ہیں!"

بلبل اک دم خوش ہو کر بولی۔

شو آنند نے ایسی قہر بھری نظروں سے چوکیدار کو دیکھا گویا اسے کچا ہی کھا جائے گا۔

چوکیدار سہم گیا۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اس سے کیا قصور ہوا تھا۔ اس نے شو آنند کی طرف دیکھا' پھر بلبل کی طرف دیکھا اور آہستہ سے بولا!"

"جی ہاں!"

"تو ایک کمرہ اور کھول دو!"

بلبل بولی۔

"کیا کوئی دوسرے میم صاحب لوگ آنے والے ہیں؟"

چوکیدار نے پوچھا۔

"نہیں!"

شو آنند بولا۔

"ہاں!"

بلبل نے کہا۔

چوکیدار نے حیرت سے دونوں کی طرف بار بار دیکھا' پھر سر جھکا کے آگ جلانے لگا۔

چند لمحوں کے توقف کے بعد بلبل نے پوچھا:

"گل مرگ یہاں سے کتنی دور ہو گا؟"

"تین چار کوس ہو گا میم صاحب!"

چوکیدار بولا۔

"ہم کھانا کھا کے واپس گل مرگ جا سکتا ہے؟"

"جا تو سکتا ہے، مگر راستے میں چیتا پڑتا ہے!"

"چیتا؟"

بلبل خوف سے لرز کر بولی۔

"ہاں دن میں تو آدمی کے ڈر سے جنگل میں چیتا نہیں آتا ہے، مگر رات کو آتا ہے کبھی کبھی اس ریسٹ ہاؤس کی دیوار تک آ جاتا ہے!"

چوکیدار نے اطلاع دی۔

"کھڑکی بند کر دو!"

بلبل گھبرا کر وحشت سے چلائی۔

شو آنند خاموشی سے مسکرایا۔ اور پلنگ کے پیچھے سے گھوم کر کھڑکی کی طرف گیا، اور اس کے ڈبل پٹ بند کرنے لگا!

آگ جلاکر چوکیدار جب باہر چلا گیا، تو بلبل نے شو آنند سے کہا۔
"تم دوسرا کمرہ کھلوالو، اپنے لیے!"
"نہیں!"
"کیوں نہیں!"
میری ایک عجیب سی عادت ہے!"
شو آنند نے بتایا۔
"کیا عادت ہے؟"
"آج تک میں اکیلا نہیں سویا۔ سو ہی نہیں سکتا۔ بچپن میں ماں کی گود میں سویا جب بڑا ہوا تو بھائی کے ساتھ سویا۔ جب اور بڑا ہوا تو الگ پلنگ ملا، مگر الگ کمرہ کبھی نہیں ملا۔ اس لئے کمرے میں ہمیشہ دو تین پلنگ بچھے رہتے تھے، اور کوئی نہ کوئی وہاں آکے سوتا تھا۔ بھائی، بہن، ماں، خالہ آج تک کبھی کمرے میں اکیلا نہیں سویا۔ جب بمبئی آیا، تو فٹ پاتھ پر سینکڑوں لوگوں کے ہجوم میں سویا۔ جب ہیرو بن گیا تو روز رات کو کسی نہ کسی کو لے کر سوتا ہوں۔ ایسی بری عادت پڑ گئی ہے۔
"آج تو آپ اکیلے سوئیں گے اس کمرے میں!"
بلبل نے بغل والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔
"ڈر لگے گا!"
شو آنند نے کانپ کر کہا۔
"ایکٹنگ مت کرو!"
بلبل چلائی۔

"سچ کہتا ہوں!"
شو آنند نے بڑی عاجزی سے کہا۔
"آج تک کبھی کمرے میں اکیلا نہیں رہا"۔
"ایک رات رہو گے تو مر نہیں جاؤ گے!"
"میں اس آرام کرسی پر پڑ رہوں گا!"
شو آنند نے لجاجت سے کہا:
"تم سے کچھ نہیں کہوں گا۔ ساری رات اسی آرام کرسی پر پڑا رہوں گا' چپکے سے۔ اگر تمہاری طرف دیکھ بھی جاؤں' تو اسی وقت کمرے سے باہر نکال دینا!"
"قسم کھاؤ!"
بلبل بولی۔
"بھگوان کی قسم۔ گنگا مائی کی قسم۔ جس کی قسم تم کہو کھالوں۔"
شو آنند نے نہایت خلوص سے کہا۔
ایسے پر خلوص لہجے میں کہا کہ بلبل کو اعتبار آگیا' رحم بھی آگیا۔
آہستہ سے بولی:
"اچھا!"
پھر گھبرا کر بولی۔
"نہیں' نہیں' یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔"
اور اب اس کا لہجہ دم بدم مضبوط ہوتا جارہا تھا۔
"سونا تو تم کو دوسرے ہی کمرے میں پڑے گا!"
"مجھ پر رحم کرو!"
"ساڑھے چھ فٹ کے جوان ہو' اور اکیلے سونے سے ڈرتے ہو؟"
بلبل نے اسے شرم دلاتے ہوئے کہا۔
"قد کا ڈر سے کیا تعلق؟"
شو آنند بولا۔
"ہاتھی کا قد تیس چالیس فٹ ہوتا ہو گا' مگر ایک چیونٹی سے ڈرتا ہے!"

بلبل اس کا جواب دینے ہی والی تھی کہ اتنے میں چوکیدار کھانا لے کر اندر آگیا' اور وہ دونوں اس قدر بھوکے تھے کہ کھانا دیکھتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے۔

کدو کے سالن اور مکی کی روٹی میں انہیں آج اتنا لطف آیا جتنا مرغ و ماہی میں آج تک کبھی نہیں آیا ہو گا مکی کے ٹکڑے کا آخری ریزہ تک کھا گئے' اور سالن چاٹ چاٹ کے پلیٹیں صاف کر دیں۔ اور پھر شکم سیر ہو کے پانی پیا۔ تو نرم اور گرم راحت کی لہریں سی سارے جسم میں اٹھنے لگیں۔ اور انگ انگ زندگی کی مٹھاس اور چاشنی سے سرشار ہو گیا۔

بلبل کی آنکھوں کی چمک لوٹ آئی' اور اس کے رخساروں پر سرخی دوڑنے لگی۔

اور اب شو آنند پیٹ بھر کے کھانا کھانے کے بعد ایسی نگاہوں سے بلبل کی طرف دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی میٹھی ڈش ہو جس کے بغیر کوئی کھانا مکمل نہ ہو سکتا ہو۔

بلبل نے چور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' اور اس کی نظریں بھانپ گئی ۔ اس لئے جب چوکیدار پلیٹیں اٹھانے آیا' تو اس نے کہا۔

"چوکیدار تم دوسرا کمرہ بھی کھول دو ساتھ والا۔"

بلبل نے ایسی سختی سے کہا کہ چوکیدار نے فوراً جھک کر کہا:

"بہت اچھا میم صاحب!"

"صاب اس میں سوئیں گے!"

"بہت اچھا میم صاحب!"

چوکیدار دوسرا کمرہ کھولنے چلا گیا' تو شو آنند نے مجبور لہجے میں کہا:

"ٹھیک ہے' آج رات کو میرا اس کمرے میں ہارٹ فیل ہو جائے گا!"

"نہیں ہو گا!"

"کیسے نہیں ہو گا!"

شو آنند بولا۔

"جو آدمی زندگی بھر اکیلا نہیں سویا' وہ اس جنگل میں اکیلا کیسے سوئے گا مرنا تو ہے' افسوس اس بات کا ہے کہ یہ خون تمہاری گردن پر ہو گا!"

"خیر میں اس غم کو کسی نہ کسی طرح سہار لوں گی۔ مگر تم اپنے کسی رشتے دار کا پتہ دے دو' جسے میں تمہاری موت کے بعد اطلاع دے دوں!"

شو آنند نے بلبل کا طنزیہ فقرہ سن کر غصے سے زمین پر پاؤں پٹخا اور کمرے سے باہر جاتے ہوئے بولا۔

"تمہارے ایسی ظالم لڑکی میں نے آج تک نہیں دیکھی!"

بلبل مسکرا کر اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

دوسرے کمرے میں چوکیدار نے بستر وغیرہ سب ٹھیک کردیا تھا' اور آب آتش دان میں آگ جلا رہا تھا۔

یہ کمرہ میرے کمرے سے بہتر ہے!"

بلبل نے شو آنند کی طرف طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔

شو آنند غصے سے اپنے ہونٹ چبانے لگا' مگر چپ رہا۔

جب چوکیدار ہر طرح سے کمرہ ٹھیک کر چکا' تو بولا۔

"صاحب ان دونوں کمروں کے بیچ میں کامن باتھ روم ہے'

اگر صاحب کو الگ باتھ روم چاہیے تو۔۔۔

"نہیں' نہیں یہی کافی ہے۔"

شو آنند اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولا۔

سلام صاحب!"

کہہ کر جب چوکیدار باہر جانے لگا' تو شو آنند نے اس سے پوچھا:

"تمہارے پاس تاش ہیں؟"

"کئی تاشیں ہیں!"

چوکیدار مسکرا کر بولا۔

اکثر صاحب لوگ تاش لاتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی جاتے وقت بھول جاتے ہیں یا مجھ کو بخشش میں دے جاتے ہیں"۔

تو دو عدد تاش لاکر رکھ دو!"

"بہت اچھا!"

جب چوکیدار چلا گیا' تو بلبل نے پوچھا:

"کیا اس وقت اکیلے اپنے کمرے میں تاش کھیلو گے؟"

"ہاں، اگر تم ساتھ نہیں دو گی تو اکیلا کھیلوں گا۔ مجھے تو بارہ ایک بجے سے پہلے نیند نہیں آتی ہے۔"

شو آنند بولا۔

"مجھے تو رات بھر نہیں آئے گی!"

بلبل نے اقرار کیا۔

"تو آؤ تاش کھیلیں!"

شو آنند نے دونوں کرسیاں آمنے سامنے رکھ دیں۔ بیچ میں تپائی۔

اتنے میں چوکیدار دو عدد تاش لے آیا۔

جب شو آنند پتے پھینٹ رہا تھا، تو بلبل نے اس سے پوچھا:

"چوکیدار، کیا تم اس وقت گل مرگ جا سکتے ہو؟

شو آنند چونک کر بلبل کا منہ دیکھنے لگا۔ چوکیدار بھی۔

"میں تمہیں بیس روپے انعام دوں گی، اگر تم میرا ایک پیغام ویلی ویو میں پہنچا دو!"

شو آنند نے کہا:

"اس کی کیا ضرورت ہے صبح تو ہم گل مرگ چلے ہی جائیں گے!"

اور رات بھر جو وحشت رہے گی سب کو؟"

بلبل نے کہا۔

"ابھی سے ڈھونڈھیا پڑی ہو گی پولیس کو اطلاع کر دی گئی ہو گی جنگلوں میں لوگ مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ ڈیڈی اور ممی نے رو رو کر برا حال کر لیا ہو گا۔ یہ دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جائے گا، اور ان کو لے کر یہاں آ جائے گا صبح ہونے سے پہلے میں اسے بیس روپے انعام دوں گی!"

"میں جاتا ہوں!"

چوکیدار نے فیصلہ کیا اور بلبل سے سب پوچھ گچھ کر کے صحن سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی شو آنند کو کچھ یاد آیا، اور وہ بھاگا بھاگا چوکیدار کے پیچھے دوڑا۔

چوکیدار اس وقت تک ریسٹ ہاؤس کے باہر ایک لالٹین لے کر نکل چکا تھا۔

شو آنند نے اسے روک کر اس کے کان میں کہا،
اگر اس وقت تم نہ جاؤ تو میں تمہیں ایک سو روپے انعام میں دوں گا!"
"ایک سو روپے؟"
چوکیدار کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں!
"ہاں!"
شو آنند نے جیب سے ایک سو کا نوٹ نکال کے چوکیدار کے ہاتھ میں دے دیا۔
چوکیدار نے ڈرتے ڈرتے اسے اپنی جیب میں رکھا، پھر بولا:
"اب میں کیا کروں؟"
"تم لالٹین کی بتی گل کر دو، اور چپکے سے اپنے کمرے میں جا کے سو جاؤ اور صبح دیر تک سوتے رہو"
"صبح کو میم صاحب پوچھیں گی تو میں کیا کہوں گا؟"
"کہہ دینا رات کا وقت تھا، جنگل میں راستہ بھول گیا یا ڈر لگا تو آدھے راستے سے لوٹ آیا۔
چوکیدار نے سر ہلایا، بولا:
"میں تھوڑی دور تک یہ لالٹین لے کر جاتا ہوں، پھر ادھر موڑ سے لالٹین بجھا کر واپس آ جاؤں گا۔ مگر صاحب دیکھو صبح میم صاحب ہم پر خفا نہ ہوں!"
"وہ میں سنبھال لوں گا!"
شو آنند چوکیدار سے رخصت ہو کر جب واپس اپنے کمرے میں پہنچا تو بلبل کرسی پر بیٹھی پیشنس (Patience) کھیل رہی تھی شو آنند کو داخل ہوتے دیکھ کر بولی:
"چلا گیا؟"
"ہاں!"
"کیا پیغام دیا؟"
"اپنے لیے کپڑے منگائے ہیں۔ اب اس حلیے میں تو یہاں سے واپس نہیں جا سکتا!"
شو آنند نے اتنا کہہ کر پتے گڈمڈ کر دیئے۔ اور جلدی جلدی رمی کے پتے بانٹنے لگا۔

دو گھنٹے تک رمی چلتی رہی۔ کب سے بلبل کی آنکھوں میں نیند سما رہی تھی۔ مگر اب تو نیند آنکھوں میں اتنی بھر گئی تھی کہ پپوٹے بار بار بند ہونے لگے تھے' اور انہیں ایک دوسرے سے الگ کرتے ہوئے بلبل کو شدید تکلیف ہوتی تھی۔ اور پپوٹوں کے اندر روشنی ریت کے ذروں کی طرح چبھنے لگی تھی۔

اس نے زور کی ایک جمائی لی۔

"تمہیں نیند آ رہی ہے؟"

بلبل نے پتے پھینک دیئے' اور کرسی سے اٹھ کر ایک قیامت خیز انگڑائی لی۔

اس کی آواز بھی نیند کے نشے سے بوجھل تھی' اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"اچھا اب میں اپنے کمرے میں جاتی ہوں! گڈ نائٹ!"

شو آنند نے گڈ نائٹ کہا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا

"ہٹو!"

بلبل بولی۔

شو آنند فوراً" پیچھے ہٹا اور ہٹ کر اس نے دروازے کی چٹخنی اندر سے بند کر دی۔

"چٹخنی کھول دو!"

بلبل غصے سے تھر تھر کانپنے لگی۔

شو آنند ہنسا' اور ہنس کر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے بلبل نے تپائی سے دودھیا کانچ والا لیمپ اٹھالیا اور اپنی پوری طاقت سے اٹھا کر شو آنند کے منہ پر دے مارا۔

ایک لمبا شعلہ سا بھڑکا ایک لمبی چیخ سی نکلی۔ پھر کانچ کے ٹوٹنے کے چھناکے سنائی دیئے اور کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

اور اس اندھیرے میں کوئی جلدی سے چٹخنی کھول کر باہر نکل گیا!

آتش دان کی روشنی میں شو آنند نے بستر کی چادر نکال لی' اور اسے پھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اس نے پانی سے کپڑا بھگو کر اپنے ماتھے کا زخم صاف کیا اور خون کو روکنے کے لیے بار بار اس پر کپڑے کی پٹیاں رکھتا رہا۔

خون پہلے تو تیزی سے بہتا رہا۔
پھر آہستہ آہستہ مدھم ہوتا گیا۔
کثیف ہوتا گیا۔
آخر میں پپڑی کی طرح جم گیا!
شو آنند نے کس کر اپنے ماتھے پر پٹی باندھ لی اور بستر پر دراز ہو گیا!
مگر اس کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ بار بار کروٹ بدلتا تھا' اور بے چینی سے مٹھیاں کستا اور کھولتا تھا۔ غصے سے دانت پیستا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ بلبل کے بالوں سے پکڑ کر نیچے زمین پر گھسیٹ لے۔ چانٹے مار مار کر اس کے رخسار سجا دے۔ اور ٹھوکریں مار مار کر اس کی ہڈی پسلی توڑ دے۔
غصے کے ان کھولتے ہوئے لمحوں میں وہ بالکل بلبل کے ساتھ سونا نہیں چاہتا تھا۔ بس اس کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔
کمرے میں تاریکی تھی۔
آتش دان کے بجھتے ہوئے شعلوں کی روشنی بھی تھی۔
اس بڑھتی ہوئی تاریکی اور بجھی ہوئی روشنی میں اس کا سایہ دیواروں پر خوف ناک شکلیں بناتا ہوا ایک بھوت کی طرح لرز رہا تھا۔

بلبل اپنے کمرے کے سارے دروازے اور کھڑکیاں بند کیے بستر میں منہ چھپائے لیٹی تھی اور سسکیاں لے لے کر روتی جاتی تھی لیکن آج اسے تسکین دینے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے ماں باپ بھائی بہن اس کا کوئی اپنا اس کے پاس موجود نہ تھا۔ اور آج وہ ایک خوفناک جنگل سے گھرے ہوئے کمرے میں اکیلی پڑی تھی۔

آج صبح صبح وہ کس چاؤ سے فلم کی شوٹنگ پر آئی تھی۔ آج رات کو اس کے ڈیڈی نے سارے فلم یونٹ کو اپنے گھر پر دعوت دی تھی۔ اب وہ دعوت درہم برہم ہو گئی تھی کیسے کیسے اس کے ماں باپ اس کے لئے بلکتے ہوں گے۔ انھیں کیا معلوم ان کی بیٹی کس مصیبت میں گرفتار ہے؟

ہائے کیسے میں اڑ کر اپنے ویلی ویو میں پہنچ جاؤں!

جانے کب صبح ہوگی۔۔۔کبھی صبح ہوگی کہ نہیں!

میں اس منحوس کتے شو آنند کے ساتھ زندگی بھر کسی فلم میں کام نہیں کروں گی۔ یہ انسان نہیں ہے' جانور ہے! جانور' وحشی' کمینہ' کتا' رذیل' اوباش' لفنگا' غنڈہ جی چاہتا ہے اس کم بخت کا منہ نوچ لوں۔

مگر ماتھا تو پھٹ گیا ہے اس کا۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ لیمپ اس کے ماتھے سے ٹکرایا تھا' اور پھر زمین پر گر کر اس کا کانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ شکر ہے اس اندھیرے میں بچ کر میں نکل آئی۔ ورنہ وہ وحشی تو مجھے بھنبھوڑ کر کھا جاتا۔ کل سے میں اس منحوس کا چہرہ بھی نہیں دیکھوں گی' اور تھوکوں گی بھی نہیں اس پر!

ہولے ہولے بلبل کی سسکیاں کم ہوتی گئیں۔

آنسو رکتے گئے۔
دل کا بوجھ ہلکا ہوتا گیا۔
نیند کا غلبہ بڑھتا گیا۔
ہولے ہولے آتش دان کی لکڑیاں بجھ گئیں۔ چند انگارے باقی رہ گئے۔ اور بلبل اپنے بستر میں دبکی دبکی سو گئی اور دھیمے دھیمے بچوں کی طرح ہلکے ہلکے خراٹے لینے لگی۔

یکایک ایک وحشت ناک آواز سے وہ جاگ گئی، اور گھبرا کر اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے کمبل اپنے چاروں طرف اوڑھ رکھا تھا، مگر پھر بھی ایک خوفناک جھرجھری سے اس کا سارا بدن سر سے پاؤں تک کانپنے لگا۔
کھڑکی کے باہر ایک چیتا گرج رہا تھا۔
خوف اور دہشت سے بلبل کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی تھیں، اور ایک ہی سمت جمی کی جمی تھیں۔ اس کے سارے احساسات گویا ایک ہی لمحے میں منجمد ہو گئے تھے۔ وہ نہ کچھ سوچ سکتی تھی نہ سمجھ سکتی تھی، نہ حرکت کر سکتی تھی۔
ایک بار اس کا جی چاہا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر تپائی پر پڑے ہوئے لیمپ کی بتی اونچی کر دے۔ مگر کوشش کرنے پر بھی اس کا ہاتھ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔
کھڑکی کے باہر چیتا پھر زور سے گرجا۔
اور بلبل چیخ مار کر اپنے بستر سے اٹھی، اور کمبل میں لپٹی ہوئی غسل خانے کے اندر چلی گئی اور غسل خانے کے دوسرے دروازے پر زور زور سے ہاتھ مار کر شو آنند کو آوازیں دینے لگی۔
"شو آنند، شو آنند مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ، باہر چیتا ہے، ٹائیگر؟"
شو آنند کے کمرے سے کوئی نہیں بولا۔
"شو آنند پلیز!"
بلبل دروازہ تھپ تھپاتے ہوئے بولی۔
باہر ٹائیگر پھر غرایا۔

اس کی آواز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اب غسل خانے کی طرف آ رہا ہے۔
بلبل دروازے پر کھڑی کھڑی رونے لگی۔
"مجھے بچا لو۔ شو آنند، مجھے بچا لو۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں!"

ہولے سے کسی کے بستر سے اٹھنے کی آواز آئی۔ پھر ہولے سے ذرا سا دروازہ کھلا تیر کی طرح اندر گھس کر بلبل شو آنند کے قریب آ گئی اور کانپتے کانپتے بولی:
"باہر ٹائیگر ہے!"
"ہاں، میں نے اس کی آواز سنی ہے!"
ٹائیگر پھر غرایا۔
"مجھے بچا لو!"
"میں اپنی زندگی تمہارے لیے دے دوں گا!"
شو آنند نے بلبل کو ڈھارس دیتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔
"وعدہ کرو تم مجھے ہاتھ نہیں لگاؤ گے"
بلبل نے کمزور آواز میں کہا۔
"نہیں لگاؤں گا!"
شو آنند نے بلبل کو اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔
ٹائیگر پھر زور سے غرایا۔
بلبل شو آنند کے سینے سے لپٹ گئی، اور لرز لرز کر کہنے لگی،
"وعدہ کرو تم مجھے کبھی نہیں چھوؤ گے!"
"کبھی نہیں چھوؤں گا"
شو آنند نے آہستہ سے کہا، اور آہستہ سے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر اس کے ہونٹ چومنے لگا۔

پھر اس کے بالوں کو ---- میری بلبل --- پھر اس کی گردن کے خم کو --- میری بلبل ----"
"اوہ ---- اوہ ----"
بلبل دبی دبی سسکنے لگی۔
ٹائیگر ٹائیگر۔ برننگ برائیٹ!

پہلے یہ طے پایا کہ بلبل اور شو آنند کی شادی فوراً کر دی جائے ورنہ بلبل کا باپ شو آنند کو گولی مار دے گا۔ کیوں کہ یہ معاملہ ایک شریف گھرانے کی عزت کا تھا۔

مگر جب بلبل کے باپ نے دیکھا کہ کوئی اس مسئلے پر بات نہیں کرتا، کسی طرح کا اسکنڈل کھڑا نہیں کرتا، فلم یونٹ میں سب کچھ اسی طرح چل رہا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ بلکہ بلبل اور اس کے باپ اور اس کی ماں کی عزت کچھ بڑھ ہی گئی تھی، تو جنک رائے بہت حیران ہوا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ گولی کس کے سینے میں مارے؟ حیرت سے اس کے سارے جذبات غصے اور انتقام کے ٹھٹھر کر رہ گئے، اور وہ اپنی جیب میں پستول رکھے ہوئے بے بسی محسوس کرنے لگا۔

سب سے پہلے، شادی کی مخالفت گلشن دیونے کی،

"شادی کیسے بنا سکتا ہے تم؟ ہمارے کٹ راکٹ میں لکھا ہے کہ ہیروئن تین سال تک شادی نہیں بنا سکتا۔ پھر تم شادی کی بات کیوں بولتا اے؟ تم کو معلوم نہیں سیٹھ جنک رائے جس روز تمہاری لڑکی کی شادی ہو گا، اس کا مارکٹ ختم ہو جائے گا۔ دیکھو، جس جس ہیروئن لوگ نے شادی بنایا وہ لین سے باہر چلا گیا۔ اور تمہاری چھوکری تو ابھی بنا ہی نہیں ہے۔ اس لیے اکل (عقل) کی بات کرو!"

منوہر کیمرہ مین نے بھی شادی کے خلاف ہی اپنی رائے دی

"شادی کرنے سے وزن بڑھ جاتا ہے۔ وزن بڑھنے سے ہیروئن موٹی اور بھدی دکھائی دینے لگتی ہے۔ جس جس ہیروئن نے شادی کی، تین ماہ کے اندر ان کا وزن بڑھ گیا اور وہ مارکیٹ سے آؤٹ ہو گئیں۔"

رستوگی بولا:

شادی فلم سے باہر والوں کے لیے ٹھیک ہے۔ مگر فلم کی ہیروئن کے لیے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ جو لوگ فلم دیکھنے کے لیے سینما کے اندر جاتے ہیں' وہ دل ہی دل میں ہیروئن سے دو گھنٹے کے لیے محبت اور الفت کا ایک خفیہ رشتہ پیدا کر لیتے ہیں۔ ان دو گھنٹوں کے لیے وہ ہیروئن اس پکچر کے دوران میں ان کی اپنی محبوبہ ہوتی ہے جس سے وہ پیار کرتے ہیں۔ لڑتے ہیں جھگڑتے ہیں روٹھ جاتے ہیں پک نک پر جاتے ہیں۔ گانے گاتے ہیں' مذاق کرتے ہیں' دنیا جہاں کی مصیبتوں سے گزر کر اس کی جان بچاتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں ہیرو کی جگہ لے لیتے ہیں اور ہیروئن سے اپنے ذہن میں عشق کرتے ہیں! سمجھ گئے آپ؟ یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے!۔۔۔ ایسے میں اگر سینما دیکھنے والے تماشائیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلم میں جو لڑکی ہیروئن کا کام کر رہی ہے اس کی شادی ہو چکی ہے تو ان کا ذہنی خواب ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس ہیروئن کی تصویر دیکھنا پسند نہیں کرتے جس کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ کسی دوسرے کی بیوی ہے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ ہیروئن کو صرف اس وقت شادی کرنا چاہیے۔ جب اس کا ارادہ فلم لائن سے ریٹائر ہونے کا ہو سمجھے آپ!"

"مگر میری عزت"؟

"آپ کی عزت کو کیا ہوا ہے؟ آپ پر کس طرح کا الزام آتا ہے' کیا ریسٹ ہاؤس میں آپ شو آنند کے ساتھ تھے؟"

"میرا مطلب ہے میری بچی کی عزت؟"

"آپ کی بچی کی عزت کو کیا ہوا ہے؟ اگر اس رات شو آنند کی عزت نہیں بگڑی تو آپ کی لڑکی کی عزت کیسے بگڑ گئی؟ فرض کر لو کہ ایک کام گناہ ہے' اور اس کام میں اگر دو آدمی شریک ہیں' تو صرف ایک کی عزت کیسے جا سکتی ہے؟ میرے خیال میں تو جو کچھ ہوا بہت اچھا ہوا!"

رستوگی نے کہا۔

"ہائیں!"

جنک رائے نے بھڑک کر کہا:

"اچھا کیسے ہوا؟"

رستوگی بولا:

"یہ بہت نازک معاملہ ہے' بے شک' مجھے آپ کے جذبات کا احترام کرنا چاہیے۔ حالانکہ وہ انتہائی دقیانوسی ہیں۔ مگر میں جب عجائب گھر میں رکھے ہوئے وہ تین ہزار سال پرانے بت کا احترام کر سکتا ہوں تو آپ کے پرانے اور دقیانوسی اخلاق کا احترام کیوں نہیں کر سکتا؟"

"میرا اخلاق دقیانوسی ہے؟"

جنگ رائے پستول نکال کر بولا:

"مسٹر رستوگی' ایک شریف باپ کے غصے کو زیادہ مت آزمایئے اس پستول میں چھ گولیاں ہیں! ایک گولی سے میں شو آنند کو ماروں گا' دوسری سے اپنی بیٹی کو' تیسری سے گلشن سیٹھ کو' چوتھی سے منوہر کو' پانچویں سے تمہیں اور چھٹی گولی میں خود اپنے سینے میں مار کر مر جاؤں گا۔ آپ سمجھتے کیا ہیں میں ایک شریف باپ ہوں!"

"آپ بالکل درست کہتے ہیں!"

رستوگی جنگ رائے کو سمجھاتے ہوئے بولا۔

"میں آپ کی شرافت کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ مگر بھگوان کے لیے دو منٹ کے لیے اس پستول کو اپنی جیب میں رکھیے' اور غور سے میری بات سنئے۔ بس ایک چھوٹا سا نکتہ ہے!"

"کیا نکتہ ہے؟"

"نکتہ یہ ہے کہ جب آپ نے اپنی بیٹی کو ہیروئن بنانے کا خیال کیا' بلکہ تہیہ کر لیا' تو آپ کے دل میں خیال تو آیا ہو گا کہ میری بیٹی ایک کامیاب ہیروئن بنے' کیوں؟"

"بے شک!"

"اور ہیروئن کا کام کیا ہے؟ محبت کرنا' لوہا کوٹنا تو ہے نہیں' کیوں؟"

"بے شک!"

"ہیروئن چاہے اپنی زندگی میں لوہا کوٹے یا چرخہ کمائے۔ یا کھیتوں میں کام کرے یا گھر پر روٹی پکائے۔ فلم میں یہ سب ضمنی کام سمجھے جاتے ہیں۔ اصل میں لوگ پردہ فلم پر ہیرو اور ہیروئن کی محبت دیکھنے آتے ہیں اب اگر آپ کی ہیروئن نے کبھی محبت ہی نہیں کی' کبھی کسی سے عشق ہی نہیں کیا' کبھی سیکس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا' تو عشق و محبت کے جذبات کی تصویر وہ کیسے کھینچ سکتی ہے؟ اور اگر اس حالت میں کوشش بھی کرے گی تو کیسی ناکام کوشش ہو گی اس کی وہ؟۔۔ سمجھے آپ؟۔۔۔ ایک کامیاب ہیروئن کے لیے سیکس کا

تجزیہ بے حد ضروری ہے۔ اور وہ بھی اگر ایک سے زیادہ بار ہو، اور ایک سے زیادہ مردوں سے ہو، تو اور بھی اچھا ہے۔۔۔ اس لئے اگر آپ اپنی بیٹی کو ایک کامیاب ہیروئن کے روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں، تو آپ کو آج گولی چلانے کی بجائے مٹھائی بانٹنی چاہئے!"

جنک رائے غصے سے بڑبڑاتا ہوا، بکتا جھکتا، وہاں سے رخصت ہو گیا۔

رستوگی مسکرانے لگا۔

اس کے لیے ہیروئن کے باپ کو سمجھانے کا یہ پہلا موقع نہیں تھا گو ہر ہیروئن کے باپ کی زندگی میں ایک ایسا موقع ضرور آتا ہے، جب وہ اپنی عزت بچانے کی خاطر پستول چلانے کی دھمکی دیتا ہے، خاصی مضحکہ خیز سچوئیشن ہوتی ہے مگر افسوس کہ فلم پر نہیں آسکتی!"

ہائے! دنیا کے کتنے سچ ہیں جو فلم پر نہیں آسکتے!

رستوگی بار بار سوچنے لگا:

"اور کتنے جھوٹ ایسے ہیں جنہیں جھوٹ جان کر بھی دنیا والے فلم میں بار بار دیکھنے سے نہیں تھکتے۔ کیسے رنگین اور ٹیکنی کلر جھوٹ ہوتے ہیں وہ جن سے ہم اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں۔ شاید اس دنیا کا حساب اس قدر کڑا اور سخت ہے کہ تھوڑی سی خود فریبی کے بغیر گذارہ نہیں!

اس لئے آؤ ہم یقین کر لیں کہ ہر ہیروئن کنواری ہوتی ہے، ہر ہیرو وفادار ہوتا ہے، ہر ولین سو فی صدی برا ہوتا ہے، قانون کبھی غلطی نہیں کر سکتا، کامیڈین کبھی رلا نہیں سکتا، سینسر کبھی بے وقوف نہیں ہو سکتا، مذہب کبھی کھوکھلا نہیں ہو سکتا!

آؤ ہم اپنی آنکھیں بند کر لیں اور خود فریبی کی ست رنگی دنیا میں کھو جائیں۔ احمق ہیں وہ جو فلم سے اصلاح کا کام لیتے ہیں۔ دیکھو یہاں کتنا آرام و سکون ہے۔ شکلیں کتنی پیاری ہیں۔ کپڑے کتنے عمدہ ہیں، رقص کتنے لذیذ ہیں، رنگ کتنے پر بہار ہیں۔ دماغ پر گویا بالائی کی پرتیں چڑھتی جا رہی ہیں، اعصاب کو گویا بالائی کی تہوں میں رکھا جا رہا ہے۔

ہمیں مت بتاؤ کہ کیسے کوئی بھوک سے مر گیا؟ کہاں پر کس کی عزت لٹ گئی۔ کس طرح ایک ظلم نے سات پشتوں کے مستقبل کو غارت کر دیا؟

ہمیں کچھ مت بتاؤ۔ ہم کچھ سننا نہیں چاہتے کچھ سمجھنا نہیں چاہتے اپنے علم میں کسی طرح کا اضافہ نہیں چاہتے۔ ورنہ یاد رکھو ہم تمھاری کوئی بات نہیں سنیں گے۔ تمہاری کوئی فلم نہیں دیکھیں گے۔ ہم تمہاری برسوں کی محنت کا کام مٹا دیں گے۔ تمہارے اصلاح کے ہر عزم کو شکست دیں گے۔ بہتر پکچر کی ہر آرزو کو مٹی میں ملا دیں گے۔ بللہ ہمیں کوئی مقصد نہ دو۔ ہمیں بس میٹھے میٹھے خوابوں والی ایک گولی دے دو' صرف ایک گولی ' ایک Tranquilizer جسے کھا کر ہم ڈھائی تین گھنٹے کے لیے غبن ہو جائیں اور دنیا کے دکھ درد بھول جائیں بس!

ارے 'کہاں کی شرافت؟ اور کس کی عزت؟

ایک ایٹم بم گرا' اور لاکھوں لوگوں کی زندگیاں پلک جھپکتے ختم ہو گئیں۔

ایک لمحے میں کنواریوں کی عزت جل گئی اور ماؤں کی ماںتا مرگئی اور ہزاروں بچے حمل میں ختم ہو گئے۔

پادری کا وعظ جھلس گیا اور جج کا انصاف لڑھک گیا۔

شرافت کے سارے پستول چل چکے' اور ساری اخلاقی قوتوں کا دیوالہ پٹ گیا۔

مگر ایک یہ احمق باپ ہے کہ ہاتھ میں پستول لیے ابھی تک اپنی عزت بچانے کے لیے گھوم رہا ہے!

کس چکر میں پڑے ہو لالہ جنک رائے؟

آج کل زمانہ تو یہ ہے کہ آدمی دن میں سر جھکا کر سماج کے غم سہے' اور رات کو کوئی جھوٹی رنگین فلم دیکھ کر اپنی کسی نچی کھٹی لنگڑاتی پلپلاتی محبت کی خارش زدہ آغوش میں سو جائے!

اچھی طرح غور کرنے کے بعد جنک رائے نے شاردا کو سمجھایا کہ بلبل کی شادی شو آنند سے نہیں کرنا چاہیے۔

شادی سے بچی کا وزن بڑھ جائے گا!"

جنک رائے نے بتایا۔

"عزت چاہے گھٹ جائے لیکن وزن نہ بڑھے' یہی کہتے ہو نا تم۔۔؟"

شاردا آزردہ ہو کر بولی۔

"شادی کرتے ہی بلبل کا فلمی کیریئر ختم ہو جائے گا' وہ "لین" سے باہر چلی جائے گی۔"
"چلی جائے باہر"
شاردا بولی:
"یہ ہندوستان میں جو کروڑوں عورتیں موجود ہیں' کیا سب کی سب فلم کی ہیروئن ہیں؟ ۔۔۔ کیا وہ اپنے گھروں میں خوش نہیں ہیں؟"
"وہ خفیہ رشتہ بھی ختم ہو جائے گا!"
"کون سا خفیہ رشتہ؟"
"وہ رشتہ جو فلم دیکھنے والوں کو اپنی ہیروئن سے ہوتا ہے!"
"میں کسی خفیہ رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ جو رشتہ سب کے سامنے ہو' کہ بھائی کا ہو' کہ بہن کا ہو' کہ میاں کا ہو' کہ بیوی کا ہو' میں تو بلبل کی شادی شو آنند سے ہی کروں گی' اور ڈنکے کی چوٹ پر کروں گی:"
"شادی تین سال تک نہیں ہو سکتی کانٹریکٹ میں لکھا ہے!"
"کانٹریکٹ پھاڑ کے پھینک دو!"
"ایڈوانس واپس کرنا پڑے گا!"
"واپس کر دو!"
ہرجانہ دینا پڑے گا!"
"دے دو!"
"ایڈوانس اور ہرجانہ ملا کر رقم جوڑو' اور اس پر نو پرسینٹ سود۔۔۔"
"ارے میں تمہارے نو پرسینٹ انٹریسٹ سے عاجز آگئی!"
شاردا اپنا سر پیٹ کر بولی۔
"بیٹی کی' گھر کی' خاندان کی عزت خطرے میں ہے' اور تمہیں اپنے نو پرسینٹ کی پڑی ہے۔ آگ لگے تمہارے نو پرسینٹ کو میری کندن ایسی لڑکی کی زندگی تباہ ہو رہی ہے اور تمہیں روپے کی پڑی ہے!"
"سب کچھ سوچنا پڑتا ہے"
جنک رائے نے جھجکتے جھجکتے کہا!

"کچھ مت سوچو' کچھ مت سوچو' سیدھے شو آنند کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ بلبل سے شادی کرے ورنہ تم اسے گولی مار دو۔ نہیں تو۔۔۔۔"
"نہیں تو کیا؟"
"نہیں تو میں تمہیں گولی مار دوں گی' اور خود زہر کھالوں گی اور بلبل کو بھی زہر دے دوں گی!"
شاردا فیصلہ کن لہجے میں بولی:
"اور جب تک اس بات کا فیصلہ نہیں ہو جاتا میں شوٹنگ نہیں ہونے دوں گی!"

تین دن تک شوٹنگ رکی رہی۔
گلشن دیو کا ہزاروں کا نقصان ہو رہا تھا۔ وہ غصے سے اپنے بال نوچ رہا تھا۔
آخر ایک مشاورتی میٹنگ بلائی گئی۔ جس میں شو آنند جنک رائے رستوگی' دھرم پر کاش اور گلشن دیو شریک تھے۔
جنک رائے نے اپنا معاملہ سب کے سامنے رکھا:
"میں ایک شریف باپ ہوں:"
وہ بولا۔
"اس میں کیا شبہ ہے"۔
دھرم پر کاش کامیڈین نے سرہلاتے ہوئے کہا۔
"اگر اس سے پہلے کسی کو شبہ تھا بھی تو اب وہ دور ہو گیا ہے! اگر شو آنند نے میری بیٹی سے شادی نہیں کی تو میں اسے گولی مار دوں گا!"
"مگر اس میں میرا کیا قصور ہے؟"
شو آنند نے پوچھا۔
"مجھے میرا قصور بتا دیا جائے' پھر بے شک مجھے گولی مار دی جائے۔ دھرم پر کاش جی آپ ہی انصاف کیجئے پورا واقعہ سن کر بتائیے کہ قصور کس کا ہے۔ پھر جس کا قصور ہو اس کو سزا دیجئے آپ خود فیصلہ کیجئے!"
"میں فیصلہ کرتا ہوں!"

دھرم پر کاش دیوان پر آلتی پالتی مار کر وکر مادتیہ کی طرح بیٹھ گیا ایک انگلی اوپر اٹھا کر بولا:

"واقعہ بیان کرو، میں پہلے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ قصور کس کا ہے؟"

شو آنند بولا:

"جب میں بلبل کو لے کر یہاں سے چلا، تو موڑ کاٹتے ہی گھوڑا اور سرپٹ ہو گیا۔ میں نے کئی بار گھوڑے کی لگام کھینچ کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر گھوڑا کسی طرح سے میرے روکنے سے بھی نہیں رکا، اور نیچے جنگل میں اتر گیا"

صاف طور پر قصور گھوڑے کا ہے"۔

دھرم پر کاش بولا:

"اگر گھوڑا نہ بدکتا تو یہ واقعہ کبھی پیش نہ آتا، آگے چلو!"

"جب گھوڑا جنگل میں سے گزرنے لگا تو جنگل چونکہ بہت گھنا تھا اور شام کی تاریکی بڑھ رہی تھی اس لیے گھوڑا راستہ بھول گیا اور گل مرگ واپس جانے کے بجائے بن مرگ کی گھاٹیوں پر اترنے لگا!"

"یعنی قصور جنگل کا ہے۔"

رستوگی نے کہا۔

"جنگل اگر گھنا نہ ہوتا تو گھوڑا راستہ نہ بھولتا!"

"بلاشبہ دوسرے نمبر پر قصور جنگل کا ہے!"

جج دھرم پر کاش نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"آدھی رات کے قریب ہم لوگ جنگل کے کنارے ایک اجاڑ سے ریسٹ ہاؤس میں پہنچے۔ وہاں پر میں نے ضرور زیادتی کی اور بلبل کا ہاتھ پکڑا۔ اس کے حسن سے مسحور ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا، مگر اس کی سزا مجھے مل گئی، بلبل نے لیمپ کھینچ کر میرے منہ پر دے مارا۔ یہ میرے ماتھے کا زخم دیکھئے۔۔۔۔"

"بے شک یہ قصور تم سے ہوا۔"

دھرم پر کاش بولا:

"مگر اس قصور کی سزا تمہیں مل گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا؟"

"اس کے بعد جو ہوا وہ آپ سب جانتے ہیں"

شو آنند بولا:

" میں نے بلبل کے کمرے میں جانے کی کوشش نہیں کی' اس کا دروازہ توڑنے کی کوشش نہیں کی کسی طرح اسے ڈرایا نہیں' دھمکایا نہیں' وہ بے چاری خود بخود میرے پاس چلی آئی' چیتے کی آواز سے ڈر کر۔۔۔۔"

"آہ قصور چیتے کا ہے۔"

دھرم پرکاش چلا کر بولا:

"اس حرام زادے ٹائیگر کو گولی مار دینی چاہیے۔"

"ایک شکار کا بندوبست کرو فورا" میں خود اپنی تھری ناٹ تھری سے اس ٹائیگر کو ہلاک کروں گا جس نے ایک معصوم لڑکی کی عزت تباہ کی ہے!۔۔۔وہ کم بخت ٹائیگر اب مجھ سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتا!"

"میں ابھی شکار کا بندوبست کرتا ہوں"۔

گلشن سیٹھ اٹھتے ہوئے بولا۔

"ٹھہریئے!"

جنک رائے نے اپنا پستول نکال کر کہا۔

سب لوگ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے۔

جنک رائے بولا:

"قصور گھوڑے کا ہو یا جنگل کا' یا چیتے کا' مگر شادی تو مسٹر شو آنند کو میری بیٹی سے کرنا پڑے گی۔ نہیں تو میں تم سب کو گولی مار دوں گا!"

جنک رائے نے بڑے خطرناک ارادے سے پستول کی نالی ان سب کے سامنے گھمائی۔

وہ لوگ سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔

" اس لئے یہ شادی ہوگی اور ضرور ہوگی' اور سول میرج کے طریقے سے ہوگی چاہے اس کے لیے ہم کو سری نگر جانا پڑے۔ کوئی لمبا سفر نہیں' مگر باقاعدہ تحریری ثبوت ہوگا اس شادی کا۔۔۔۔ مگر چونکہ کانٹریکٹ میں تین سال تک بلبل شادی نہیں کر سکتی' اور چونکہ ہیروئن شادی کرتے ہی لین سے باہر کر دی جاتی ہے' اس لیے فی الحال تین سال کے لیے اس شادی کو خفیہ رکھا جائے گا اور جب تک شادی کو خفیہ رکھا جائے گا۔ ہیروئن ہیرو کے گھر نہیں رہے گی' بلکہ اپنے باپ کے گھر رہے گی' اور ہیرو سے کسی طرح کا تعلق اس کا نہیں ہوگا۔ ہیرو نہ اس کے خرچ کا ذمہ دار ہوگا نہ آمدنی کا' وہ کسی طرح کا تعرض اس سے

نہیں کر سکے گا۔ اور یہ سب شرائط ابھی ایک اگریمنٹ میں لکھی جائیں گی۔ اس پر شو آنند کے دستخط ہوں گے۔ ابھی لکھو سب کے سامنے۔"

جنگ رائے نے پستول کی نالی کا رخ شو آنند کی طرف پھیر کر کہا' اور باقی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ان سب لوگوں کے گواہی میں دستخط ہوں گے!"

چنانچہ وہ لوگ سری نگر گئے اور وہاں پر بلبل اور شو آنند کی شادی کر دی گئی۔

شادی کی خبر نہ کسی اخبار میں چھپی نہ اس کے لیے کوئی خاص اہتمام کیا گیا۔ ہر طرح سے اس واقعے کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی گئی اسی لئے نہ کوئی دعوت ہوئی نہ سہرا بندھا۔ نہ بیج بجی۔

شادی کے بعد دولہا اپنے دوستوں کے ساتھ اپنے ہوٹل میں چلا گیا اور دلہن اپنے والدین کے ساتھ دوسرے ہوٹل میں چلی گئی۔

اس واقعے کے بعد' تین ماہ بعد تک سری نگر اور اس کے گرد و نواح میں اور کشمیر کے دوسرے علاقوں میں اس فلم کی شوٹنگ ہوتی رہی۔ کیوں کہ یہ کہانی ایک چرواہی اور ایک ڈاکو کے بیٹے سے متعلق تھی۔ اس لیے تین چوتھائی آؤٹ ڈور میں تھی تین ماہ تک آؤٹ ڈور میں اس کہانی کی شوٹنگ ہوتی رہی۔ اور کسی طرح کا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

تین ماہ بعد فلم یونٹ واپس بمبئی چلا گیا اور اگلے تین ماہ میں فلم مکمل کر کے ہندوستان کے تھیٹروں میں جاری کر دی گئی فلم ہٹ ہوئی اس نے پانچ تھیٹروں میں سلور جوبلی منائی۔

اور بلبل نے دوسری فلم ایک لاکھ میں سائن کی۔

تیسری ڈیڑھ لاکھ میں'

چوتھی دو لاکھ میں'

پانچویں ساڑھے تین لاکھ میں'

اور چھٹی چار لاکھ میں'

ایک ہی سال میں اس کا شمار صف اول کی ایکٹرسوں میں ہونے لگا' اور وہ آسمان فلم کا ایک درخشندہ ستارہ بن گئی!

شاردا نے بمبئی آکر پہلی بار سمندر اور اشوک کمار کو دیکھا۔ سمندر کو اس نے جوہو پر دیکھا' اور اشوک کمار کو اپنی بیٹی کی پہلی فلم کے پریمئیر پر۔
سمندر اور اشوک کمار دونوں کو پہلی بار دیکھ کر اسے ان سے ڈر محسوس ہوا۔ پہلے دن وہ سمندر سے ڈر کر اس میں نہا نہ سکی اور اشوک کمار سے پہلی بار مل کر اس سے بات نہ کر سکی۔ حالانکہ کہ یار لوگوں نے شاردا کی کمزوری کو سمجھتے ہوئے پریمئیر کی رات کو شاردا کی سیٹ اشوک کمار کی سیٹ کے ساتھ رکھی تھی۔
مگر پریمئیر کی رات اس قدر افراتفری تھی' اس قدر ہنگامہ تھا' فلمی ستاروں کی اس قدر ہڑبونگ تھی کہ فوٹوگرافر تصویریں لیتے لیتے عاجز آگئے تھے'
اور یار لوگ اس ہنگامے میں شاردا کا تعارف اشوک کمار سے کرانا بھول گئے۔ اور فلم شروع ہوگئی۔ اور شاردا بے چین اور مضطرب اپنی سیٹ پر دیر تک کسمساتی رہی کیوں کہ کسی نے اس کا تعارف اشوک کمار سے نہیں کرایا تھا۔
اس کے لڑکپن کا ہیرو' اس کی جوانی کے پہلے دنوں کا محبوب اس کی کنواری محبت کا آورش' اس کے اس قدر قریب بیٹھا تھا' کہ ایک کی کہنی دوسرے سے چھو رہی تھی۔
مگر کسی کم بخت نے اس کا تعارف اشوک کمار سے نہ کرایا تھا' وہ سب لوگ بلبل کی تصویریں دوسرے فلمی ستاروں کے ساتھ اتارنے میں مصروف تھے اور شاردا کو بھول گئے تھے۔

شاردا اس بات پر خفا تھی' مگر خوش بھی تھی' اس لئے کہ اشوک کمار اس کی بغل میں بیٹھا تھا۔ نہیں ---- نہیں ---- وہ اس کی بغل میں بیٹھی تھی۔ یوں ہی تو چاہا تھا میں نے۔ ---اسی لمحے کے تو خواب دیکھے تھے میں نے ---- عمر کے ساتھ منجھ کر اشوک کمار کتنا

رسیلا ہو گیا ہے۔ وہ اب بھی کتنا مضبوط اور تگڑا دکھائی دیتا ہے۔ اس کی کنپٹی کے بالوں پر جو ہلکی سی سفیدی آگئی ہے، وہ کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے چہرے پر جو کبھی کبھی طنزیہ مسکراہٹ آجاتی ہے، اس کے اندر زندگی کا کتنا گہرا تجربہ نہاں ہے۔

شاردا فلم دیکھتے بیچ بیچ میں چور نگاہوں سے اپنی بغل میں بیٹھے ہوئے اشوک کمار کو دیکھ لیتی، اور پھولی نہ سماتی۔ بس اسی بات کی خفگی تھی اسے کہ کسی نے اس کا تعارف اشوک کمار سے نہ کرایا تھا!

انٹرول پر جب روشنی ہوئی، اور پھر سے فوٹو لیے جانے لگے تو اشوک کمار نے شاردا کی دزدیدہ نگاہوں کے تعاقب سے گھبرا کر اپنے قریب آتے ہوئے ایک فوٹوگرافر کو گھیرا، اور اس سے بے قرار ہو کر سرگوشی میں کہنے لگا:

"ارے یار انہوں نے کس بڑھیا کو میرے ساتھ بٹھا دیا ہے۔ جب سے آیا ہوں برابر گھورے جا رہی ہے!"

بات حالانکہ سرگوشی میں کی گئی تھی لیکن سرگوشی اس قدر بلند تھی کہ شاردا نے سن لی، اور سنتے ہی شاردا کو ایسے لگا جیسے کسی نے اس کے دل میں گھونسہ مارا ہو۔ وہ دھک سے رہ گئی، اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ غم اور غصے کے جذبات سے اس کا گلا رک گیا اور وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ مٹر مٹر اشوک کمار کے چہرے کو تکنے لگی۔

فوٹوگرافر نے جو اس سے پہلے کئی بار بلبل کے گھر جا کر بلبل اور شاردا اور ان کے خاندان کی تصویریں لے چکا تھا، پلٹ کر ایک نگاہ جو شاردا پر ڈالی، تو اشوک کمار کا ہاتھ دبا کر بلند آواز میں بولا:

"ارے آپ ان کو نہیں جانتے ہیں؟ دادا منی؟ (اشوک کو اس کے قریبی دوست سب دادا منی کہتے ہیں) یہ تو شاردا ہیں شاردا۔۔ بلبل کی ماں!"

"ارے!۔۔"

اشوک کمار کے منہ سے نکلا۔ اور پھر اس نے ایک گہری نگاہ شاردا پر ڈالی اور پلٹ کر فوٹوگرافر سے کہنے لگا۔

"تم بھی عجب گاؤدی ہو۔ پوری بات تو سنتے نہیں ہو بیچ میں ٹوک دیتے ہو۔ میں تم سے کہہ رہا تھا کہ میں کب سے اندھیرے میں بیٹھا بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ کی سیٹ پر یہ کون بڑھیا بیٹھی ہے (معاف کیجئے گا شاردا جی 'اندھیرے میں شکلیں عجب نظر آنے لگتی ہیں اور عجب طرح کے دھوکے ہو جاتے ہیں) مگر جب انٹرول کے بعد روشنی ہوئی 'اور میں نے ان کو پھر دیکھا' تو ٹھٹھک کر رہ گیا۔ یہ پیکر خوش جمال' یہ حسن جہاں سوز یہ ادائے دلبری۔۔۔ میں تو حیرت میں رہ گیا صاحب ان کو دیکھ کر' اور کیوں نہ ہو۔ جس سیپی نے بلبل ایسے موتی کو جنم دیا' وہ خود کتنی خوب صورت ہوگی' یہ تو آج شاردا جی کو دیکھ کر معلوم ہوا؟"

"کم ان"

اشوک نے جلدی سے شاردا کا ہاتھ تھام لیا' اور فوٹوگرافر سے بولا:

"جلدی سے دو تین تصویریں ان کی میرے ساتھ لے لو۔ پیشتر اس کے کہ دوسرے لوگ انہیں بتھیا کے لے جائیں ایسی خوب صورت عورت کو کون اتنی دیر تک میرے ساتھ بیٹھنے دے گا؟"

شاردا کے آنسو راستے ہی میں خشک ہو گئے اور وہ خوشی سے نہال ہو گئی۔ اور اس کا سارا شبہ جاتا رہا۔ جس پیار اور محبت سے اشوک نے اس کا ہاتھ پکڑا اس کے ساتھ تصویریں کھنچوائیں' اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرتا رہا' اس سے شاردا کے دل پر ملاطفت کا گہرا اثر ہوا' اور وہ بہت جلد اس سے گھل مل گئی۔ اور جب انٹرول کے بعد دوبارہ پکچر شروع ہوئی اور دوبارہ اندھیرا ہوا تو شاردا نے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر دھیرے سے کہا:

"شادی سے پہلے میں نے آپ کو دو سو خط لکھے تھے!"

"دو سو خط؟۔۔۔ دو سو خط تو آج تک کسی لڑکی نے مجھے نہیں لکھے!"

"مگر میں نے لکھے تھے۔ پر بھیجے نہیں تھے!"

"کیوں نہیں بھیجے؟"

بھیجتی تو کیا آپ جواب دیتے؟

"کیوں نہیں دیتا۔ اور پھر تمہاری ایسی حسین عورت کسی کو خط لکھے اور وہ جواب نہ دے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ تم آج ہی خط لکھ کے دیکھو؟"

اشوک نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

شاردا بھی ہنسی' اور اس کا دل ایک عجب مغموم مسرت سے بھر گیا!

اب اس کے تین بچے تھے' اور وہ گھر والی تھی' شوہر والی تھی' بچے والی تھی' عزت اور خاندان والی تھی۔ اب وہ کسی کو کیا خط لکھے گی؟

ہاں' مگر آج شاردا کو ایسا محسوس ہوا جیسے ایک عجیب طریقے سے اس کی زندگی کی ساری خوشیاں آج مکمل ہو گئی ہوں۔

گھر' شوہر' بچے' عزت' دولت' سب کچھ تو اسے زندگی نے دیا تھا' پھر جسے دیکھنے اور چاہنے اور پالینے کی حسرت اس کے دل میں تھی اسے بھی آج اس نے اتنے قریب سے دیکھ لیا تھا۔ اس سے باتیں کر لی تھیں۔ اس کے ساتھ دو گھنٹے بیٹھ کے ہنس بول لی تھی۔ اپنے سپنوں کا شہزادہ اتنے قریب سے کسے دیکھنے کو ملتا ہے!

شاردا کی آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس نے اپنے آنسو اشوک کی نظروں سے چھپا کے پونچھ ڈالے' اور پھر آرام و اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر وہ اشوک کی طرف جھک کر تصویر دیکھنے لگی۔

تصویر دیکھتے دیکھتے کبھی اس کا بازو اشوک کے بازو سے چھو جاتا' کبھی اس کا سر اشوک کے کندھے سے لگ جاتا' اور اس کا دل کانپنے لگتا' اور اسے محسوس ہوتا جیسے وہ ایک شوہر تین بچے اور چھتیس برس کی عمر رکھنے کے باوجود پندرہ برس کی ناکتخدا لڑکی ہے!

جنک رائے بھی اپنی نئی زندگی سے بہت خوش تھا۔ لدھیانے کے بعد اب اس نے بمبئی میں جراب اور بنیائن بنانے کی ایک فیکٹری کھولی تھی۔ اور ایک چھوٹی سی فیکٹری فونٹن پین بنانے کی بھی اس نے خریدی تھی' اور جوں جوں بلبل کا بھاؤ بڑھتا جا رہا تھا وہ اجنتا شوگر مل اندور کے حصے خریدتا جا رہا تھا۔

اجنتا شوگر مل کے حصوں کی اکثریت دو بھائیوں کے پاس تھی۔ سیٹھ ملیر چند مکتھوریا اور سیٹھ سمیر چند مکتھوریا۔ دونوں بھائی تجارتی حلقوں میں مکتھوریا برادرس کے نام سے مشہور تھے' اور اس قدر عیاش اور اوباش تھے کہ شریف لوگوں کو تو ان کے نام ہی سے بخار چڑھ جاتا تھا۔ یہ دونوں بھائی آہستہ آہستہ اپنی اجنتا شوگر مل بیچ رہے تھے اور ان سے آہستہ آہستہ جنک رائے خرید رہا تھا۔

اپنے کاروبار کے سلسلے میں جنک رائے کو اکثر اندور جانا پڑتا' جہاں وہ اکثر مکتھوریا برادرس کا مہمان ہوتا۔ ہولے ہولے اسے ڈرنک کرنے کی عادت پڑ گئی۔ وہ اونچے پیمانے پر تاش کا جوا بھی کھیلنے لگا' اسی آمد و رفت کے دوران میں اندور میں اسے ایک لڑکی بھی پسند آگئی۔ اور اب یقیناً" اس کے پاس اتنا وافر روپیہ تھا کہ وہ بڑے اطمینان سے دوسرے سیٹھوں کی طرح ایک لڑکی رکھ سکتا تھا۔

مکتھوریا برادرس نے اسے بتایا تھا کہ جس طرح پرانے زمانے میں رؤسا اور جاگیردار رنڈیاں رکھا کرتے تھے' بالکل اسی طرح آج کل کے بزنس مین جو آج کل کے روسا اور جاگیردار ہیں' لڑکیاں رکھتے ہیں۔ اور بڑے بڑے سیٹھ ایک سے زیادہ رکھتے ہیں۔ مگر ایک لڑکی تو بے حد ضروری ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر آدمی سیٹھ نہیں بن سکتا بلکہ اکثر اوقات تو سیٹھ کی حیثیت کا اندازہ لڑکی کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ لڑکی جس قدر

خوش شکل ہوگی خوش لباس ہوگی جس قدر قیمتی زیور پہنے گی جس قدر بڑھیا فلیٹ اور کار اس کے پاس ہوگی' اسی قدر سیٹھ کی حیثیت بھی تجارتی حلقوں میں اونچی مانی جائے گی۔

لہٰذا جنک رائے کے لیے اب ایک لڑکی رکھنا بھی ضروری ہو گیا۔ بالکل اتنا ہی ضروری' جتنا ایک جھگو یا ایک شورلٹ گاڑی رکھنا ضروری ہے۔ یا سونے کا سگریٹ کیس رکھنا ضروری ہے' یا پالی ہل یا ملبار ہل پر رہنا ضروری ہے۔ پھر اسے وہ لڑکی بھی پسند آگئی تھی۔

لڑکی کو دیکھنے سے پہلے ہی مکتھو یا برادرس نے ان الفاظ میں اس کی تعریف کی تھی

"اجی اس کی عمر تو تمہاری لڑکی سے بھی چھوٹی ہے۔ چودہ برس کی ہے نا! بالکل ہری کچی تیکھی مرچ ہے نا۔ اور بیٹی بھی کس کی ہے' اپنی ہیرا بائی کی!۔

"کون ہیرا بائی؟"

جنک رائے نے پوچھا۔

"بڑے بھائی صاحب نے رکھ رکھی تھی۔"

سیٹھ سمیرچند نے اپنے بڑے بھائی سیٹھ ملیرچند کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"پانچ سال ان کے پاس رہی۔ اب بھی ہیرا بائی ان کو بہت مانتی ہے۔ یہ بات کریں گے تو ہجار روپیئے میں ہی سودا پٹ جائے گا!"

"اندور میں رکھو گے تو خالی ہجار روپیہ مہینہ دینا پڑے گا!"

سیٹھ ملیرچند بولے:

"بمبئی لے جاؤ گے تو فلیٹ کا بھاڑا بھی دینا پڑے گا' اور ایک گاڑی بھی لے کے دینا پڑے گی۔ ہے نا؟"

اتنا کہہ کر انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی انتہائی سنجیدگی سے سر ہلا دیا۔

"پہلے لڑکی تو دیکھ لوں۔"

جنک رائے بولا۔

"لڑکی تو میری دیکھی وی ہے۔ پر تم بھی دیکھ لو' کوئی ہرج ہے نا؟ میں کہتا ہوں نا؟ بالکل ہری مرچ ہے۔ بڑی تیکھی بات کرے ہے طوطے کی طرح' اور ناچے وہ ہے' گائے وہ ہے' اور انگلی بھی کرے ہے ساتھ میں!"

"انگلی؟"
جنک رائے نے چونک کر پوچھا۔
"تم سمجھتے نہیں؟"
سیٹھ سمیر چند ہنس دیا۔
"گدی پر بیٹھے بیٹھے سیٹھ لوگ موٹے ہو جاویں' پیٹ باہر نکل آوے' پیٹ کے بیچ میں نابھی نہیں ہوتی ہے؟ ناف' ناف! جدھر سے بچے کی آنول کٹتی ہے نا؟"
ہاں! ہاں! ناف ہوتی ہے۔ نابھی! نابھی میں جانتا ہوں!"
جنک رائے نے بتایا۔
"سیٹھ لوگ اس ناف میں انگلی کراویں ہیں' سیٹھ لوگ جو لڑکیاں رکھتے ہیں ان کو خاص طور پر ٹریننگ دی جاوے ہے نا! وہ پیٹ پر ایسے ہولے ہولے ہاتھ پھیریں ہیں اور نابھی میں انگلی پھراویں ہیں کہ سیٹھ کو دو منٹ میں نیند آ جاوے ہے۔ بس اکثر سیٹھ لوگ اس کام کا ایک ہجار روپیہ دیویں ہیں لڑکی کو!"
"یعنی صرف ناف میں انگلی کراتے ہیں اور سو جاتے ہیں؟"
جنک رائے نے حیرت سے پوچھا۔
"بہت مشکل کام ہے نا!"
سیٹھ ملیر چند بولے۔
"تم کیا جانو' دن رات اسٹاک ایکس چینج اور بازار کے رگڑوں جھگڑوں میں پھنس کر کس کو نیند آوے ہے۔ چار گولی سلیپنگ پل کی کھاؤ جب بھی نیند نہیں آوے ہے۔ پر یہ لڑکیاں بڑی ہوشیار ہوتی ہیں۔ ایسی انگلی کرتی ہیں کہ دو منٹ میں نیند آ جاتی ہے!"
"مجھے انگلی کرانے کی ضرورت نہیں ہے!"
جنک رائے بیزار ہو کر بولا۔
"اپنا اپنا شوق ہے!"
سیٹھ سمیر چند بولے:
"کسی کو نیند آ جاتی ہے ایسے ہی کسی کو نہیں آتی ہے۔ تم ابھی بہت دبلے پتلے ہو۔ جب ہماری طرح گدی پر بیٹھے بیٹھے موٹے ہو جاؤ گے پھر پوچھیں گے۔ ہے نا؟"

لڑکی کا نام چمپا تھا۔ عمر بیس برس کی ہوگی۔ مگر بتاتی چودہ برس کی تھی۔ اور جانے ابھی کتنے برس اور اپنے آپ کو چودہ برس کی اور کنواری بتاتی رہے گی۔
دل لبھانے کی ساری گرائمر اسے ازبر تھی۔ مردوں کی نگاہوں کو وہ الجبرے کے سوال کی طرح حل کرتی تھی' حالانکہ اس کا اپنا جسم جیومیٹری کے تکونوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اس طرح کی حسین تھی جس طرح کچی پیاز ہوتی ہے۔
جنک رائے کو جس نے زندگی بھر شاردا کی میٹھی محبت سے شہد کا چھتہ پایا تھا' اپنے منہ کا ذائقہ بدلنا بہت بھلا معلوم ہوا۔ وہ چمپا کو بمبئی لے آیا۔
مکتھودیا برادرس نے آٹھ سو روپے میں اس کا سودا کرا دیا۔
چمپا کو پیڈر روڈ پر ایک گھر ملا۔ ایک فلیٹ' ایک گاڑی' اور ایک آیا۔ وہ اپنی اماں کے ساتھ اندور سے بمبئی چلی آئی۔ سیٹھ جنک رائے اسے بے حد پسند آیا تھا۔ وہ نہایت پابندی سے ہر روز صرف دو گھنٹے کے لیے آتا تھا۔ چھ سے آٹھ بجے تک۔ نو بجے اپنے گھر جا کر کھانا کھاتا تھا۔ یعنی وہ وقت جو شاردا کی دانست میں وہ اپنے کلب میں گزارتا تھا' وہی وقت وہ چمپا کے فلیٹ میں گزارتا تھا۔ اس سے چمپا کو یہ فائدہ تھا کہ رات اس کی اپنی ہوتی تھی' اور وہ پھنکل دھندا کر سکتی تھی۔
اسی لیے وہ جنک رائے کو بہت پسند کرنے لگی تھی۔
وہ وہمی اور شکی آدمی نہیں تھا۔
بدمزاج نہیں تھا۔
وعدہ خلاف نہیں تھا۔
اور دوسرے تیسرے ماہ ایک نیا زیور بنوا دیتا تھا! اپنی سہولتوں اور رعایتوں کے اعتبار سے یہ نوکری آئی اے ایس کی نوکری سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اور چمپا کے خیال میں ان عورتوں کی زندگی سے تو بہت بہتر تھی جو اس سے کہیں زیادہ خوب صورت اور جوان ہوتی ہیں۔ بھرپور اور شاداب ہوتی ہیں' لیکن جو صرف ایک شادی کے عوض ہمیشہ کے لیے اپنا سارا جسم اور سارا مستقبل بیچ ڈالتی ہیں اور پھر ساری زندگی بچے جن جن کر اور برتن گھس گھس کر مرجاتی ہیں۔ چھی کیسی احمق ہوتی ہیں یہ عورتیں۔

مگر چمپا کبھی ایسی عورت نہ بنے گی۔ وہ اپنی جوانی، اپنے حسن اور اپنے مستقبل کو قسطوں میں بیچے گی۔

سولہ سے بیس سال تو اس نے چھ سو روپے میں بیچا۔

بیس سے بائیس برس تک وہ اپنے آپ کو آٹھ سو روپے میں بیچے گی۔ (بالائی آمدنی اس کے علاوہ رہی)۔ اگر مرد نوکری کرتے ہوئے رشوت لے سکتے ہیں، تو وہ کسی ایک کی نوکر ہو کر بھلا آمدنی کیوں نہیں پیدا کر سکتی؟ ان مردوں کو بلکہ مردوں کو کیا حق ہے کہ وہ عورتوں کو کسی دوسرے پیمانے سے جانچیں؟

بائیس سے پچیس برس تک جو خوب صورت عورت کے شباب کا بہترین زمانہ ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو دو ہزار سے کم میں نہیں بیچے گی (اور بالائی آمدنی اس کے علاوہ)

اس کے بعد وہ پھر ڈیڑھ ہزار پر آجائے گی۔

پھر ایک ہزار پر،

پھر آٹھ سو پر،

پھر چھ سو پر،

پھر وہ ریٹائر ہو جائے گی۔

شادی شدہ عورتیں مجھے بڑھاپے کا طعنہ دیتی ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ میری ایسی عورتوں کا بڑھاپا بہت برا گزرتا ہے۔ مگر بڑھاپا کس کا اچھا گزرتا ہے؟ اور میری ماں کا بڑھاپا کیا برا گزر رہا ہے؟ کیا چیز میسر نہیں ہے میری ماں کو؟

اور جب میں ریٹائر ہو کر اپنی ماں کی عمر کو پہنچوں گی، تو میری بھی تو کوئی لڑکی ہو گی؟ میرا بڑھاپا سنبھالنے والی۔ نہ بابا، مجھ سے یہ برتن نہ گھسے جائیں گے، یہ کپڑے نہ دھوئے جائیں گے، یہ جھاڑو نہ دی جائے گی۔ یہ چولہا نہ جھونکا جائے گا۔ کوئی بھی نوکرانی جسے چالیس روپے ماہانہ دے دو، بڑی خوش اسلوبی سے یہ کام کر سکتی ہے۔

یوجناؤں کے اس زمانے میں چمپا کے دل میں بھی اپنی زندگی کی ایک صاف واضح نپی تلی یوجنا تھی۔ ایک ایسی ہی یوجنا اس سے الگ جنک رائے کے اپنے دماغ میں تھی۔

دونوں کچھ سمے کے لیے ایک دھارا میں بہہ رہے تھے، اس لئے۔ یہ دونوں یوجنائیں ایک دوسرے سے ملا دی گئی تھیں۔ یہ رشتہ تختی لگا کے ڈھبری بٹھا کے کیل ٹھونک کر لوہے کے پیچ کس سے گاڑ دیا گیا تھا۔

یہ رشتہ اس قسم کا نہ تھا' جو پھول کی طرح کھلتا ہے' سیب کی طرح پکتا ہے' اور چنار کے پتے کی طرح اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر جھڑ جاتا ہے۔ نجانے ایسے رشتے اب انسان کو کب ملیں گے؟

گلشن دیو بھی بہت خوش تھا۔ کانٹریکٹ کے مطابق وہ بلبل کی آمدنی جو باہر کی فلموں سے اسے ہوتی تھی اس کے آدھے کا حقدار تھا۔ تین سال میں بلبل نے دس کانٹریکٹ کیے۔ اس کا دسواں کانٹریکٹ چھ لاکھ روپے کا تھا۔

گلشن دیو نے اپنی فلموں کے علاوہ بلبل کے دوسرے معاہدوں سے لاکھوں روپے کما لیے۔ اور وہ ایک عقل مند سمجھ دار اور ٹھنڈے مزاج کا آدمی تھا۔ وہ روپے کا اچھا' عمدہ اور سلیقے کا استعمال جانتا تھا۔ وہ پروڈکشن سے ڈسٹری بیوشن کی لائن میں چلا گیا اور تین سال کے عرصے میں ملک کا ایک اہم تقسیم کار بن گیا۔

پھر ڈسٹری بیوشن سے وہ آہستہ آہستہ ایگزیبشن میں چلا آیا اور اس نے گذشتہ تین سال میں دو اپنے تھیٹر خریدے اور پانچ تھیٹروں میں حصہ داری لے لی۔

اب اس کا کاروبار بہت مضبوط ہو گیا تھا۔ اس لیے تین سال کے بعد جب بلبل کے باپ نے کانٹریکٹ کی معیاد کو آگے بڑھانے سے انکار کر دیا' تو گلشن سیٹھ نے کسی طرح کا برا نہیں مانا اس نے نہ صرف ہنسی خوشی معاہدہ ختم کر دیا' بلکہ معاہدہ ختم کرتے وقت بلبل کو پینسٹھ ہزار کی نئے ماڈل کی شورلیٹ گاڑی تحفے میں دی۔

بلبل نے یہ تحفہ قبول کر کے گلشن دیو کی اگلی پکچر میں ایک لاکھ کم پر کام کرنے کا وعدہ کر لیا' اور پھر اپنی نئی گاڑی میں بیٹھ کر شو آنند سے ملنے چلی گئی' جس نے آج اسے گل مرگ میں خفیہ طور پر کوئی خاص بات چیت کرنے کے لیے بلایا تھا!

آہستہ آہستہ بلبل گذشتہ تین سالوں میں شو آنند کو پسند کرنے لگی تھی۔ یوں تو اس نے بہت سے اداکاروں کو پسند کیا تھا۔ ان تین سالوں میں وہ ایک راکٹ کی طرح شہرت کے مقام پر پہنچی تھی' اور اسے بہت جلد راج کپور' دلیپ کمار' دیو آنند کے ساتھ کام کرنے کا

موقع مل گیا' یعنی ان لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ کام کرنا توکجا جن کی ایک جھلک دیکھنے ہی کے لیے دنیا بے تاب رہتی ہے۔

بلبل کے اندر اداکاری کی بے مثل فطری صلاحیت تھی۔ اور عورت چاہے جس طرح کی ایکٹنگ کرے لیکن اس کی اداکاری کے جوہر محبت کے باب ہی میں کھلتے ہیں۔۔ جس طرح سے وہ محبت کرتی ہے اور محبت کراتی ہے' اور محبت کے مختلف منازل طے کرتے ہوئے سپردگی کی منزل تک آجاتی ہے۔ وہ اپنے مدارج کے اعتبار سے ایک عمدہ اداکارہ کی صلاحیتوں کا امتحان ہوتا ہے۔

اور بلبل نے جس کامیابی سے ان منازل میں اپنی عمدہ اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا' اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیدائش ہی سے ایک محبوبہ کا رول ادا کرنے کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور اس نے ان بڑے اداکاروں کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہر لمحے سب کو برابر کی چوٹ کا یقین دلایا دیا تھا۔

پھر بھی جب کبھی وہ اکیلے میں سوچتی تو اسے ان لوگوں کی محبت کی خاصیت میں فرق معلوم ہوتا تھا۔

راج کپور کی محبت شمپئن کی طرح تھی جلد بازابلنے والی سرکو پکڑنے والی' لٹو کی طرح گھمادینے والی' شفاف اور چمک دار سطح سے تہہ تک تاباں اور منور۔

اور دلیپ کمار کی محبت کا انداز دھیما' تاریک اور گہرا تھا جس میں غم کے سائے تیرتے تھے' اور محبت کرتے ہوئے بھی اکیلے پن کا احساس غالب رہتا تھا' اور پر سکوت نیلی سبز روشنیاں زیر آب دور کہیں نیچے جھلملاتی رہتی تھیں۔ اور پھر یکایک تیرتے تیرتے ایک ٹھوکر سی لگتی' اور جب وہ دنوں ابھر کر سطح پر آتے تو دلیپ کی آنکھیں اسے بالکل اجنبی معلوم ہوتیں جیسے ان نگاہوں نے کبھی محبت نہیں کی تھی۔

اور دیو آنند کی محبت اس کی اپنی شخصیت کے مرکز میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جیسے وہ خود محبت نہ کرتا ہو' دوسروں کو محبت کرنے کے لیے اپنے قریب بلاتا ہو۔ جیسے وہ خود محبوب ہو اور عورت عاشق ہو اور اٹھلانے کے سارے انداز جانتا ہو۔ ایک خوب صورت دخانی جہاز کی طرح دیو آنند صرف محبت کی سطح پر چھچھلاتے ہوئے گزر جاتا تھا۔ ایک مشاق اسکیٹر کی طرح جو برف پر پھسلنا جانتا ہے۔

راج کپور کی محبت ایک شرابی کی محبت تھی، دلیپ کمار کی محبت ایک غوطہ خور کی اور دیو آنند برف پر ناچنے والا رقاص تھا۔

ان لوگوں کے ساتھ فلموں میں کام کرتے ہوئے اس نے ان لوگوں کی محبت کے مختلف انداز دیکھ لیے تھے اور اس انداز کو سمجھنا بھی ایک ہیروئن کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ کیوں کہ مرد محبت کا خاکہ مرتب کرتا ہے، عورت اس میں رنگ بھرتی ہے۔

مگر بلبل کو شو آنند کا انداز زیادہ پسند آیا تھا جتنی زیادہ وہ شو آنند سے نفرت کرتی تھی اتنا ہی زیادہ اسے شو آنند کی محبت کا انداز پسند آنے لگا تھا۔

اور یہ بڑی عجیب بات تھی، کیوں کہ وہ ایک سنجیدہ دل و دماغ کی ایک پڑھی لکھی خاتون تھی، اور قاعدے سے اسے شو آنند کی محبت کی اداکاری کو پسند نہ کرنا چاہیے تھا۔ جو بے حد اتھلی، سطحی، گالی گلوچ پر مبنی، لاتوں مکوں کی عادی محبت معلوم ہوتی تھی۔ ایک ایسی محبت جس کی گرامر بے حد کھردری، بے اصولی اور بے ہنگم تھی۔ وہ ایسی محبت تھی جو ہر لحظہ عورت کی تحقیر کرتی ہے اور مرد کی فوقیت عورت پر جتاتی رہتی ہے۔

شو آنند کسی ایسی فلم میں کام نہ کرتا تھا جس میں اسے دو چار بار اپنی ہیروئن کو چانٹا، لات مکے مارنے کا موقع نہ ملے۔ تضحیک و تحقیر سے بلانے کا موقع نہ ملے۔ فلم سے باہر بھی وہ عورتوں سے اسی قسم کا سلوک کرتا تھا، اور اکثر اپنی انہی حرکتوں سے بے حد پسند کیا جاتا تھا۔

شروع شروع میں بلبل کو شو آنند کے طور طریقے بالکل نہیں بھائے۔ مگر جس طرح سے شو آنند نے شروع کے دو سالوں میں بلبل سے بے رخی برتی اور جاؤ بے جا اس کا مذاق اڑایا۔ اور اپنے لاابالی طریقوں میں کسی طرح کی کمی نہ کرتے ہوئے اسے کسی طرح کی لفٹ نہ دی، اس سے بلبل کا دل شو آنند کی طرف کھنچتا چلا گیا۔

آخر وہ اس کا شوہر تھا، چاہتا تو ہر طرح سے اس پر اپنا حق جتا سکتا تھا۔ لیکن ایک لمحے کے لیے بھی شو آنند نے کبھی اپنے حقوق جتانے کی کوشش نہیں کی۔ کسی طرح سے، کسی ہلکے سے ہلکے اشارے سے بھی یہ بتانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ بلبل کا شوہر ہے۔ وہ ساری دنیا کے سامنے اس کے لیے ایک اجنبی بنا رہا۔ اور نجی زندگی میں بھی اس نے کبھی اس خفیہ معاہدے کو توڑنے کی کوشش نہیں کی جو اس کے اور بلبل کے باپ کے درمیان ہوا تھا۔

اس کا سلوک کچھ اس طرح کا تھا جیسے وہ ٹن مرگ کی اس رات کے واقعے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بھول چکا ہے۔ گویا وہ رات اس کی زندگی میں کبھی آئی نہ تھی۔

لیکن بلبل کے سینے میں وہ رات چبھنے لگی، اور جوں جوں شو آنند یہ ظاہر کرتا کہ وہ اس رات کو بالکل بھول چکا ہے۔ بلبل کے دل میں اس رات کے رنگ گہرے ہوتے جاتے۔ اور اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے شو آنند اس رات کو بھول کر اس رات کی بے عزتی نہیں کر رہا ہے بلبل کی شخصیت کی بے عزتی کر رہا ہے۔ جیسے شو آنند کی لاابالی اجنبیت محض ایکٹنگ نہ ہو، بلبل کے احساس خودی پر ایک چپت ہو!

میں اس حرامزادے کو دکھا دوں گی سمجھتا کیا ہے یہ، مجھ سے یوں بے رخی برت کر یہ جتانا چاہتا ہے جیسے میں کبھی اس کی زندگی میں آئی نہ تھی جیسے میں کچھ ہوں ہی نہیں اس کی زندگی میں۔۔۔؟ اسے میری اہمیت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔۔۔!

جوں جوں بلبل شہرت کے زینے پر چڑھتی گئی۔ شو آنند اس سے الگ ہوتا گیا۔ دور ہوتا گیا، اور آخر میں تو اس نے بلبل کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا۔

اور انڈسٹری میں یہ خبر عام ہو گئی کہ جس فلم میں بلبل کام کرے گی۔ اس میں شو آنند کام نہیں کرے گا، اور جس میں شو آنند کام کرے گا اس میں بلبل کام نہیں کرے گی۔ کیوں کہ دونوں ایک دوسرے سے شدید نفرت کرتے ہیں!

تین سال گزر گئے گلشن کا کانٹریکٹ بھی ختم ہو گیا جس کی رو سے شو آنند اور بلبل کی شادی کی خبر عام نہ کی جا سکتی تھی۔ اب تو راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ لیکن پھر بھی شو آنند کی طرف سے شادی کی خبر کو عام کرنے کے لیے کسی طرح کی آمادگی ظاہر نہ کی گئی وہ اب بھی اسی طرح ظاہر کرتا رہا جیسے اسے بلبل سے کبھی کسی طرح کا تعلق نہ تھا۔ اور اگر تھا بھی تو وہ اسے اب قائم رکھنے پر یا اس کی تجدید کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

اس مکمل علیحدگی سے بلبل کو عجب طرح کا رنج پہنچا حالانکہ اس میں رنج اور غصے کی کیا بات تھی۔ کیا خود اس نے اس کے ماں باپ نے ایسا نہیں چاہا تھا۔ اگر شو آنند نے بالکل وہی کیا تھا جس کی وہ لوگ اس سے توقع کرتے تھے تو اب اس میں رنج کرنے اور خفا ہونے کی کیا بات تھی۔

مگر امر واقعہ یہ تھا کہ اب بلبل شو آنند کی بے پروائی پر رنج کرنے لگی، اور غصہ کرنے لگی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ شخص کیسے مجھے بھول چکا ہے۔ جیسے میں

کبھی اس کی زندگی میں آئی نہ تھی، جیسے میں بھی اس کی بہت سی راتوں میں سے صرف ایک رات تھی۔ یا شاید اس کی زندگی کا ایک صفحہ، ایک پیرا، بلکہ ایک سطر، شاید محض ایک لفظ، لفظ جو غلط چھپ گیا، یا کھرچ کر مٹا دیا گیا۔

لیکن میں اتنی آسانی سے مٹنے والی نہیں ہوں۔۔۔ میں اس کو بتا دوں گی۔ میں کیا ہوں۔ شو آنند کو میری اہمیت تسلیم کرنی پڑے گی۔ آج فلم انڈسٹری میں کوئی ہے جو میری نظر کا گھائل نہیں ہے۔

کون ہے جو میری نگاہ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے پر تیار نہیں ہے لیکن ایک یہ شو آنند ہے؟۔۔۔ کہ۔۔۔ کہ۔۔۔!

اور اس طرح رنج اور غم، غصے اور نفرت کے ملغوبے سے ایک عجیب و غریب محبت کا خمیر اٹھا، اور جب تین سال ختم ہونے کے بعد ایک دن شو آنند نے خفیہ طور پر بلبل کو پیغام بھیجا کہ وہ اس سے آکر مل جائے۔ تو بلبل بالکل رام ہو چکی تھی۔۔۔ وہ دل ہی دل میں اپنا دل اسے دے چکی تھی۔

اس نے نئی شورلیٹ چلاتے ہوئے طے کیا کہ اگر آج شو آنند نے تین برس پرانی شادی کو ظاہر کر دینے پر ذرا بھی زور دیا تو وہ فوراً مان جائے گی، اور اس کی بیوی ہو کر رہے گی۔

ظاہر ہے کچھ اسی طرح کا ارادہ شو آنند کا ہو گا، ورنہ اس خفیہ ملاقات کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے۔۔؟

وہ دونوں گل مہر میں ملے، اور ایک الگ ٹیبل پر بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔
اسپریو کافی اچھی ہوتی ہے یا پرکولیٹر کی
ہاٹ ڈاگ ریوالی میں جتنا عمدہ تیار ہوتا ہے اتنا شمروگ میں بھی نہیں ہوتا۔
لیکن سوئیس پیسٹری کا جواب نہیں ہے۔
پرسوں کی ریس میں آدم جی نے بڑا دھوکا دیا۔ ون آتے آتے پلیس سے بھی گیا۔
تم نے اسٹرینڈ کی پکچر دیکھی ہے؟ ڈیبی کارلو نے غضب کی اداکاری کی ہے۔
بلیک مارکیٹ میں سونا ایک سو ساٹھ روپے تولہ ہو گیا ہے۔
اور میکس فیکٹر نے ایک نیا میک اپ نکالا ہے جس سے دس منٹ میں میک اپ مکمل ہو جاتا ہے۔
میں تو تازہ اسٹرابری کے ساتھ تھوڑی سی کریم لے لوں گی۔ موٹا ہونا چاہتی ہوں، وزن بہت کم ہو گیا ہے۔
تمہیں معلوم ہے جی ایل گی ایک پکچر بنانا چاہتا ہے جو اتنی بڑی اتنی عظیم اتنی شاندار ہو گی کہ پچیس برس میں تیار ہو گی۔ ہر پانچ سال کے بعد ڈائریکٹر بدل جایا کرے گا۔
اس پکچر میں ہیرو اور ایک ہیروئن کی زندگی جوانی سے بڑھاپے تک دکھائی جائے گی۔
غضب کا آئیڈیا ہے۔
کل پوائی لیک پر میں نے اور جانی واکر نے ڈھائی من کی ایک مچھلی پکڑی۔ مچھلی نے ہوا میں اچھلتے ہی کہا:
"ہاھُّا!"

تمہیں یقین نہیں آئے گا۔ لیکن پران کے پاس ایک ایسا کتا تھا جو صرف کامیڈی فلمیں دیکھتا تھا۔ ایک دفعہ پران نے اسے چارلی چپلن کی تصویر گولڈ رش دکھائی وہ تصویر دیکھ کر وہ کتا اتنا ہنسا کہ ہنستے ہنستے مر گیا!

بیرا بل لاؤ!"

"کیوں کیا یہی باتیں کرنا تھیں؟"

بلبل اداس ہو کر بولی۔

"نہیں۔۔ مگر دیکھتی نہیں ہو' وہ سامنے سے جے کشن چلا آرہا ہے؟" شو آنند بولا: "اور وہ سامنے سے روپ شوری اور فیروز آرہے ہیں۔ وہ جو ہرا اپنی فلم کے ڈائریکٹر کے ساتھ مسکراتا ہوا چلا آرہا ہے۔ میں نے تو جان بوجھ کر گل مہر میں آج کی ملاقات رکھی تھی کہ یہاں فلمی لوگوں کا رش نہیں ہوتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ میری طرح دوسرے لوگ بھی یہی سوچ کر یہاں چلے آئے ہیں۔ نتیجے میں یہاں بھی وہی فلمی رش ہو گیا ہے یہ لوگ یہاں ڈھائی گھنٹے بیٹھ کر ایک ایک کافی یا چائے پئیں گے' اور سگریٹ پر سگریٹ جلا کر بور ہوں گے۔ پھر رات کو نو بجے سے بارہ بجے تک وہسکی پئیں گے' اور آخر میں ایک تکیے کو گود میں لے کر سو جائیں گے۔ سنتے ہیں ہر فلمی آدمی کے پاس ایک خوب صورت لڑکی ہوتی ہے مگر آج تک کہیں دیکھی نہیں۔ کلب میں' ریس میں' ریستوران میں' جہاں جاؤ' یہ لوگ اکیلے اور لنڈورے ہی گھومتے نظر آتے ہیں۔۔۔۔

کیپ دی چینج!"

بیرے نے ڈیڑھ روپے کی ریزگاری جیب میں ڈالی اور ٹیبل صاف کرنے لگا۔

شو آنند اور بلبل وہاں سے اٹھ گئے!

گل مہر سے باہر نکل کر شو آنند نے بڑی بیزاری سے کہا:

"کہاں چل کے بات کریں؟ سمندر کے کنارے؟"

"وہاں پر بھی لوگ ہوں گے!"

"پھر کہاں چلیں؟"

"تمہارے گھر کیوں نہ چلیں؟"

بلبل نے مشورہ دیا۔

"ہاں، یہ ٹھیک ہے، چلو تم اپنی گاڑی میں میں اپنی گاڑی میں مختلف سمتوں سے جاتے ہیں۔ تم ادھر۔ میں ادھر، یہیں سے ایک دوسرے سے رخصت ہو جاتے ہیں، مگر دونوں الگ الگ راستوں پر جاکر دونوں ہمارے گھر پر مل جائیں گے سمجھ گئیں؟ ورنہ کل کو اخباروں میں خبر آجائے گی۔ سمجھ گئیں؟"

بلبل نے کچھ نہیں کہا۔ مسکرا کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی اور دل ہی دل میں کہنے لگی:

"چند دنوں کی بات ہے، پھر اس خفیہ رازداری کی ضرورت نہیں رہے گی!"

بلبل کو معلوم نہ تھا کہ شو آنند کی خواب گاہ اس قدر خوب صورت ہوگی۔ دو دیواروں کا رنگ ہلکا گلابی تھا۔ دو دیواروں کا دھانی، چھت پر سنہرے لہریئے تھے، اور بیچ میں ایک استنبولی فانوس لٹک رہا تھا۔ کھڑکیوں پر دہرے پردے تھے ریشمی جالی کے اور پھولدار فرنچ ساٹن کے اور ایک دیوار پر جو ڈبل بیڈ کے بالکل سامنے تھی وہاں پرنی گابا نے ایک میورل بنایا تھا:

"آدم اور حوا کا اخراج جنت سے"

بلبل ایک چھوٹی سی کرسی میں دھنس گئی جس کے اندر سیٹ میں دو فٹ گہرا فوم ربر بچھا ہوا تھا۔

شو آنند سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

بیچ میں اس نے کانچ کی ایک تپائی سرکا کے سامنے رکھ لی، اور دو گلاس اور وہسکی کی ایک بوتل۔۔۔

"کیا لوگی؟"

شو آنند نے پوچھا۔

"کیا ہے تمہارے پاس؟"

بلبل نے پوچھا۔

"میرے پاس اپنے لئے تو وہسکی ہے، جو مجھے پسند ہے تمہارے لیے میرے پاس شمپئن ہوگی، سائیڈر ہوگی، ممکن ہے تھوڑی سی سی پورٹ رہ گئی ہو بوتل میں یا مارٹینی۔۔!"

"میں سائیڈر سے شروع کروں گی، مارٹینی پر ختم کر دوں گی۔"

بلبل بولی۔
شو آنند نے اپنے گلاس میں وہسکی ڈالی، بلبل کے گلاس میں سائیڈر اور کہا:
"چیئرز----!"
بلبل نے اپنا لمبی ڈنڈی والا نازک جام شو آنند کے گلاس سے ٹکرایا، اور نہایت نفاست سے ایک چھوٹا سا گھونٹ لیا جیسے وہ شراب نہ پی رہی ہو عطر لگا رہی ہو!
بولی: "کیوں بلایا ہے؟"
بولا: "تین سال ختم ہو گئے!"
بولی: "پھر؟"
بولا: "سمجھ میں نہیں آتا، کیسے تم سے کہوں؟"
بولی: "شراب کے ایک دو بڑے گھونٹ لے کر دیکھو، شاید سمجھ میں آ جائے--!"
شو آنند نے جلدی سے اپنا گلاس ختم کر دیا۔
دوسرا بنایا۔
دوسرا بھی ایک تہائی پی لیا۔
پھر دیر تک خاموشی سے بلبل کو دیکھتا رہا۔
بلبل اب سمجھ گئی کہ کیا ماجرا ہے؟
تین سال ختم ہو چکے۔ اب شو آنند اس راز کو افشا کر دینا چاہتا ہے۔ سب کو بتا دینا چاہتا ہے کہ بلبل اس کی بیوی ہے۔ وہ چاہتا ہے، اور کون نہیں چاہے گا کہ اپنی بیوی پر اپنا حق جتائے۔ یہ اس کی کچھ کم شرافت نہیں تھی کہ اس نے تین برس تک انتظار کیا۔ ہر طرح سے اس راز کو چھپایا۔ کبھی اپنا حق نہیں جتایا۔ کبھی چھپ کر ملنے کی کوشش نہیں کی۔
بلبل شو آنند کے کردار کی عظمت کی قائل ہو چکی تھی-- یہ گالی بکنے والا لاتیں گھونسے مارنے والا، لاابالی، آوارہ مزاج انسان اندر سے کس قدر میٹھا اور کمزور ہے۔ بالکل ایک فرشتے کی طرح۔ آج تک دنیا نے اسے کس قدر غلط سمجھا۔ خود میں نے--- سب سے زیادہ خود میں نے----! مگر اب وقت آ گیا ہے جب یہ دیواریں ڈھے جائیں، میں اپنی محبت کا اقرار کر لوں، اور ہمیشہ کے لیے اس کی ہو جاؤں---
اس کے دل نے جانے کب سے یہ فیصلہ کر رکھا تھا، اس لیے آج جب وقت آیا تو ذرا بھی تعجب نہ ہوا۔

وہ سائیڈر کا جام ہاتھ میں لیے مسکرانے لگی۔

"میں جانتی ہوں، تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ مگر گھبراؤ نہیں، جو کہنا چاہتے ہو، وہ تم بے کھٹکے کہہ سکتے ہو۔ میں تمہیں غلط نہ سمجھوں گی!"

شو آنند نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ شراب کا ایک بہت بڑا گھونٹ لیا، اور اپنی کرسی ذرا آگے سرکاتے ہوئے بولا:

"بلبل! تم نے میری مشکل آسان کر دی ہے۔ تم بہت سمجھ دار لڑکی ہو۔ اس لیے میں تم سے اب کھلے کھلے الفاظ میں اقرار کر لینا چاہتا ہوں کہ مجھے تم سے نفرت ہے!"

"نفرت۔۔۔؟"

وہ چیخی،

اور سائیڈر کا جام اس کے ہاتھ سے گر کر کانچ کی تپائی سے ٹکرا کے شکستہ ہو گیا!

"ہاں، شدید نفرت۔۔۔!"

شو آنند نے اپنے گلاس میں مزید وہسکی بھرتے ہوئے کہا:

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ مجھے تم سے کتنی نفرت ہے۔ اسی لیے میں تم سے آج اپنے لیے آزادی مانگنے کی درخواست کر رہا ہوں؟ تین سال گزر چکے ہیں ہماری تمہاری شادی کو، تین سال تک میں نے اس راز کو ہر ایک کی نگاہوں سے چھپایا ہے تین سال تک مجھے میری غلطی کی سزا ملی ہے۔ میں نے اسے خوشی خوشی قبول کیا ہے اب میں چاہتا ہوں کہ جس خاموشی سے تم نے مجھ سے شادی کی تھی: اسی خاموشی اور رازداری سے تم مجھے اس شادی سے آزادی دے دو۔ مجھے کافی سزا مل چکی ہے اب تم مجھے آزاد کر دو۔"

کچھ عرصے تک تو بلبل کوئی بات نہیں کر سکی۔ اس کی نگاہوں میں سارا بیڈروم گھوم رہا تھا، اور اس گھومتے ہوئے بیڈ روم کے ساتھ اس کا سر بھی چکر کھا رہا تھا۔

چند لمحوں تک تو وہ خاموشی سے بیٹھی بیٹھی شو آنند کو دیکھتی رہی، اور اس کے ہونٹوں سے ہاں یا ناں کا ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ آخر اس نے اپنے آپ کو سنبھال کے بڑی کمزور آواز میں کہا۔

"اب مجھے ایک مارٹینی دے دو!"

شو آنند نے اس کے لیے مارٹینی کا جام بنایا۔

وہ دو گھونٹ لے کے بولی۔

"سو تم مجھ سے نفرت کرتے ہو؟"
"تم بھی تو کرتی ہو؟"
وہ بولا۔
"میری بات مت کرو"
بلبل تلخی سے بولی:
"صرف اپنی بات کرو۔ تم مجھ سے نفرت کرتے ہو نا؟"
"ہاں!"
"اور مجھ سے آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو؟"
"ہاں!"
اور اگر میں آزادی نہ دوں تو۔۔۔؟"
"مگر کیوں؟"
شو آنند حیران ہو کر بولا:
"میرا خیال ہے تم بھی مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ان تین سالوں میں میں نے تو اور کوئی جذبہ تمہاری آنکھوں میں نہیں دیکھا۔۔۔اس لیے۔۔۔میں۔۔۔میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم مجھے آزادی کیوں نہ دو گی؟"
"کیوں کہ میں بھی تم سے نفرت کرتی ہوں!"
بلبل ایک دم بھڑک کر بولی:
"شدید نفرت۔۔۔گہری نفرت! ایسی نفرت کہ میرا جی چاہتا ہے اسی وقت شراب کا یہ گلاس تمہارے منہ پر مار دوں۔۔!"
"لیکن۔۔۔لیکن۔۔۔"
شو آنند حیرت سے بولا:
"میں بالکل سمجھ نہیں سکتا۔تم کیا کہہ رہی ہو؟۔۔۔اگر تم جیسا کہ تم کہتی ہو مجھ سے نفرت کرتی ہو اور میں۔۔۔جیسا کہ میں کہتا ہوں تم سے نفرت کرتا ہوں۔ تو ہم اور تم دونوں۔۔۔میرا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی نفرت کا تقاضا یہ نہیں ہے کیا کہ ہم دونوں سے میرا مطلب ہے۔ تم اور میں۔۔۔بہت جلد ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔۔۔

کہیں اور اپنا ساتھی ڈھونڈیں۔۔۔کسی دوسرے سے اپنی خوشی کا حق مانگیں۔۔۔؟کیا تم ایسا نہیں سمجھتی ہو؟"

"میں تو سمجھتی ہوں سب سمجھتی ہوں۔" بلبل غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی:
"مگر تم مرد ہو اس لیے احمق ہو۔ اس لئے تم کبھی عورت کے دل کو نہیں سمجھ سکتے!"

"مجھے سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ خاص کر تمہارے ایسی عورت کے ذریعے جو مجھ سے ایسی نفرت کرتی ہے۔"

شو آنند اس کے قریب اپنی کرسی کھسکاتے ہوئے بولا:
"تمہیں مجھے طلاق دینا ہو گی!"

"میں نہیں دوں گی"

بلبل زور سے چلائی۔

"تمہارا باپ بھی دے گا!"

شو آنند کو بھی غصہ آنے لگا۔

"میرے باپ کا نام مت لو۔۔ ورنہ۔۔۔؟"

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ۔۔۔یہ!۔۔۔یہ!"

بلبل نے شراب کا جام شو آنند کے منہ پر دے مارا۔ اور مارٹینی چھلک کر شو آنند کے چہرے پر بہنے لگی۔

اور شو آنند نے جھپٹ کر بلبل کو کلائی سے پکڑ لیا اور پھر جھٹک کر ایک ایسا طمانچہ اس کے منہ پر دیا کہ وہ چکرا کر صوفے سے لڑھک کر غالیچے پر گر پڑی' اور صوفہ الگ سے اوندھا ہو گیا۔

بلبل تڑپ کر بجلی کی طرح غالیچے سے اٹھی اور اس نے چیخ کر دونوں ہاتھوں سے شو آنند کے بال پکڑ کر نوچ لیے اور ناخنوں سے اس کے چہرے کو زخمی کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

تو شو آنند نے دونوں ہاتھوں سے اسے اٹھالیا' اور بستر پر دے مارا۔

اور وہ بستر سے تکیہ لے کر اٹھی اور اس نے تکیہ شو آنند کے سر پر دے مارا۔ اور سونے کا ایک سگریٹ کیس جو قریب میں تپائی پر پڑا تھا' اور لائیٹر' اور فلمی رسالے' اور

پھول دان اور پانی کا ایک جگ، اور گلاس، اور شراب کی بوتل، اور وہ سب کچھ جو اس کے ہاتھ میں آیا اٹھا کر وہ شو آنند پر پھینکتی گئی، اور غصے سے چلاتی گئی!

"ایک ہزار برس تک تم کو طلاق نہیں دوں گی۔ تیرے ایسے کمینے کتے کو ایک ہزار برس تک طلاق نہیں دوں گی۔!"

جہاں تک ہو سکا، شو آنند وار خالی دیتا رہا پھر وہ لپک کر آگے بڑھا۔ کیوں کہ اب بلبل غصے میں اس قدر بے قابو ہو چکی تھی کہ دیوار سے اپنا سر ٹکرانے والی تھی۔ اس لیے شو آنند نے لپک کر بلبل کو دونوں ہاتھوں سے جکڑ کر اپنی بانہوں میں کس لیا۔ اور تحکمانہ لہجے میں بولا:

"چپ ہو جاؤ۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔؟ کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟"

یکایک بلبل کا احتجاج کرتا ہوا، کسمساتا ہوا باغی جسم شو آنند کی بانہوں میں ڈھیلا پڑ گیا۔

بلبل کی آنکھوں میں آنسو ابھرنے لگے اور اس کے ہونٹ کانپنے لگے، اور یکایک اس کی آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں، اور آنسو اس کی بند آنکھوں سے رخساروں پر بہتے ہوئے اس کے کانپتے ہوئے ہونٹوں کے کونوں میں جمع ہونے لگے۔

اور یکایک شو آنند نے بلبل کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ نفرت کرنے والی لڑکی گرم لاوے کی طرح اس کی بانہوں میں پگھلتی جا رہی ہے۔ آنسوؤں کا نمک اور مارٹینی کی مٹھاس اور الکوحل کی تلخی اور ملائمت عورت کے بھیگتے ہوئے جسم کی لہر اور تندی مرد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے خون کی۔۔۔ چاروں طرف خون کی باڑھ آگئی تھی، اور اس باڑھ میں تنکوں کی طرح ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے وہ دونوں لرز رہے تھے۔

اور بلبل شکستہ سروں میں رک رک کر سسک سسک کر کہہ رہی تھی: "میرے شو!۔۔ میرے شو!۔۔۔ ارے! میں تمہیں کتنا چاہتی ہوں۔۔۔!!"

درپن اسٹوڈیو میں بلبل اور شو آنند کی شوٹنگ تھی۔ کیمرہ مین سریواستو شاٹ تیار کر رہا تھا، اور روشنیوں کو ادھر ادھر کھسکانے کے احکامات صادر کر رہا تھا۔

شو آنند سے ملنے کے لیے ایک پروڈیوسر اپنے فنانسر کے ہمراہ آگیا تھا' اس لیے شو آنند سیٹ کے ایک کونے میں کھڑا ہو کر ان سے بزنس کی کچھ بات کر رہا تھا۔

مشہور مسخرہ اداکار مقری بلبل کے قریب ایک کرسی پر جھکا ہوا اسے شادی کا پیغام دے رہا تھا:

"اگر تم مجھ سے شادی کر لو' تو یہ سودا تمہارے لیے بہت فائدے کا ہو گا!"

مقری نے اسے سمجھایا۔

"مثال کے طور پر؟"

بلبل نے اس سے پوچھا۔

"مثال کے طور پر ایک مسخرے اداکار سے شادی کرنے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ عورت اس کے ساتھ رہ کر ہر وقت ہنستی رہتی ہے! کامیڈین کے ساتھ زندگی قہقہوں کا ایک مجموعہ بن جاتی ہے!"

"مجھے ہر وقت ہنسنا پسند نہیں ہے۔"

بلبل بولی:

"پھر میں نے یہ بھی سنا ہے۔ جو لوگ پبلک لائف میں مسخرے ہوتے ہیں وہ پرائیویٹ لائف میں انتہائی بور ہوتے ہیں۔ لوگوں کو ہنساتے ہیں گھر والوں کو رلاتے ہیں!"

"مجھ سے شادی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے"

مقری اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بولا:

"کہ میرا قد بہت قاعدے کا ہے!"
"قاعدے کا ہے۔ کیا مطلب؟"
بلبل نے پوچھا۔
"مطلب یہ کہ شوہر کا قد ایسا ہونا چاہیے جو بیوی کے قابو میں آسکے۔ عام طور پر جو عورتیں احمق ہوتی ہیں' اور اکثر ایسی ہی ہوتی ہیں' وہ بالعموم لمبے چوڑے مردوں کو پسند کر کے ان سے شادی کر لیتی ہیں اور پھر دن رات ان سے جوتے کھاتی رہتی ہیں۔ لیکن مجھے دیکھو۔۔۔ ایسا عمدہ قد ہے میرا کہ بیوی اگر کسی دن مجھ سے خفا ہو کر مجھے طاقچے میں رکھ دے تو میں خود سے نیچے اتر بھی نہیں سکتا! ایمان سے تم ہی بتاؤ بلبل جی' ایسا شوہر تم کو کہیں مل سکتا ہے؟ جب جی چاہا اٹھا کر طاقچے پر رکھ دیا' جب جی چاہا اٹھا کر استعمال کر لیا!"
بلبل ہنس کر بولی:
"یہ تو تم ٹھیک کہتے ہو!"
"مجھ سے شادی کرنے کا ایک فائدہ اور بھی ہے۔ آخر ہمارے بچے بھی تو ہوں گے' اور بچوں کے لیے مسخرہ باپ ایک نعمت ہوتا ہے یہ تو آپ جانتی ہیں۔ اچھی طرح کہ بچے مجھ سے کس قدر خوش رہیں گے۔ وہ جب چاہیں میرے کندھے پر چڑھ سکتے ہیں۔ میرے ساتھ لوٹ لگا سکتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر مجھے ایک فٹ بال کی طرح استعمال کر سکتے ہیں یعنی باپ کا باپ اور فٹ بال کا فٹ بال!"
"مقری تم بے حد شریر ہو"
بلبل اسے انگلی دکھاتے ہوئے بولی:
"چپ ہو جاؤ اب!"
"مگر میں بے حد سنجیدہ ہوں"
مقری اس کی طرف اور بھی جھکتے ہوئے بولا:
"میرے ساتھ شادی کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ریلوے میں میرا ٹکٹ آدھا لگے گا' یعنی اگر تم چاہو تو مجھے اپنا بیٹا بھی بنا سکتی ہو' اور آج کل تو لیڈیز بیگ اتنے بڑے بڑے بننے لگے ہیں کہ تم باآسانی مجھے ایک بیگ میں ڈال کر سفر کر سکتی ہو۔ اس سے آدھا ٹکٹ بھی نہیں دینا پڑے گا۔ ذرا سوچو تو' میرے ایسے شوہر کو حاصل کر کے تمہیں کتنی بچت

ہو گی؟ اگر کوئی دوسری عورت ہوتی تو میں اس سے شادی کرنے کے دو لاکھ روپے کمیشن میں لیتا۔ مگر چلو تمہاری حالت پر رحم آتا ہے میں تم سے مفت ہی شادی کر لوں گا!"

"اور تو سب ٹھیک ہے"

بلبل ہنس کر بولی:

"تم مسخرے بہت عمدہ ہو' شوہر بھی بہت فرماں بردار ثابت ہو گے' کھانا بھی آدھا کھاؤ گے' ٹکٹ بھی آدھا لگے گا۔ غرض کہ ہر طرح سے مجھے فائدہ ہو گا' مگر یہ بتاؤ گھر پر تمہارا مصرف کیا ہو گا؟"

"گھر پر ----؟"

مقری سوچتے ہوئے بولا:

"گھر پر تم ایک سو ایک طریقے سے مجھ سے کام لے سکتی ہو۔ مجھے تولیے میں باندھا' بغل میں ڈنڈا تھمایا' اور رولر کی طرح استعمال کر کے سارے گھر کو صاف کر لیا کبھی مجھے نہلا دھلا کر اچھے کپڑے پہنا کے شیلف پر کھڑا کر دیا' ایک کھلونے کی طرح۔ جناب ایک دفعہ تو میری بیوی نے کمال کر دیا---

گھر میں کوئی بہت بڑی دعوت تھی' اور میری بیوی اپنی سہیلیوں کو وہ مشہور و معروف جاپانی گل دان دکھانے والی تھی جو چند روز ہوئے میں جاپانی آرٹ کی نمائش سے خرید کے لایا تھا بد قسمتی سے وہ گل دان دعوت کے روز مجھ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ میری بیوی پہلے تو خوب روئی پھر خوب ہنسی۔

پھر اس نے مجھے چڈی پہنا کے ایک تپائی پر کھڑا کر دیا اور میرے سر پر ایک باؤل میں پھول سجا دیئے۔ اور جب گھر میں مہمان آ گئے تو میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگی:

"یہ وہ گل دان ہے جو میرے شوہر جاپانی آرٹ کی نمائش سے لائے ہیں!"

اس پر ان کی ایک سہیلی نے پوچھا:

اور تمہارے شوہر کہاں ہیں؟"

وہ نیک بخت بولی:

اسی گل دان کے اندر ہیں!"

"بھگوان کے لیے اس مذاق کو بند کرو!"

بلبل ہنستے ہوئے بولی:

"ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گی!"
"یہ مذاق نہیں ہے، میں بالکل سنجیدہ ہوں!"
مقری اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔
"اچھا، یہ بتاؤ"
بلبل بولی:
"ابھی تم نے کہا کہ تمہاری بیوی نے ایک روز تمہیں گل دان کی طرح استعمال کر لیا۔ تو جب تمہاری شادی ہو چکی ہے تو تم مجھ سے شادی کیسے کر سکتے ہو؟"
"ارے!"
مقری پچھتانے کے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اپنی ران پر مار کر بولا:
"یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ میں شادی کر چکا ہوں اور مجھے اپنی بیوی سے محبت ہے!"

دن بھر شوٹنگ بڑے مزے میں دھیرے دھیرے ہوتی رہی، اور بلبل مقری کی دلچسپ باتوں اور حرکتوں سے محظوظ ہوتی رہی۔

آج کی شوٹنگ میں شو آنند کا کام زیادہ تھا اور بلبل کا کام کم تھا، اس لئے وہ بڑے مزے میں ایک آرام دہ کرسی پر نیم دراز ادھر ادھر سیٹ کے لوگوں سے باتیں کرتی رہی۔ کبھی کبھی وہ اور شو آنند سب سے نظریں چرا کر ایک دوسرے کو ایسی گہری نگاہوں سے دیکھ لیتے تھے جو انتہائی ذاتی اور پرائیویٹ تھیں اور کسی غیر کے لیے وقف نہ ہو سکتی تھیں۔ ان نگاہوں کا کچھ ایسا مزہ تھا جیسے چوری سے مصری کی ڈلی سب کی نگاہوں سے چھپا کر زبان پر رکھ لی جائے کچھ اس طرح سے وہ نگاہیں دل ہی دل میں گھل جاتی تھیں۔ یہ بے حد ڈھکی چھپی رازدار نگاہیں تھیں، کیوں کہ ابھی تک شو آنند اور بلبل کی شادی کا معاملہ الجھا ہوا تھا۔ اس لئے شدید راز میں رکھا گیا تھا۔ اور انڈسٹری میں ہر کسی کی نگاہوں سے اوجھل اور خفیہ تھا۔

سہ پہر کے قریب بلبل کو ایک چپراسی نے ایک کارڈ لا کے دیا۔
کارڈ پر لکھا تھا:
"پرکاش رندھاوا"

بلبل دھک سے رہ گئی۔
پرکاش رندھاوا اس کا پہلا منگیتر تھا۔ کتنے برس ہو گئے تھے اس سے ملے ہوئے اس کی منگنی توڑ کر اس کی خواہشوں کے خلاف بلبل اس انڈسٹری میں آئی تھی۔ کامیابی نے اس کے قدم چومے تھے۔ اب وہ ایک متمول اور باکمال اداکارہ تھی اور سارے ملک میں اس کے حسن کے چرچے تھے۔ اس کے کمال فن کے شہرے تھے' اور وہ بلندیوں کی طرف پرواز کر رہی تھی۔
ایسے میں پرکاش رندھاوا تم مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟
کیا اپنی باتوں سے تائب ہو چکے ہو؟
کیا تم نے جان لیا ہے کہ تم نے غلطی کی؟
کیا میری محبت تمہارے دل سے نہیں نکلی؟ جو سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے بھاکڑا ننگل ڈیم پر اپنے کام کو چھوڑ کر میرے اسٹوڈیو کے باہر دستک دے رہے ہو؟
کیا ابھی تک تمہیں میرا انتظار ہے؟ پہلے تو حیرت' پھر کچھ عجیب سی خوشی ہوئی بلبل کو یہ کارڈ دیکھ کر۔ اور اس نے چند لمحوں کے سکوت کے بعد چپراسی سے کہا:
"ان کو اندر بلالاؤ!"
اور خود عجیب و غریب خیالوں میں کھو گئی۔
اس نے پرکاش رندھاوا سے گو محبت نہیں کی تھی' لیکن اسے پسند ضرور کیا تھا۔ وہ ایک محنتی' جفاکش' ایمان دار اپنے اصولوں کا پکا' اپنے کام میں رچا بسا ہوا انسان تھا۔ پرکاش رندھاوا کے لیے اس کے دل میں ایک خاص طرح کی عزت تھی۔ اگر عشق ایک جذبہ نہ ہوتا۔۔۔ ایک سفر ہوتا تو ممکن ہے زندگی کے کسی مقام پر پہنچ کر وہ کسی ایسے ٹھوس باوقار' سنجیدہ آدمی سے عشق بھی کر لیتی۔ مگر زندگی کی اس منزل میں تو یہ ناممکن تھا۔ جب خون گرم ہو' اور دماغ میں بھاپ سی اٹھتی معلوم ہو تو ایسے آدمی اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ یعنی اچھے تو معلوم ہوتے ہیں مگر پیارے نہیں معلوم ہوتے۔ ان کے قدموں پر سر تو رکھا جا سکتا ہے' انہیں اپنے ہونٹ نہیں دیئے جا سکتے!
مگر یہ پرکاش رندھاوا یہاں بمبئی میں کیا کر رہا تھا؟
اور اس سے ملنے کیوں آ گیا تھا یہاں؟

یونہی اسے دیکھنے کے لیے' یا پھر اپنی قسمت آزمانے کے لیے؟ پھر سے بلبل کی محبت مانگنے کے لیے؟

بلبل نے جلدی جلدی میک اپ مین کو بلوا کے آئینہ دیکھا' اپنا میک اپ درست کیا' بالوں کو ٹھیک کیا' لباس تو اس کا تھا ہی شہزادی کا سا اور وہ اس وقت بہت جچ رہی تھی خود اپنی نگاہوں میں۔

پس وہ سب ٹھیک ٹھاک ہو کے بڑے قاعدے اور سلیقے سے اپنی کرسی پر پوز لے کر بیٹھ گئی اور پرکاش کا انتظار کرنے لگی۔

چند لمحوں کے بعد پرکاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اور اپنی بیوی کا اس سے تعارف کرا رہا تھا:

"یہ راجیشوری ہے' میری بیوی!"

راجیشوری نے بلبل کی طرف دیکھ کر بڑی زور سے سانس کھینچی چند لمحے حیرت میں ڈوبی ہوئی رہ گئی۔ پھر آگے بڑھ کر بلبل سے لپٹ کر بولی:

ہائے' تم تو بہت خوب صورت ہو؟ جتنا یہ بتاتے تھے اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہو!"

راجیشوری کی آواز میں ایک عجیب میٹھا سا دھیما پن تھا۔ ایک عجیب سی سرگوشی جس کی وجہ سے اس کی ہر بات ایک راز معلوم ہوتی تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور ہر دم گویا حیرت سے کھلی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے زندگی کی ہر بات ایک راز ہو۔ اور وہ آنکھیں ہر راز کو دیکھ کر حیرت سے نکل جائیں۔

اس کے گلابی ہونٹوں کے تبسم میں ایک عجیب سا بھروسہ تھا' ہر ایک پر بھروسہ' اپنے خاوند پر بھروسہ' اپنے ماں باپ پر بھروسہ' اپنے دوستوں پر بھروسہ' ہر راہ چلتے پر بھروسہ' گزرنے والے اور آنے والے ہر لمحے پر بھروسہ۔

ایسا الہڑ' معصوم یقین کرنے والا وہ تبسم تھا: اور بالکل فطری تھا' اور راجیشوری کے دل کے اندر سے ابھرتا تھا۔ ورنہ یہ تبسم مصنوعی بھی ہوتا ہے' اور ہونٹوں پر چپکایا بھی جا سکتا ہے اور تہذیب کے بازار میں بکتا بھی ہے۔ مگر یہ تبسم بالکل اصلی تھا اور خود رو۔ اور راجیشوری کی روح کی طرح شفاف تھا۔

اس بھروسے والے تبسم کو دیکھ کر ہی ایک لمحے میں بلبل کو معلوم ہو گیا کہ اس عورت کو اپنے مکمل بھروسے کی بنا پر ہی وہ مکمل خوشی حاصل ہے جسے حاصل کرنے کی خاطر سہاگنیں سات جنم تک ایک ہی مرد سے شادی کی آرزو کیا کرتی ہیں۔

مگر اس خوشی اور سرمستی کا کارن کوئی دوسرا نہ تھا، خود اس کی اپنی ذات تھی۔ راجشوری خود اپنے بھروسے، اپنی وفا، اپنی معصومیت میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی دوسرے کی معصیت حتیٰ کہ خود اس کے شوہر کی معصیت اس پر اثر نہیں کر سکتی تھی۔

وہ پہلے تو دونوں بانہوں سے بلبل کے ساتھ لپٹ گئی۔ پھر ایک بازو اس نے الگ کر کے اسے پرکاش کے شانے پر رکھا، اور اسے اپنے قریب گھسیٹتے ہوئے جوش سے بولی:

"تم نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا کہ بلبل اتنی اتنی   اتنی خوب صورت ہے۔ ہیں رے؟"

پرکاش ہنسا بلبل سے کہنے لگا:

"یہ بڑی جھلی ہے!"

"ہاں، میں تو جھلی، (پگلی) ہوں اور مجھ کو تو بلبل بھی کچھ کچھ جھلی دکھائی دیتی ہے۔ اور ہم دونوں سے بڑھ کر میری منی جھلی ہے!"

"منی۔۔؟"

بلبل نے حیرت سے پوچھا۔

"تم نے میری منی کا انٹروڈکشن نہیں کرایا۔ ہیں رے؟"

اور پھر راجشوری، بلبل اور پرکاش دونوں کو چھوڑ کر اپنی آیا کی طرف چلی گئی جو ان سب کے پیچھے الگ تھلگ کھڑی تھی۔ اس نے آیا کی گود سے اپنی بیٹی لے لی، اور اسے بلبل کے سامنے لاتے ہوئے بولی۔۔۔

"یہ ہے میری گوگلی!"

پھولے پھولے گالوں والی، بٹن سی ناک والی، پتلے پتلے ہونٹوں والی، کالے گھونگھریالے بالوں والی پیاری سی بچی تھی۔ سچ مچ گوگلی گل گوتھلی نظر آتی تھی۔

اسے لینے کے لیے بلبل نے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے، اور بچی ہمک کر اس کی بانہوں میں آگئی، اور اس کے گلے کے گلوبند سے کھیلنے لگی۔

اسے اپنے سینے سے لگا کے بلبل کو ایک عجیب سا آرام محسوس ہوا، جیسے اس کی رگ رگ نس نس میں شہد گھل گیا ہو!

چند لمحوں کے لیے اس نے اس موم کی گڑیا کو اپنے سینے سے چپٹا کے اپنی آنکھیں بند رکھیں۔ پھر آنکھیں کھول کر کسی قدر شکایت آمیز لہجے میں پرکاش سے مخاطب ہوئی:

"اتنی اچھی بیوی پاکر تم نے ایک خط بھی نہیں لکھا۔ شادی میں بلایا تک نہیں؟"

پرکاش مسکرایا۔ لیکن اس کے ہونٹ کھلے نہیں' بھینچے رہے' اس میٹھی سنجیدہ مسکراہٹ میں بھی کہیں پر تلخی کی ایک ہلکی سی لکیر تھی' جیسے بہت سے غم پی کر کسی نے ایک چھوٹی سی خوشی کا آسرا لے لیا ہو' اور اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کر لیے ہوں۔

مگر اب وہ بھی خوش نظر آرہا تھا۔ اس کے کنپٹیوں کے بال وقت سے بہت پہلے سفید ہو چلے تھے' مگر اس کے جوان چہرے کو وقار اور سنجیدگی عطا کرتے تھے۔ پرکاش پہلے سے بھی زیادہ گمبھیر اور باوقار معلوم ہوتا تھا اور سمجھ دار بھی' اور کچھ درگزر کر دینے والا بھی' اور اپنی زندگی اور اپنے کام سے مطمئن اور خوش اور مسرور۔

اور اسے یونہی اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ خوش اور مسرور دیکھ کر بلبل کو خوشی بھی ہوئی اور عجیب سی چوٹ بھی پہنچی۔ اور وہ جذبات اور احساسات کے اس دوراہے پر ایک عجیب گومگو اور تذبذب کی حالت میں کھڑی کی کھڑی ان سے باتیں کرتی رہی۔ اور چند لمحوں کے اس کرب اور درد اور چوٹ کی حالت میں یہ بھی بھول گئی کہ وہ ان سے کیا باتیں کرتی رہی تھی۔

پھر اس نے جلدی جلدی سے ان لوگوں کے بیٹھنے کے لیے مزید کرسیاں منگائیں۔

سہ پہر گزر رہی تھی' چائے کا وقت ہو رہا تھا۔ بلبل نے گاڑی بھیج کر شمراک ریستوران سے عمدہ چائے اور پیسٹری منگائی۔ اور بنارسی مٹھائی والے رام بھجن کی دکان سے امرتیاں اور باریک دانے کے موتی چور کے لڈو اور ورقی سموسے اور دال موٹ گھی والا منگوایا خوب اچھی طرح سے ان کی خاطر تواضع کی اور عمدہ عمدہ باتیں کیں۔

حالانکہ اب وہ پرکاش اور راجشوری اور گوگلی کی مثلث کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں کڑھتی جارہی تھی۔ اور جوں جوں وہ ان کی باہمی خوشی دیکھتی اندر ہی اندر ایک عجیب اداسی سے اس کا دل بیٹھتا جارہا تھا۔

پرکاش کی تنخواہ صرف ساڑھے سات سو روپیہ تھی۔ اتنے روپے تو وہ ایک رات کی پارٹی میں پھونک دیتی تھی۔

راجیشوری، اس کی بیوی نے ایک سو پچیس یا زیادہ سے زیادہ ایک سو پچاس کنجی ورم کی ساڑی پہن رکھی تھی، اور ظاہر ہے یہاں وہ دکھانے کے لیے ایک اچھی سی ساڑی پہن کر آئی ہوگی۔ وہ چاہے تو دن رات اپنی آیا کو اس سے بہتر ساڑھیاں پہنادے۔
پرکاش نے اسے بتایا تھا کہ بھاکڑا ننگل میں اس کے پاس چار کمرے کا ایک معمولی سا کاٹیج ہے۔
مگر ان میں سے کون سی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے اس کا دل اندر ہی اندر پچھتائے جارہا ہے۔ اور اسے اپنی مسکراہٹ کو باقی رکھنا مشکل معلوم ہو رہا ہے؟
آخر اسے کیا ہو رہا ہے؟
باتیں کرتے کرتے مسکراتے ہوئے چند لمحوں کے لیے بلبل کے دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہیں یہ لوگ میرے لہجے کے تصنع کو پہچان تو نہیں گئے ہیں۔ اگر انہوں نے میرے ہونٹوں سے میری مسکراہٹ کو اتار کر اندر سے میرا چہرہ دیکھ لیا تو پھر کیا ہوگا؟
وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔ مگر پھر چند لمحوں کے بعد اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔
سامنے سے شو آنند چلا آرہا تھا۔ اس کا شاٹ ختم ہو چکا تھا، اور اب وہ چائے پینے کے لیے بلبل کی کرسی کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا وہ اس وقت ایک ریاستی ولی عہد کے لباس میں تھا۔ کانوں میں ہیرے کے بندے، کھلے کالر والی ہلکی نیلی قمیص اور گہرے رنگ کی بھوری کارڈرائے مخمل کی جودھ پور، ہاتھ میں چابک لیے شو آنند کتنا وجیہہ اور خوب صورت لگتا ہے؟
ایک دم بلبل کا چہرہ خوشی سے روشن ہو گیا۔
وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی، اور جب شو آنند اس کے بالکل قریب آگیا، تو اس نے شو آنند کا ہاتھ پکڑ کر ان الفاظ میں اس کا تعارف کرایا:
"یہ شو آنند ہیں، میرے پتی!"
"تمہارے پتی"
راجشوری زور سے چیخی۔
بہت سے لوگ مڑ کر دیکھنے لگے،
شو آنند کے ہاتھ سے چابک گر گئی تھی۔
"ہاں، ہاں یہ میرے پتی ہیں!"

"مگر تمہاری شادی کب ہوئی؟ اخباروں میں تو پڑھا نہیں!"
پر کاش نے دھیرے سے پوچھا۔ بہت ہی آہستہ آہستہ سے: جیسے اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کانپنا چاہتے ہوں اور وہ انہیں دھیرے دھیرے سنبھال رہا ہو۔
بلبل کو اس کا فق چہرہ دیکھ کر بہت مزہ آرہا تھا۔
"شادی ہوئے دو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔"
بلبل بولی:
"اخباروں میں اس لیے خبر نہیں دی کہ ڈھنڈورا پیٹنے سے کیا حاصل؟"
"تو۔۔۔تو۔۔۔تو۔۔۔یہ آپ کی بیوی ہیں؟"
پر کاش رندھاوا نے عجیب گڑبڑاتے ہوئے لہجے میں شو آنند سے پوچھا کر اس کی بیوی راجشوری کو بے اختیار ہنسی آگئی' چہک کر بولی:
"ڈارلنگ! تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو؟ جب بلبل کہتی ہے کہ شو آنند اس کے پتی ہیں تو بلبل تو خود بخود ان کی بیوی ہو گئیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم میرے شوہر تو ہو' لیکن میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"
شو آنند نے سب کے سامنے بلبل کی کمر پر ہاتھ رکھا' اور مسکرا کر بولا:
"جی' آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔ ہم دونوں میاں بیوی ہیں' جیسے دنیا میں ہزاروں لاکھوں دوسرے میاں بیوی ہوتے ہیں۔ ایسے ہم بھی ہیں۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟"
مگر یہ بات تھی بڑے تعجب کی' کیوں کہ آج تک اسٹوڈیو میں کسی نے نہیں سنی تھی۔ اس لیے جب یہ بات پہلی بار سیٹ پر سنی گئی تو ایک دم شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح سارے اسٹوڈیو میں گھومنے لگی'
"شو آنند اور بلبل کی شادی ہو چکی ہے۔ دونوں میاں بیوی ہیں' دونوں میاں بیوی ہیں!"
اتفاق سے اسی وقت سیٹ پر ایک پریس فوٹوگرافر بھی موجود تھا۔ اس نے کھٹاک دو تین چار بار فلیش جلا کر شو آنند اور بلبل کی فوٹو لے لی۔
دوسرے دن مشہور فلمی ہفت روزہ "اروشی" کے پہلے صفحے پر جلی حرفوں میں یہ سرخی چھپ گئی:
"مشہور فلم اسٹار بلبل کی سلور جوبلی فلم اسٹار شو آنند سے خفیہ شادی!"

جنک رائے نے گھبرا کر پوچھا:
"بیٹی' یہ تو نے کیا کر دیا؟"
شاردا بولی:
"جی' اعلان کرنے سے پہلے مجھ سے صلاح تو لی ہوتی!"
بلبل کھانے کی میز سے ایک خلال اٹھا کر چباتے ہوئے بولی:
"میں کیا کرتی' مجھے غصہ آ گیا تھا۔ وہ پرکاش رندھاوا اور اس کی بیوی اور بچی کو دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا۔ میں اس کے منہ پر طمانچہ مارنا چاہتی تھی' اور طمانچہ مارنے کا اس سے بہتر طریقہ اور کوئی نہیں تھا"
"صرف اس کو طمانچہ مارنے کے لیے تم اپنا کیریئر برباد کر سکتی ہو؟ نہیں۔ نہیں۔ میری بیٹی اتنی بے وقوف نہیں ہے۔"
جنک رائے کے سامنے ریفریجریٹر میں لگے ہوئے آم برف کی طرح ٹھنڈے اور سنہرے الفانزو آم پلیٹ میں رکھے ہوئے آ گئے تھے۔ اس نے اٹھا کر دو آم اپنی پلیٹ میں رکھ لیے اور آموں کی پلیٹ آگے اپنی بیٹی کی طرف بڑھا دی۔ پھر ایک آم کو چاقو سے کاٹتے ہوئے بولا۔
"آج ہی پریس میں تمہارا بیان جانا چاہیے کہ شادی کی خبر غلط ہے!"
"میں کوئی ایسا بیان نہیں دونگی!"
بلبل بڑی سختی سے بولی۔
"تو میں دے دوں گا۔"
اس کے باپ نے کہا۔

"تو میں تردید کر دوں گی!"
بلبل بھڑک کر بولی۔
"تم میری بیٹی ہو کر اپنے باپ کے بیان کی تردید کرو گی؟"
جنک رائے کا چاقو آم کے گودے میں گڑے کا گڑا رہ گیا۔
"کیا تمہیں اپنے ماں باپ سے محبت نہیں رہی؟"
شاردا نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو تکتے ہوئے پوچھا۔
"ممی' مجھے تم سے اور ڈیڈی سے دونوں سے محبت ہے۔"
بلبل اپنی ماں کو سمجھاتے ہوئے بولی:
"مگر اب میں بچی نہیں رہی۔ اب میں ایک عورت ہوں۔ مجھے ---- مجھے بھی اپنی زندگی کی ضرورت ہے۔ زندگی جسے میں اپنے طریقے سے بسر کر سکوں!"
"تمہاری کون سی ایسی ضرورت ہے جو یہاں اس گھر میں پوری نہیں ہوتی؟ تمہارے لیے ایک بڑی گاڑی ہے' ایک چھوٹی ---- تمہارے لیے الگ سے تین نوکرانیاں ہیں۔ گھر میں تین کمرے کا اپارٹمنٹ تمہارے لیے الگ وقف کر دیا گیا ہے۔ ہر ہفتے ایک ہیئر ڈریسر آتی ہے ایک ڈاکٹر آتا ہے' ایک مالش کرنے والی آتی ہے' ایک ناچ سکھانے والا آتا ہے۔ کل ہی آسٹریلیا سے تمہارے لیے دو کتے منگائے ہیں۔ تمہاری کون سی ایسی خواہش ہے جو اس گھر میں پوری نہیں کی جاتی؟ بولو نا میری بیٹی؟"
"بتاؤ نا میری بچی؟"
شاردا اور جنک رائے دونوں اپنی کرسیوں پر جھکتے ہوئے بیچ کی کرسی پر بیٹھی ہوئی بلبل سے پوچھ رہے تھے!
بلبل نے پوچھا
"تو کیا آپ اس بات سے انکار کر سکتے ہو کہ میری اور شو آنند کی شادی نہیں ہوئی؟"
"انکار کرنے کا کیا سوال ہے؟"
جنک رائے نے پوچھا۔
"مسئلہ تو اس شادی کو خفیہ رکھنے کا ہے' تاکہ تمہارا کیریئر چوپٹ نہ ہو جائے۔ تمہیں اچھی طرح سے معلوم ہے کہ اگر شادی کی خبر کی تردید نہ ہوئی تو تمہاری مارکیٹ ایک دم

ختم ہو جائے گی، اور وہ لاکھوں فلم دیکھنے والے جو تمہیں اب تک غیر شادی شدہ سمجھ کر دل ہی دل میں تم سے محبت کرتے رہتے ہیں، اب تمہارے اور اپنے درمیان ایک اونچی دیوار کھڑی دیکھیں گے، ان کی ساری دلچسپی تم میں ختم ہو جائے گی!"

"ہو جائے!"

بلبل جھلا کر بولی:

"میں بڑے آرام سے اپنے شوہر کے ساتھ رہوں گی، مجھے فلم میں کام کرنا ہی نہیں ہے اب تو!"

بلبل کے اس بیان سے جیسے کھانے کی میز پر بم پھٹ گیا۔۔

دونوں، ماں باپ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھنے لگے، اور چند لمحوں تک کوئی کچھ نہیں بولا۔

پھر جنک رائے نے آہستہ سے پوچھا:

"مگر تم تو شو آنند سے نفرت کرتی تھیں؟"

"اب نہیں کرتی"

"پریم کرتی ہو؟"

"ہاں!"

"اس کے ساتھ رہو گی؟"

"ہاں!"

"ہمارے ساتھ نہیں رہو گی؟"

"آج تک شادی کر کے کون سی لڑکی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہی ہے؟"

"کیا ہماری محبت کا یہی پھل ہے؟"

جنک رائے نے پوچھا۔

"کیا اسی دن کے لیے تجھے جنا تھا۔ دودھ پلایا تھا، تیرے پوتڑے دھوئے تھے۔ کیا معلوم تھا کہ میری اپنی ہی بچی ایسی کوری اور نرلج نکلے گی!"

شاردا اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگی۔

"کنول اور کوشی کا کیا ہو گا جنہیں میں نے انگلینڈ پڑھنے کے لیے بھیج دیا ہے؟"

"وہ واپس بلائے جا سکتے ہیں!"

بلبل کسی قدر تلخی سے بولی:

"آخر لاکھوں ہندوستانی ماؤں کے بچے ہندوستانی اسکولوں ہی میں پڑھتے ہیں!"
"میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"
شاردا سسکتے ہوئے بولی:
"دو ہزار روپے ماہانہ کرایہ میں نہیں دے سکتی!"
"آپ کا فیصلہ بالکل درست ہے!"
بلبل نے کہا۔
"میں اپنی گاڑی بھی بیچ دوں گی!"
شاردا چیخ کر بولی۔
بلبل چپ رہی۔
"میں واپس لدھیانے چلی جاؤں گی!"
شاردا نے دھمکی دی۔
بلبل پھر چپ رہی۔
جنک رہئے نے لہجہ بدل کر نہایت نرمی سے کہا:
"اگر تم مجھے صرف پانچ سال کی مہلت اور دے دو اور اسی طرح رہو میرے پاس جس طرح اب تک ایک بیٹی کی طرح رہتی آئی ہو' تو سب ٹھیک ہو جائے گا!"
"تو پھر کیا ہو گا؟"
بلبل نے پوچھا۔
"تو پھر میں وہ شوگر مل خرید لوں گا جس کے حصے میں آہستہ آہستہ گزشتہ تین سال سے خریدتا آیا ہوں!"
چند لمحوں کے لیے بلبل بالکل بھونچکی رہ گئی۔ خون اس کے رخساروں سے بالکل غائب ہو گیا' اور چند لمحوں کے لیے بالکل پیلی پڑ گئی۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے دل میں کسی نے زور سے گھونسا مار دیا ہو۔
پھر خون بڑی تیزی سے اس کے رخساروں میں لوٹ آیا اور اسے اپنے رخسار' اپنا چہرہ' اپنے ہونٹ جلتے ہوئے محسوس ہوئے ایک عجیب سی شرم سے' جیسے وہ عورت نہ ہو' کسی باپ کی بیٹی نہ ہو' کسی ماں کی بچی نہ ہو' نوٹ پیدا کرنے کی ایک مشین ہو!

کہاں گیا وہ نرم و نازک سا معصوم جذبہ، جس نے آج تک اسے اپنے ماں باپ سے باندھ رکھا تھا؟

یہ اس کے سامنے جو بیٹھے تھے، کیا یہ واقعی اس کے ماں باپ تھے؟ یا اپنی بڑھتی ہوئی خواہشوں کے جال میں گرفتار کبوتر تھے؟ یہ ماں باپ تھے کہ گدھ تھے؟

کچھ ایسا لگا جیسے جنک رائے کی ناک ٹیڑھی ہو کر ایک تیز چونچ بن گئی، اور شاردا کے خوب صورت دانت لمبے ہو کر ہونٹوں سے باہر نکل آئے۔ اور بلبل کو لگا جیسے جنک رائے نے اپنی تیز چونچ سے بلبل کے گوشت کو ٹھونگا، اور نوچ نوچ کے کھانا شروع کر دیا۔ اور شاردا کے تیز دانت اس کی گردن میں گڑ گئے۔

اور بلبل کی سانس تیز تیز چلنے لگی، اور اسے محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کے آم کے اندر کوئی تیز تیز چاقو چلا رہا ہے اور اسے کاٹ کاٹ کے پھینک رہا ہے۔

تین سال میں نے پہلے دیئے، اب پانچ سال اور دوں؟ گویا اپنی جوانی کے آٹھ سال اس لیے دے دوں کہ میرا باپ میری جوانی کو بیچ کر اپنے لیے ایک شوگر مل کھڑی کر لے!

کتنی بڑی تذلیل ہے کتنے بڑے جذبے کی!

میں پیدا ہوئی، اور پالی گئی۔ باپ نے بیج دیا اور ماں نے کوکھ میں رکھا۔ ایک نے دودھ دیا، دوسرے نے کندھے پر اٹھایا۔ میں نازوں کی طرح پالی گئی اور پھولوں کی طرح سنواری گئی۔ ماں نے لوریاں گائیں اور باپ نے ایک قابل عزت داماد کے ہاتھوں میں سونپ دینے کے خواب دیکھے۔ پستول لے کر میری عزت کی حفاظت کی کیا اس دن کے لیے کہ باپ میرے حسن کو اپنی تجوری میں قید کرے اور ماں مجھے اپنے شوہر کے پاس جانے سے روکے!

شاید اب میں کسی کی بیٹی نہیں رہی۔ شاید اب میں ایک پراجیکٹ ہوں، ایک انڈسٹریل گراف ہوں، ایک پنج سالہ یوجنا ہوں!

مگر جواب میں بلبل نے صرف اتنا کہا۔

"اگر آپ ساری مل نہ خرید سکیں، تو کیا ہرج ہے، آدھی سہی!"

"آدھی خریدنے میں وہ بات پیدا نہیں ہوتی۔ مل سے بہترین فائدہ اٹھانے کی ایک ہی صورت ہے۔ پوری مل خرید لی جائے!"

اور اگر میں پیدا نہ ہوتی تو آپ مل کہاں سے خریدتے؟"
بلبل نے اتنا کہا اور چاقو سے اپنے آم کو کاٹ کے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔
پانچ سال تک میں اپنے حسن کو گروی رکھ دوں' اپنی جوانی کا پٹہ لکھ دوں۔ اپنی زندگی کو ہبہ کر دوں' ایک شوگر مل کے لیے!
بلبل نے آم کے دو ٹکڑوں کو کاٹ کے چار ٹکڑے کر دیئے!
"میں ایسا کچھ نہیں کروں گی۔ میں آج ہی اپنے شوہر شو آنند کے پاس چلی جاؤں گی!"
اس نے چاقو کا پھل زور سے آم کی گٹھلی میں گھسا دیا۔ اور کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔
اس کے باپ نے اسے کلائی سے پکڑ لیا' اور طیش کھا کر بولا:
"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ اسی گھر میں رہو گی!"
"دیکھتی ہوں' کون روکتا ہے مجھے اس گھر سے باہر جانے پر!"
بلبل نے گرج کر کہا۔ اور اپنی کلائی چھڑا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔
تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے کے اندر جا کر اس نے جلدی جلدی ایک چھوٹے سے سوٹ کیس میں چند کپڑے ڈالے۔ جلدی سے سوٹ کیس بند کیا' اور سوٹ کیس جھلاتی ہوئی کمرے سے باہر آئی کمرے کے باہر اس کا باپ پستول لیے کھڑا تھا۔
"ایک قدم آگے بڑھاؤ گی تو شوٹ کر دی جاؤ گی!"
بلبل زور سے ہنسی۔ اس کی ہنسی بڑی زہرناک تھی!
" پپا' تم لدھیانے میں بڑے اچھے تھے۔ یہاں آ کر تم کتنے بیوقوف ہو گئے ہو۔ پپا تم لدھیانے چلے جاؤ۔ اسی چھوٹے سے گھر میں' اسی چھوٹی سی گاڑی میں۔ اسی چھوٹی سی جرابوں کی فیکٹری پر قناعت کر لو پپا' سچ کہتی ہوں۔ تم کتنے اچھے تھے کبھی۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم مجھے مارنا چاہتے ہو۔ لو میں تمہارے قریب آ گئی۔ تمہارے قریب آ گئی۔ مارو مجھے گولی۔۔ کر دو مجھے شوٹ!" بلبل یہ کہتے کہتے اپنے باپ کے بالکل قریب چلی گئی!
"باؤلے ہوئے ہو!"
شاردا نے آگے بڑھ کر پستول جنک رائے کے ہاتھ سے چھین لیا!
بابل اپنے باپ کے سینے سے لپٹ گئی اور رونے لگی! پھر شاردا بھی اپنی بیٹی سے لپٹ کر رونے لگی۔

نہ جانے کیا ہوا، جنک رائے کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اور وہ اپنی بیوی اور اپنی بیٹی دونوں کو اپنی چھاتی سے لگائے زور زور سے رونے لگا۔

اور بلبل کو اس وقت اپنے باپ کا رونا بہت اچھا لگا۔ وہ بوڑھی بھی ہو جائے گی جب بھی اس لمحے کو یاد رکھے گی۔ جب محبت زور پا کر چاندی کی چھلنی سے ابھری تھی۔ اور پھوار بن کر باپ بیٹی کے دلوں پر برس گئی تھی۔

شاردا کبھی بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتی تھی، کبھی اپنے خاوند کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتی تھی:

"بھلا کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ اب رو نہیں ہنسی خوشی اپنی بیٹی کو وداع کرو!"

سیٹھ جنک رائے چمپا کے بستر پر آدھے گھنٹے تک ایک عجیب بے چینی اور کرب کے عالم میں تلملاتا رہا۔ وہ کچھ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے کسی نے اس کی آنتوں میں سیمنٹ بھر دی ہو، یا اس کے پھیپھڑوں سے ساری ہوا نکال دی ہو۔

چمپا کو اس کی حالت دیکھ کر بڑا ترس آیا، بولی:

"میٹھی چاپی کرتی ہوں، شاید نیند آ جائے گی!"

آدھے گھنٹے کے بعد سیٹھ جنک رائے گھبرا کر بولا:

"نیند کیوں نہیں آتی؟ درد سے میرا سر پھٹا جا رہا ہے، مگر نیند نہیں آتی، بالکل نہیں آتی، کسی طرح نہیں آتی، کل رات سے نہیں سویا!"

"سیٹھ، سر میں تیل دباتی ہوں۔"

چمپا شہد سے بھی میٹھے لہجے میں بولی:

"ضرور نیند آ جائے گی!"

مگر آدھے گھنٹے کے بعد سیٹھ پھر چلانے لگا:

"چمپا، نیند نہیں آ رہی، کسی طرح سے نہیں آ رہی۔ دس سلیپنگ پلز کھا چکا ہوں، مگر آنکھوں میں نیند نہیں ہے، کچھ کرو!"

"اچھا، کچھ کرتی ہوں!"

چمپا نے سنجیدہ اور فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

پھر وہ چاندی کی ایک چھوٹی سی کٹوری میں زیتون کا تیل لائی۔ روئی کے دو تین پھاہے لائی' ایک نمملی لائی' ایک تولیہ لائی' اور یہ سارا سامان ایک تپائی پر رکھ کر بولی۔

"سیٹھ' اب تم چت لیٹ جاؤ' اور اپنی قمیص اور بنیائن اتار دو!"

"کیا میرا آپریشن کرنے والی ہو؟"

"دیکھتے جاؤ!"

چمپا مسکرا کر بولی۔

جنک رائے قمیص اور بنیائن اتار کر چت لیٹ گیا۔ چمپا نے سب سے پہلے قینچی لے کر اپنی چھنگلیا کا ناخن اچھی طرح سے کاٹ دیا۔ پھر ناخن والی پور کو دو تین بار زیتون کے تیل سے صاف کیا۔ پھر زیتون کے تیل سے اس نے اپنے دونوں ہاتھ اچھی طرح مل کر صاف کیے۔ اپنے ہاتھوں کو تولئے سے پونچھا۔ پھر روئی کے ایک پھاہے کو زیتون کے تیل میں ڈبو کر جنک رائے کی ناف میں رکھا' اور آکول والی جگہ کو اچھی طرح سے صاف کیا۔

پھر چمپا نے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو زیتون سے چپڑ کر جنک رائے کے ننگے پیٹ پر ناف کے نیچے رکھا' اور چھنگلیا کو زیتون کے تیل میں ڈبو کر اس کی ناف کے اندر رکھا' ہولے ہولے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو جنک رائے کے پیٹ پر اور اپنی چھنگلیا کو اس کی ناف میں دھیرے دھیرے پھیرنے لگی۔ اور راجستھانی زبان میں کوئی لوری گانے لگی۔

اور جنک رائے کو ایسا محسوس ہوا جیسے چمپا کی چھنگلیا اس کی نابھی میں چکی کی ہتھی کی طرح گھوم رہی ہے۔ اور اس کا پیٹ چمپا کی بائیں ہتھیلی تلے چکی کے چاٹ کی طرح گردش کر رہا ہے' اور جو چمپا کی لوری ہے وہ بھی گویا چلتی ہوئی چکی کی گھر گھر کی صدا ہے۔ اس کا سارا جسم چکی بن گیا ہے' اور وہ گول گول دائروں میں گھوم رہا ہے!

جنک رائے کی آنکھیں خود بخود بند ہونے لگیں۔ اسے نیند آنے لگی۔ چند منٹ کے بعد اسے پتہ ہی نہ رہا کہ وہ کہاں پر ہے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد اس کے ہونٹوں سے مدھم مدھم خراٹوں کی صدا آنے لگی۔

کوئی آدھے گھنٹے کے بعد چمپا نے اپنی ہتھیلی اس کے پیٹ سے اور اپنی چھنگلیا اس کی ناف سے نکال لی' اور کروٹ بدل کر اس کے قریب لیٹ گئی۔

کوئی دو گھنٹے کے بعد جب جنک رائے جاگا تو اس کا سردرد دور ہو چکا تھا۔ اور اب وہ تازہ دم محسوس کر رہا تھا۔

اس اثناء میں چمپا نے اٹھ کر غسل کر لیا تھا' نئی ساڑھی پہن لی تھی۔ نئی خوشبو لگالی تھی' اور اب بج سنور کر کانچ کی ایک خوبصورت تھالی میں اس کے لیے چائے' سموسے' دال موٹ' پکوڑے' نکتھیاں' امرتیاں اور رس گلے لے کر آرہی تھی' جیسے ابھی ابھی بال سے نکالی گئی ہو۔

اور اسے دیکھ کر دل ہی دل میں جنک رائے دل تھام کر رہ گیا۔ اس نوخیز غنچے کے لیے تو میں نے اپنی بیٹی کا حق مارنے کی کوشش کی' اور اسے پستول سے دھمکایا۔ لڑا جھگڑا' گڑگڑایا' اس کی خوشامد کی' اور اسے کوسنے دیئے۔ تاکہ کسی طرح سے میں چمپا کو اپنے پاس رکھ سکوں' اور اس کی فضول خرچ فرمائشوں کو ہنس ہنس کے پورا کر سکوں۔ مگر اب ایسا نہ ہو سکے گا۔ بہت جلد وہ دن آئے گا' جب ایسا بالکل نہ ہو سکے گا!

جنک رائے کے دل سے آہ نکلی!

"کیا بات ہے؟"

چمپا نے اس سے پوچھا۔

"تم جب سے آئے ہو مجھ سے آنکھ نہیں ملا رہے ہو!"

"بات یہ ہے چمپا"

جنک رائے نے چائے کا ایک چھوٹا سا گھونٹ پی کر کچھ شرماتے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا:

"میں۔۔۔ میں اگلے ماہ سے تمہارے پاس نہیں آسکوں گا!"

تین چار گھنٹے سے وہ سوچ رہا تھا کس طرح اس بات کو کہے؟ کس طرح اسے زبان سے نکالے؟ آخر وہ بات اس نے کہہ دی!

"مجھے معلوم ہے!"

چمپا نے ایک میٹھی مسکراہٹ سے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے؟"

جنک رائے کی آنکھیں حیرت سے باہر ابل پڑیں۔

"کیسے؟"

"اخباروں میں چرچا ہو رہی ہے۔" چمپا بولی۔ "بزنس والوں میں چرچا ہو رہی ہے سیٹھ کی لڑکی اپنے گھر والے کے پاس چلی گئی' تو ظاہر ہے سیٹھ بھی اپنی گھر والی کے پاس لوٹ جائے گا!۔۔۔کئی تو ٹیلی فون آچکے ہیں میرے پاس' دو سیٹھوں نے اپنی آفر بھی بھیج دی ہے مجھ کو رکھنے کے لیے!"

"اتنے میں یہ سب کچھ ہوگیا؟"

جنک رائے نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ بمبئی ہے سیٹھ!"

چمپا بولی۔

"لوگوں کے پاس ادھر ادھر کی فالتو بات کرنے کا ٹائم نہیں ہے!"

"تو تم نے آفر قبول کرلی؟"

"جیسا تم بولو"

چمپا خالی تانبے کے برتن کی طرح کھنکتی ہوئی بولی:

"اپنا جیون تو دھندے کا جیون ہے' اس سیٹھ کے انگلی نہ کری' اس کے کردی!"

"تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا"

جنک رائے روہانسا ہو کر بولا۔

"تو میں کہاں تمہیں چھوڑ رہی ہوں"

چمپا پالش کی ڈبیہ کی طرح مسکراتے ہوئے بولی۔

"مگر خرچہ کون دے گا۔ میں تم کو ایک بات دھندے کی بتاتی ہوں۔ تم مجھ کو سیٹھ حضوری مل کا آفر قبول کرنے دو۔ وہ بارہ سو مہینہ دے گا۔ ہفتے میں چار دن آئے گا۔ تم تین دن آنا اور صرف چار سو دینا' بولو' منجور ہے؟۔

سیٹھ جنک رائے کچھ نہ بولا' آنکھیں جھکالیں!

"اچھا' میں سیٹھ کو ٹیلی فون کرتی ہوں' پہلی سے آجائے!"

کہتے ہیں: ایک دن ہندوستان کے سب سے بڑے فلمی ہیرو کے پاس ایک لڑکی آئی۔ قد پانچ فٹ آٹھ انچ' سینہ 37 انچ' کمر 22 انچ' کولہا 39 انچ' دماغ ایک انچ۔
اس کا رنگ سرخ و سپید تھا' جیسے دودھ اور گلاب کا ہوتا ہے۔ بدن مضبوط تھا' جیسے عمدہ ماڈل کی گاڑی کا ہوتا ہے۔ اس کے سیاہ بالوں میں کہیں کہیں سرخی کی ایک جھلک سی آتی تھی۔ اس کا ماتھا تنگ تھا' ابرو گھنے۔ اور جب وہ ہنستی تھی تو معلوم ہوتا تھا کوئی گھوڑا ہنس رہا ہے!
یعنی اگر اس کا سر اڑا دیا جائے تو وہ بے حد خوب صورت تھی۔ دلیپ کمار اس دن اپنے گھر کے باہر باغ میں ایک پرانے آم کے ٹھنٹھ پر بیٹھا ہوا اپنی پلیٹ پر سر جھکائے تین انڈوں کا ناشتہ کر رہا تھا کہ اس کے کانوں میں اس کے بالکل قریب کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔
اور اس نے گھبرا کر جو اوپر نگاہ ڈالی تو اس کی پلیٹ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئی' اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا:
"توبہ! توبہ!!"
"حیرت ہے۔ تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"
وہ لڑکی بولی:
"میرا نام طوبا ہے۔ میری ماں یہودن تھی' باپ ہندوستانی ہے میں سمنمنو کیمبرج میں پڑھتی ہوں!"
"آپ سیدھی کیمبرج کیوں نہیں چلی جاتیں؟"
دلیپ کمار نے کہا۔
مگر لڑکی نے اس کا اشارہ نہیں سمجھا!

"آپ نے یہاں آنے کی کیسے تکلیف کی؟۔ اور میرے گھر کے باہر کیا آپ کو میرا چوکیدار نہیں ملا؟"

دلیپ نے پوچھا۔

"ملا تھا!"

طوبا نے بڑی دل جمعی سے جواب دیا۔

"مگر اس وقت تو وہ بے ہوش ہے!"

"بے ہوش ہے؟"

"ہاں!"

طوبا نے مکا کستے ہوئے کہا:

"میں تھوڑی سی باکسنگ بھی جانتی ہوں اور مجھے اپنی جانکاری کی آزمائش اس چوکیدار پر کرنی پڑی۔ کیوں کہ وہ بے چارہ جانتا نہیں ہے کہ لیڈیز کے ساتھ کس طرح کا سلوک کیا جاتا ہے!"

"بے شک، بے شک!"

دلیپ نے سہم کر کہا۔

"کہئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"تم مجھ سے شادی کر سکتے ہو!"

طوبا نے اعلان کیا۔

اگر دلیپ کمار کے ہاتھ میں دوسری پلیٹ ہوتی، تو وہ بھی اس وقت ٹوٹ جاتی، مگر اس کے ہاتھ میں کوئی پلیٹ نہیں تھی۔ اس لئے اس وقت صرف اس کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اور نیچے کا جبڑا اور نیچے لٹک گیا۔ اور وہ سر ہلا کر افسوس بھرے لہجے میں کہنے لگا:

"مگر ہمارے خاندان کو کسی باکسر کی ضرورت نہیں ہے!"

"مگر میں عورت ہوں!"

طوبا گرج کر بولی۔

"بظاہر تو یہی نظر آ رہا ہے۔"

دلیپ بولا:

"مگر ۔۔۔"

"اور میرا خاندان بہت باعزت ہے!"
دلیپ نے بات ٹالنے کی خاطر پوچھا۔
"آپ کے والد کیا کام کرتے ہیں؟"
"وہ سی سی سیمنٹ کمپنی میں ملازم ہیں۔ تین ہزار روپے تنخواہ پاتے ہیں!"۔
"بے شک' بے شک!"
دلیپ نے سرہلا کے کہا:
"مجھے آپ کے مضبوط بدن کو دیکھ کر یہی شبہ ہوا تھا کہ آپ کے والد ضرور کسی سیمنٹ فیکٹری میں ملازم ہوں گے!"
طوبا دلیپ کمار کی تعریف سے بہت خوش ہوئی' بولی"
"میری صحت بھی بہت اچھی ہے۔ میں آج تک کبھی بیمار نہیں پڑی!"
دلیپ نے کہا:
"اس قسم کے جسم پر کسی بیماری کا اثر نہیں ہوتا۔ یہ وہ شاندار جسم ہے جو یکے بعد دیگرے ڈیڑھ درجن بچے پیدا کر سکتا ہے۔ یکے بعد دیگرے پانچ شوہروں کو بھگت سکتا ہے۔ اور یکے بعد دیگرے پانچ شوہروں اور ڈیڑھ درجن بچوں کے انتقال پر ملال کے بعد بھی ایک سو سینتیس برس کی عمر تک زندہ رہ سکتا ہے تاکہ ڈاکٹر حیرت زدہ رہ جائیں کہ اس خاتون کی لمبی عمر کا راز کیا ہے؟
"کیا راز ہے؟"
طوبا نے پوچھا۔
"وہ راز تمہاری کھوپڑی میں بند ہے!"
دلیپ نے طوبا کے ماتھے پر ایک انگلی رکھ کر کہا۔
"اس کھوپڑی میں کیا ہے؟"
طوبا نے فخریہ لہجے میں پوچھا۔
کچھ نہیں!"
"مگر۔۔۔ مگر۔۔۔"
طوبا کچھ پریشان ہو کر بولی:
"ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ میری کھوپڑی میں کوئی راز ہے!"

"بس یہی راز ہے!"
"کیا؟"
"یہی!"
"یہی کیا؟"
"تم نہیں سمجھو گی!"
دلیپ نے ایک آہ بھر کر کہا۔
"کل رات مجھے ایک سپنا آیا"
طوبا گھاس پر دلیپ کے سامنے بیٹھ گئی آلتی پالتی مار کے۔
"وہ خواب میں تمہیں اس وقت سنانا چاہتی ہوں۔ اسی لئے آئی ہوں:"
"ٹھہرو!"
یکایک دلیپ کمار کو کچھ یاد آیا:
"میرے گھر کی سیڑھیوں پر بھی تو ایک چوکیدار رہتا ہے۔ کیا وہ تمہیں نہیں ملا تھا؟"
"وہ بھی بے ہوش ہے!"
طوبا نے اسے بڑے اطمینان سے بتایا' اور پھر آگے جھک کر اسے اپنا سپنا بتانے لگی!
"اصل میں یہ سپنا جو مجھے کل رات آیا' ایک دفعہ دو ماہ پہلے بھی آ چکا ہے!"
"ہو سکتا ہے!"
دلیپ نے اسے بتایا
"کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دو دفعہ کیا' ساری زندگی ایک ہی سپنا دیکھتے ہیں۔۔۔ بہر حال۔۔۔ وہ سپنا کیا تھا؟"
"اس رات میں تمہاری پکچر "پیغام" دیکھ کے آئی تھی۔ آج کل میں صرف تمہاری تصویریں دیکھتی ہوں' پچھلے تین برس سے' جب سے تم پر عاشق ہوئی ہوں' صرف تمہاری تصویریں دیکھتی رہتی ہوں۔ میرا باپ مجھ سے کہتا ہے تم بالکل پاگل ہو!"
"ہو سکتا ہے!۔۔ مگر وہ خواب کیا تھا؟"
دلیپ نے پوچھا۔
"وہ تو بتاؤ؟"
"آج سے دو ماہ پہلے کی بات ہے' ایک رات مجھے خواب آیا۔

میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک بہت بڑا نیلے رنگ کا سمندر ہے اور جہاں پر نیلے رنگ کا سمندر ختم ہوتا ہے' وہاں پر سنہرے رنگ کی ریت ہے اور جہاں پر سنہرے رنگ کی ریت ختم ہوتی ہے وہاں سے سبز رنگ کا ایک باغ شروع ہوتا ہے۔ باغ کے اندر لال رنگ کا ایک جھولا ہے' اور میں اس جھولے پر پیلے رنگ کی فراک پہنے ہوئے جھول رہی ہوں!"

"بالکل ٹیکنی کلر سپنا معلوم ہوتا ہے!"

وہ بولی:

"تم سنو تو آگے کیا ہوا۔ یکایک میں نے زور کی پینگ بڑھائی' اور جب جھولا ہوا میں گیا' تو یکایک میں جھولے سے نکل کر ہوا میں اڑ گئی' اور جب نیچے گری تو میں نے اپنے آپ کو ایک فوارے کے قریب پایا' اور تم اس فوارے کے قریب بیٹھے تھے' اور تم نے مجھے دیکھتے ہی کہا۔۔

"تم نے اتنی دیر کیوں کر دی؟ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں"۔

"پھر کیا ہوا؟"

دلیپ نے پوچھا۔

"پھر میری آنکھ کھل گئی۔"

طوبا بولی۔

"خدا کا شکر ہے"

دلیپ نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"مگر تم سنو تو' آگے کیا ہوا؟"

طوبا اس کا شانہ جھنجھوڑ کر بولی۔

"اس کے بعد دو ماہ تک مجھے پھر کوئی ایسا خواب نہیں آیا۔ مگر کل رات کو پھر وہی خواب آیا۔ وہی سمندر' وہی ریت' وہی باغ' وہی جھولا' اسی طرح میں اڑتی ہوں' اور اڑ کر فوارے کے قریب تمہیں بیٹھا پاتی ہوں۔ تم مجھے دیکھ کر فوراً" مجھ سے کہتے ہو۔۔' تم نے اتنی دیر کیوں کر دی؟۔۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں' میں شرما جاتی ہوں۔ تم میرا ہاتھ تھام لیتے ہو' اور مجھے فواروں سے پرے ایک خوبصورت شامیانے کی طرف لے جاتے ہو' اور کہتے ہو۔۔' تم بھول گئیں؟ آج تمہاری اور میری شادی ہوگی۔ دیکھو اس شامیانے کے نیچے سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں'۔۔۔ یہ سنتے ہی میرا لباس دلہن کے

لباس میں تبدیل ہو جاتا ہے اور میں خوبصورت لباس زیب تن کیے' جڑاؤ زیور پہنے' ساتوں سنگھار کیے تمہارے ہاتھ میں ہاتھ دیے شامیانے کی طرف بڑھ رہی ہوں' کہ یکایک سامنے ایک نقاب پوش نوجوان زرہ بکتر پہنے جوشن سجائے ہاتھ میں تلوار لئے سامنے آ جاتا ہے' اور تلوار لہرا کر کہتا ہے۔۔۔' دلیپ ہٹ جاؤ میرے سامنے سے' اس لڑکی سے شادی میں کروں گا'۔۔۔ تم غصے میں آ جاتے ہو' اور اسے مارنے کے لئے آگے بڑھتے ہو۔"

"پھر۔۔؟"

"پھر میری آنکھ کھل گئی۔ اور آج صبح میں نے اپنے جوتشی سے مشورہ کیا۔ تو اس نے مجھ سے کہا کہ مجھے فوراً" تمہارے پاس جانا چاہئے' اور یہ دونوں خواب سنا کر فوراً" تم سے شادی کر لینا چاہئے۔ ورنہ تمہاری زندگی کو خطرہ ہے!"

"میری زندگی کو خطرہ ہے؟"

دلیپ نے پوچھا۔

"ہاں۔"

کس سے؟"

"اسی نقاب پوش نوجوان سے جو کل رات خواب میں آیا تھا۔"

طوبا نے بتایا۔

دلیپ نے اس سے کچھ نہیں کہا وہ دیر تک طوبا کی طرف گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔ لیکن جب اسے یقین ہو گیا کہ طوبا جھوٹ نہیں کہہ رہی ہے تو اس کے چہرے پر درگزر کرنے والی ایک ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا' اور طوبا سے کہنے لگا:

"اندر چلو' میرے آفس میں!"

وہ اسے اپنے ذاتی آفس میں لے گیا۔ جہاں اس کا سیکرٹری دو آدمیوں کی مدد سے صبح کی ڈاک چھانٹ رہا تھا' دلیپ نے اس سے پوچھا:

"کل کتنے خط ہیں؟"

"ایک سو باون۔"

"اس میں شادی کی درخواستیں کتنی ہیں؟"

دلیپ نے پوچھا۔

"گیارہ"

سیکرٹری نے اسے بتایا۔

دلیپ طوبا کی طرف مڑا' اور بولا:

"یہ آج صبح کی ڈاک سے شادی کی درخواستیں آئی ہیں۔ ہر ماہ میرے سیکرٹری نے اندازہ لگایا ہے' اوسطاً "ایک سو اسی درخواستیں شادی کی آتی ہیں۔ یعنی اگر میں ہر ماہ شادی کی درخواستوں کو صدق دل سے پورا کرنے کی کوشش کروں' تو مجھے ایک دن میں چھ شادیاں کرنی پڑیں گی۔ یعنی ہر چار گھنٹے کے بعد ایک شادی۔ جو قطعی ناممکن ہے۔"

مگر مجھ سے شادی کرنے کے بعد تمہیں کسی دوسری لڑکی سے شادی کرنے کی ضرورت کیوں ہوگی؟"

طوبا نے پوچھا۔

"ضرورت نہیں ہوگی' اور گنجائش بھی نہیں ہوگی۔"

دلیپ نے اقرار کیا:

"مگر سوال یہ ہے کہ اگر میں آپ کو 'ہاں' کر دوں تو دوسری کو 'ناں' کیسے کروں؟"

"کیوں؟ دوسری لڑکیوں میں کیا ہے جو مجھ میں نہیں ہے؟"

طوبا نے پوچھا۔

دلیپ بولا:

"یہی سوال میں آپ سے بھی کر سکتا ہوں' دوسری لڑکیوں میں کیا نہیں ہے جو آپ میں ہے؟"

"میں نے تو خواب دیکھا ہے' اور دو دفعہ!"

"مصیبت یہ ہے کہ یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔"

دلیپ نے اسے بتایا۔

طوبا نے خوشی سے چلا کر کہا:

"تم نے بھی دیکھا ہے؟ دیکھا میں نہ کہتی تھی میرا خواب کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔"

"بے شک' نہیں ہو سکتا!"

دلیپ نے اثبات میں سر ہلا کے کہا:

"مگر آپ نے پورا خواب نہیں دیکھا۔ میں نے پورا دیکھا ہے!"

"کیا دیکھا ہے؟"
وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔
"وہی دیکھا جو آپ نے دیکھا۔ وہی فوارہ وہی فوارے کے قریب آپ کا آ کے گرنا، اور میرا آپ کو سنبھالنا، اور آپ سے کہنا میں کب سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر میرا آپ کو ہاتھ سے تھام کر شادی والے شامیانے کی طرف لے جانا، یہ سب کچھ بالکل اسی طرح میں نے دیکھا جس طرح آپ نے دیکھا۔ اسی طرح شامیانے کے باہر وہ نوجوان نقاب پوش زرہ بکتر پہنے، جوشن سجائے، تلوار ہلاتا ہوا میرے سامنے آ گیا، اور راستہ روک کر بولا۔۔۔
"خبردار! جو تم نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ اس لڑکی سے تو میں شادی کروں گا!"
"پھر تمہاری آنکھ کھل گئی ہو گی؟"
طوبا نے کہا۔
"نہیں، میں اسے مارنے کے لئے آگے بڑھا، اور اس نوجوان نے فوراً" اپنے منہ سے نقاب اٹھا دیا۔"
"اٹھا دیا؟"
"ہاں، اور میں نے دیکھا کہ یہ نوجوان کوئی دوسرا نہیں ہے، بلکہ میرا عزیز دوست شو آنند ہے!"
"شو آنند؟"
طوبا چیخ کر بولی۔
"وہی 'ماروں' 'گھٹنہ پھوٹے آنکھ' والی فلم کا ہیرو؟"
"وہی۔ وہی۔ بالکل وہی۔"
دلیپ نے جواب دیا۔
"اور وہ مجھے بولا۔ افسوس مجھے معلوم نہیں تھا دلیپ، تم میرے اتنے عزیز دوست ہو کر میرے مال پر نظر رکھتے ہو؟"
"سچ؟ اس نے یہ کہا؟"
طوبا کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں، اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر رکھ لئے۔
"مجھے شو آنند ہمیشہ سے پسند تھا........مگر پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں کیا کہتا؟ــــــــ میں ایک شریف آدمی ہوں آخر......"

دلیپ نے طوبا کو بتایا:

"میں نے شرمندہ ہو کر تمہارا ہاتھ چھوڑ دیا' اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور واپس فوارے کے نیچے آ کے بیٹھ گیا۔

طوبا کئی لمحے چپ رہی۔

اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دلیپ کے خواب سے بے حد متاثر ہے۔

پھر بولی:

"شو آنند کے ٹیلی فون کا نمبر تمہیں معلوم ہے؟"

"نمبر تو معلوم ہے"

دلیپ بولا:

"مگر ٹیلی فون کر کے مت جاؤ' بس ایسے ہی پہنچ جاؤ جیسے تم میرے ہاں آئی تھیں!"

"ہاں یہ ٹھیک ہے!"

جب طوبا دلیپ کے گھر سے چلی گئی' تو دلیپ نے جلدی سے شو آنند کو ٹیلی فون کر کے سب معاملہ بتایا۔

ارے بھئی' وہ ایک باؤلی سڑن آئی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے تمہارا پتہ دے کر ٹالا ہے۔ اب تم بھگتو اس سے۔ مگر خدا کے لئے اسے میرے پاس واپس مت بھیجنا۔ بڑی زبردست باکسر ہے' میرے دو چوکیدار بے ہوش پڑے ہیں!"

شو آنند نے بڑی خندہ پیشانی سے طوبا کی داستان سنی' داستان سن کر اس نے اسے کچھ نہیں کہا۔ اپنا سگریٹ بجھا کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا' اور بولا:

"آؤ ٹیرس پر چلیں۔"

اوپر ٹیرس پر ایک باغ تھا۔ لکڑی کے بڑے بڑے رنگین گملوں میں پام کے پتوں والے پنکھے جھول رہے تھے۔ لوہے کی باریک جالیوں پر بوگن ویلیا کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اور چنبیلی کے چھوٹے چھوٹے سفید پھول پتوں کے سبز گھنیرے میں ستاروں کی طرح چٹک رہے تھے۔ ہوا میں پھولوں کی خوشبو تھی' اور فضا کے اندھیرے میں چھوٹے چھوٹے رنگین بلب انگور کے خوشوں کی طرح جھل ملاتے تھے۔ آہنی جالیوں کی ایک محراب کے نیچے روشنیوں کی مدھم مدھم جھل مل جھل مل دھوپ چھاؤں میں بلبل بیٹھی کتاب پڑھ رہی تھی۔

"یہ میری بیوی ہے!"

شو آنند نے تعارف کرایا۔

طوبا کچھ نہیں بولی۔

اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں درد کے دو چمکتے ہوئے تاروں کی طرح ابھر آئیں' اور ابرو سکڑ گئے۔ اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں کس گئیں۔

شو آنند نے بڑی نرمی سے اس کے شانے کو چھو کر کہا:

"میں بھی ایک باکسر ہوں!"

طوبا نے شو آنند کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ پھر یکایک اس کا سارا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ ہاتھوں کی مٹھیاں کھل گئیں' اور اس نے ایک اداس اور تھکی ہوئی آواز میں کہا:

"میں گھر جانا چاہتی ہوں!"
بلبل شو آنند سے کہنے لگی:
گلشن دیو کہہ گیا ہے 'میں ابھی پانچ منٹ میں واپس آتا ہوں وہ آپ کو گھر چھوڑ دے گا!"
"ہاں' یہ ٹھیک ہے!"
شو آنند نے طوبا سے کہا:
"پانچ دس منٹ انتظار کر لیجئے۔ میرا ایک دوست ابھی آئے گا' آپ کو گھر چھوڑ دے گا!"
طوبا لکڑی کے ایک بنچ پر بیٹھ گئی۔
پہلے تو اس نے دو تین بار پریشانی میں اپنا سر کھجایا۔ جب اس سے کچھ حاصل نہ ہوا تو اپنی انگلیاں چٹخانے لگی۔ جب اس سے بھی کچھ نہیں ملا تو پاؤں ہلانے لگی۔۔
شو آنند نے اس سے پوچھا:
"آپ کی عمر کیا ہے؟"
طوبا نے اسے اپنی پیدائش کی تاریخ بتائی۔
شو آنند نے دل ہی دل میں حساب کر کے اسے بتایا:
"آپ کے نویں گھر میں سنیچر ہے اور چوتھے میں منگل ہے۔ تیسرے میں بدھ ہے اور ساتویں گھر میں شکر ہے!"
"مگر مجھے تو ایک ہی گھر چاہئے' سات نہیں چاہئیں:"
طوبا نے اسے بتایا۔
"میرا مطلب ہے کہ آپ کی قسمت کے ستارے ڈیوڈ ابراہام سے بہت ملتے ہیں"۔
شو آنند بولا:
"وہ مشہور فلم اسٹار بھی ہے!"
"اور کنوارا بھی ہے!"
بلبل نے کہا۔
"مگر اس کی عمر پچاس برس سے اوپر ہو چکی ہے۔"
طوبا نے کہا' اور غصے میں تن کر کھڑی ہو گئی۔

"میں گھر جانا چاہتی ہوں!"
"لو' وہ گلشن دیو آ گیا!"
بلبل نے گلشن دیو کو ٹیرس پر آتے دیکھ کر کہا۔
گلشن نے اپنی نئی پکچر کے لیے بلبل کو ہیروئن لیا تھا۔ بلبل اپنے اس پکچر کے کانٹریکٹ میں کچھ تبدیلی چاہتی تھی۔ گلشن دیو اب وہ نیا کانٹریکٹ لے کر آیا تھا۔
بلبل نے اس سے کانٹریکٹ لے لیا۔
اور کہنے لگی:
"یہ مس طوبا ہیں' گلشن' انہیں ان کے گھر تک پہنچا دو اپنی گاڑی میں!"

گلشن نے محسوس کیا کہ نئی لڑکی کا جسم ایک معجزے کی طرح خوب صورت ہے۔ اگر کبھی ایسی فلمیں بننے لگیں جس میں چہرے کی ضرورت نہ ہو' تو یہ لڑکی بہترین ہیروئن ثابت ہو سکتی ہے۔
گلشن چند دنوں میں اپنی ایک رنگین فلم کے پراجیکٹ کے لیے لندن جا رہا تھا۔ گلشن نے محسوس کیا کہ اس موقعے پر اسے طوبا کو اپنے ساتھ لے جانا چاہیے۔ انگلستان ایک ٹھنڈا ملک ہے جس کی شامیں بے حد اداس ثابت ہو سکتی ہیں' اگر کوئی رفیق یا ہمدم ساتھ میں نہ ہو' اور گلشن پہلی بار انگلینڈ جا رہا تھا۔ اس لئے اس نے راستے میں طوبا سے پوچھا:
"آپ نے کسی فلم میں کام کیا ہے؟"
"نہیں!"
"ارادہ ہے؟"

"نہیں!"
"کیوں نہیں؟"
"مجھے پسند نہیں۔ میں تو کسی ہیرو سے شادی کروں گی! بس!!"
"کسی ہیرو سے شادی کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ لڑکی خود فلم اسٹار بن جائے!"
گلشن طوبا کو سمجھانے لگا:
"اور تم میں کیا نہیں ہے جو کسی دوسری ہیروئن میں ہے؟۔ تم نوجوان ہو' خوب صورت ہو' ایک پروقار لڑکی ہو!"

"تمہارے خیال میں مجھ میں ہیروئن بننے کی صلاحیت ہے؟"
طوبا نے پوچھا۔
"سو فی صدی ہے!"
"گلشن نے اسے بتایا:
"اگر تم میرے ساتھ انگلستان چل سکو تو میں تمہارا وہاں کلر ٹیسٹ لے لوں گا۔ میرا مطلب ہے' اگر تمہارے ساتھ کوئی لفڑا نہ ہو!"
"لفڑے کا کیا مطلب؟"
"میرا مطلب تمہارے ماں باپ سے ہے!"۔
"میری ماں تو مر چکی ہے!"
"گڈ۔۔ میرا مطلب ہے۔ آئی ایم ساری۔ مگر باپ؟"
"باپ سے اجازت۔۔لے لوں گی۔ میرے خیال میں پاپا مجھ کو اپنا کیریئر بنانے سے نہیں روکیں گے۔۔"
طوبا نے گلشن کو بتایا:
"بہر صورت میں ایک بالغ لڑکی ہوں' اپنی مرضی سے جو چاہے کروں' مجھے کوئی روک نہیں سکتا ہے!"
گلشن نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کے اسے دیا:
"کل شام کے ساڑھے پانچ بجے مجھے آفس میں فون کرو۔ میں تمہارے انگلستان جانے کا بندوبست کرتا ہوں!"
دوسرے دن شام کے ساڑھے پانچ بجے طوبا نے گلشن دیو کو ٹیلی فون کر کے انگلستان جانے سے انکار کر دیا۔ کیوں کہ اسے رات کو خواب میں دیو آنند دکھائی دیا تھا۔ دیو آنند۔۔۔ فلم انڈسٹری کا سب سے خوب صورت ہیرو ایک سفید گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا میں اڑتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔ اس سے شادی کی درخواست کی تھی اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے طوبا کو زمین سے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر رکھ لیا تھا۔ اور اب وہ سفید پروں والے گھوڑے پر سوار ہو کر دیو آنند کے ساتھ اڑ رہی تھی!
اس لئے اب وہ انگلستان کیسے جا سکتی ہے؟

جس دن جنک رائے چمپا کی نظروں میں ریگولر سیٹھ کے خانے سے نکل کر پھٹکل آمدنی کی مد میں آ گئے' اسی دن سے بزنس حلقوں میں ان کا زوال شروع ہو گیا۔ کسی بھی سوداگر کی محبوبہ اس کے کاروبار کے عروج و زوال کا بیرومیٹر ہوتی ہے۔

جب چمپا نے نیا سیٹھ رکھا تو بزنس حلقوں میں یہ خبر عام ہو گئی کہ جنک رائے کی تجوری یعنی اس کی بیٹی اس کے ہاتھ سے نکل کر شو آنند کے ہاتھوں میں چلی گئی ہے۔

اور بلبل تو گویا ایک مضبوط بنیاد تھی۔ جنک رائے کے لئے ہر قسم کے کاروباری کام کیلئے ایک طرح کا بنک تھی بلکہ فکسڈ ڈپازٹ تھی۔ جس کے بل بوتے پر جنک رائے لاکھوں کا دھندا کر سکتا تھا۔

مگر جب بنیاد ہی اکھڑ گئی تو اوپر سے چاہے جنک رائے لاکھ شان جتائے بزنس والے لوگ اس کے بھرے میں اب نہیں آ سکتے۔

چمپا کے ذریعے مکتھو یا برادرس کو بھی پتہ چل گیا کہ جنک رائے کے پیروں تلے زمین کھسک گئی ہے۔ اس لئے انہوں نے ایسا چکر چلایا کہ اندور والی مل جس کے بہت سے حصے جنک رائے خرید چکا تھا اس کا ایسا پڑا کیا کہ ایک سال کے عرصے میں جنک رائے بالکل ٹھکھ ہو گیا۔

اس کی فونٹن پین کی فیکٹری بھی بند ہو گئی اور موزے بنیان کی بڑی فیکٹری بھی۔ کیوں کہ وہ نیا نیا بمبئی کے بزنس کے دھندے میں آیا تھا۔ اور جب تک بلبل اس کی پشت پناہ رہی اس کے مقابلہ کرنے والوں کو داؤ کھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن بلبل کے جانے کے بعد ہی وہ سب لوگ آپس میں مل گئے' اور جنک رائے مولی گاجر کی طرح کاٹ کے پھینک دیا گیا۔

اب جنک رائے کے پاس صرف لدھیانے کی ہوزری فیکٹری رہ گئی تھی!

اگر بلبل چاہتی تو اب بھی جنک رائے کی مدد کر سکتی تھی۔۔ مگر مفاہمت اور محبت کا وہ لمحہ جو ماں باپ اور بیٹی میں اس دن آیا تھا' وہ ایک عارضی لمحہ تھا۔

اور جب وہ چلا گیا تو جنک رائے نے سوچا کہ بلبل نے میری بیٹی ہو کر مجھ سے دھوکا کیا ہے!

اور بلبل نے اپنی جگہ محسوس کیا کہ میرا باپ اپنے رشتے کو غلط طریقے سے برت رہا ہے۔ مجھے اس سے قطع تعلق کر لینا چاہئے!

شاردا کی حالت دگرگوں تھی۔ ایک دل کہتا کہ بلبل راستی پر ہے کسی باپ کو اپنی بیٹی کی کمائی کھانے کا حق نہیں ہے۔ اگر بلبل اپنے شوہر کے گھر چلی گئی ہے تو اس نے بالکل صحیح قدم اٹھایا ہے۔ ہم اپنے آرام کے لئے لڑکی کی زندگی اور اس کی خوشی کو تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے!

مگر جب وہ ہر روز شام کو جنک رائے کا اداس چہرہ دیکھتی تو اپنے شوہر کے لئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور وہ اپنی بھیگی ہوئی پلکوں کو پونچھتے ہوئے سوچتی:

کیا بگڑ جاتا' اگر بلبل پانچ سال اور انتظار کر لیتی۔ پانچ سال تک ان لوگوں کی ایک شوگر مل اپنی ہو جاتی' اور کنول اور کوشی دونوں بچوں کی تعلیم بھی انگلستان میں پوری ہو جاتی۔ ماں باپ جو اتنی بڑی قربانی اپنے بچوں کے لئے کرتے ہیں' آخر ان کا بھی کوئی حق نہیں ہوتا ہے؟ روپے پیسے کا حق نہ سہی۔ اور آخر وہ کہاں اپنی بیٹی کے پیسے رکھنے والے تھے۔ یہ تو ایک قرضہ تھا جسے وہ لوگ شوگر مل کے منافع سے لے کر ایک ایک پائی کر کے چکا دیتے۔ مگر بلبل تو بڑی خود غرض نکلی۔ اپنی خوشی کی خاطر بیچ ہی میں بھاگ گئی۔ ابھی مل کے اتنے حصے نہیں خریدے گئے تھے جس سے مل کا انتظام اور کاروبار جنک رائے کے ہاتھوں میں آ جاتا۔ ورنہ یہ رقم یوں نہ ڈوبتی۔ مگر کوئی اپنی اولاد سے کیا کہہ سکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ وہ ایک لڑکی ہو!

شاردا نے بڑی تلخی سے سوچا۔

اگلے چھ مہینوں میں بزنس کی حالت ایسی ابتر ہو گئی کہ جنک رائے کو اپنی گاڑیاں بیچ دینا پڑیں۔ ایک چھوٹے سے مکان میں اٹھ جانا پڑا۔ ادھر لدھیانے سے خط پر خط آنے لگے' وہاں کا بزنس بھی چوپٹ ہو رہا تھا۔

وافر روپیہ ایک ایسا تیل ہے جس کے سہارے کاروبار کی مشینری مالک کی غیر حاضری میں بھی چلتی رہتی ہے۔ مگر جب ہاتھ تنگ ہو جائے اور روپے کی صورت تک کہیں سے دکھائی نہ دے' اور ہنڈی قرضے کا کوئی بندوبست نہ ہو تو برسوں کا جما جمایا کاروبار بھی ڈگمگانے لگتا ہے!

جب مل کے حصے ڈوبے۔ اس وقت شاردا نے ہلکا سا اشارہ کیا تھا کہ جاؤ جاکر بلبل سے کہو۔۔۔۔ ممکن ہے۔۔۔۔ مگر اس وقت جنک رائے نے بڑی سختی سے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

جب فونٹن پین فیکٹری ہاتھ سے جانے لگی' اس وقت بھی شاردا نے جنک رائے کو بہت سمجھایا تھا۔ آخر وہ تمہاری بیٹی ہے۔ وہ ضرور تمہاری مدد کرے گی۔ تمہیں اپنی مصیبت اس سے ضرور بیان کرنی چاہئے۔ مگر اس وقت بھی جنک رائے آمادہ نہ ہوا تھا' بلکہ خود شاردا کو بھی بلبل سے اس ضمن میں کسی قسم کا تزکرہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔
تو باپ کی اسی ضد میں مل بھی گئی' اور فونٹن پین فیکٹری گئی' اور پھر بمبئی میں بنیان کی فیکٹری بھی جاتی رہی۔ مگر جنک رائے نے ایک بار بھی بلبل کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔
"اب بھی نہیں' شاردا اب بھی نہیں!"
جنک رائے دانت پیس کر کہتا تھا:
"میں اب بھی بلبل کے پاس نہیں جاؤں گا!"

مگر جب سب کچھ چلا گیا' اور حالت دگرگوں ہو گئی۔ جب صرف لدھیانے کی ہوزری فیکٹری باقی رہ گئی۔ اور اس کے بارے میں بھی وہاں کے مینجر نے لکھا کہ اگر فی الفور ایک لاکھ روپے کا انتظام نہیں کیا تو یہ فیکٹری بھی بیٹھ جائے گی۔۔ تو جنک رائے کا دل بیٹھ گیا:
لدھیانے کی فیکٹری اس کی زندگی بھر کی کمائی تھی۔ کمائی سے زیادہ وہ اس کے جینے کا سہارا تھی۔ اور سہارے سے زیادہ وہ ایک ایسی تخلیق تھی جس کی وجہ سے جنک رائے کو اپنی ذات پر بھروسہ اور فخر تھا۔
وہ سوچا کرتا تھا:
اندور کی مل گئی تو کیا ہوا؟ بنیان فیکٹری گئی تو کیا ہوا؟ وہ کبھی بھی لدھیانے واپس جا سکتا ہے۔ وہ بلبل کو بتا سکتا ہے کہ وہ کسی کے روپے کا غلام نہیں ہے۔ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں ہے۔ وہ کسی وقت بھی بمبئی کے کاروبار پر لات مار کر لدھیانے واپس جا سکتا ہے!
ہولے ہولے ذہنی طور پر وہ اپنے آپ کو لدھیانے واپس جانے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ ہر کاروباری دھچکا اسے لدھیانے کی طرف دھکیل رہا تھا۔ اور وہ دل ہی دل میں اپنے

مقابلے پر آنے والے تاجروں کی عیاری کو کوسنے کے بجائے بلبل کو کوس رہا تھا' اور دل ہی دل میں اس کا ذہن اپنی بیٹی کی طرف سے تلخ ہوتا جا رہا تھا۔
قریباً" ایک ماہ سے اب وہ اپنی بیٹی سے ملا بھی نہیں تھا۔۔ ملاقات کی کئی صورتیں نکلیں۔ اسکی بیٹی دو دفعہ خود اس کے گھر آئی' مگر ہر بار جنک رائے بلبل کا سامنا کرنے سے ٹال گیا۔
مگر جب لدھیانے سے بھی ایک لاکھ کا تقاضہ آیا' تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اب وہ کیا کرے۔ اور کون سی ایسی صورت نکالے کہ بلبل سے مدد نہ لینا پڑے۔
ہزار کوششوں کے باوجود جب کوئی ایسی صورت نہ نکلی' اور جب اس کی بیوی نے اسے خودکشی کی دھمکی دی تو وہ بلبل سے ایک بار۔۔۔۔ مگر بالکل آخری بار۔۔۔ پھر سے قرضہ یا مدد مانگنے کے لئے تیار ہو گیا!
بلبل نے اپنے باپ کو دو لاکھ روپے کا چیک دیا!
مگر جنک رائے کو ایسا محسوس ہوا جیسے اسے کسی نے دو لاکھ جوتے مارے ہوں۔
اب وہ بڑی عزت سے اور شان سے واپس لدھیانے جا سکتا تھا' مگر جنک رائے کو ایسا محسوس ہوا جیسے دو لاکھ کی عزت کا غلاف اڑھا کر دراصل بلبل نے اسے پبلک میں بالکل ننگا کر دیا ہے۔
اب وہ زندگی بھر بلبل کو معاف نہیں کر سکتا!
اس میں بلبل کا کوئی قصور نہیں تھا' اور اگر کوئی قصور تھا تو صرف اتنا کہ بلبل کے پاس وہ وسائل تھے کہ وہ اسے دو لاکھ کا چیک دے سکتی تھی' مگر جنک رائے کے پاس نہیں تھے۔

اور یہ بات قطعاً" ناقابل معافی ہے!
جنک رائے لدھیانے چلا گیا۔ اور پھر لوٹ کر کبھی بمبئی نہیں آیا۔۔ لدھیانے پہنچ کر اس نے اپنی بیٹی کو خط لکھا کہ چونکہ اس نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف فلموں میں کام کرنا شروع کر دیا ہے' اور چونکہ یہ بات خاندان کی عزت اور وقار کے منافی ہے اس لئے بلبل پر یہ لازم ہے کہ وہ زندگی بھر اس کے گھر میں قدم نہ رکھے!
بلبل کو یہ خط پڑھ کر حیرت ہوئی۔

پھر حیرت بھی نہ رہی۔

پھر وہ اپنے ماں باپ کو بالکل ہی بھول کر ایک نئے واقعے کے تاثرات میں کھو گئی۔ اس واقعے کے بارے میں ابھی تک کوئی نہیں جانتا تھا۔ شو آنند تک کو معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اور وہ خود بھی حیرت اور استعجاب میں ڈوبی ہوئی سوچ رہی تھی کہ اس واقعے کا ذکر وہ کس سے کرے 'کیسے کرے' شو آنند کو بتائے تو کب اور کیسے بتائے 'اس نئے واقعے کے بارے میں!

وہ ماں بننے والی تھی!

شو آنند ڈائریکٹر بشن ملہوترہ کے سیٹ پر کام کر رہا تھا۔ اور وہ یہ دیکھ کر حیرت میں تھا کہ ڈائریکٹر بشن ملہوترہ گزشتہ چند سالوں میں کتنا بدل گیا تھا۔ پچھلے پانچ سالوں میں اس کی عمر میں کم سے کم پندرہ سال بڑھ گئے تھے' اور وہ اپنے وقت سے پہلے بڈھا اور پژمردہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی کنپٹیوں کے سیاہ بال سفید ہو گئے تھے' اور بیچ کی ٹانٹ گنجی ہو کر انڈے کی طرح چمکنے لگی تھی۔ اور اس کے ہونٹوں پر ہر وقت ایک احمقانہ اور معافی مانگنے والی مسکراہٹ نظر آتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ڈائریکٹر بشن ملہوترہ اپنے وجود پر شرمندہ ہے اور کسی آنے والے حادثے سے خوف زدہ ہے۔ یوں محسوس کرتا ہے کہ جانے کس وقت کون سا خطرہ کدھر سے حملہ کر بیٹھے' اس لئے اس کی آنکھیں ہر وقت چوکنی' مضطرب اور گھومتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں' اور سارا جسم ہر وقت خبردار اور کسی خرگوش کی طرح ہر وقت بھاگ جانے کے لئے ہوشیار نظر آتا تھا۔

لیکن ڈائریکٹر بشن ملہوترہ ہمیشہ سے ایسا نہ تھا۔ شو آنند نے اس کا عروج کا زمانہ دیکھا تھا۔

یکے بعد دیگرے تین سلور جوبلی تصویریں بنانے کے بعد ڈائریکٹر بشن ملہوترہ نے اپنی تازہ تصویر میں شو آنند کو چانس دیا تھا دوسرے نمبر کے ہیرو کا پہلے نمبر کا ہیرو راج کپور تھا۔ اس لئے شو آنند ڈائریکٹر بشن ملہوترہ کا شکر گزار تھا۔ اور اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ زندگی میں اس آدمی کا احسان کبھی نہیں بھولے گا جس نے فلمی زندگی میں اسے پہلا چانس دیا تھا۔

مگر ان دنوں ڈائریکٹر بشن ملہوترہ ایک کامیاب ڈائریکٹر تھا' بڑے بڑے ہیرو اس کے ساتھ کام کرنے پر فخر محسوس کرتے تھے۔ حسین سے حسین ہیروئن کی طرف بھی اگر وہ آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتا تو مارے مسرت کے وہ بے چاری دو رات تک سو نہ سکتی۔ ڈسٹری بیوٹر' اور فنانسر' اور پروڈیوسر اسے دن رات گھیرے رہتے۔ وہ ہدایت کاری کے لئے اگر ایک لاکھ روپے مانگتا' تو وہ اسے دو لاکھ پیش کرتے۔ دو لاکھ مانگتا تو وہ تین لاکھ آفر کرتے۔

ان لوگوں نے اسے ایک فلم کمپنی کھول دی۔
ایک اسٹوڈیو کرائے پر لے دیا۔
ایک امپالا خرید کے لادی۔
ایک فلیٹ نذرانے میں دیا۔

ان دنوں اس کے لئے پنجاب کے ڈسٹری بیوٹر موسم بے موسم سرسوں کا ساگ اور اصلی گھی کا ٹن بھیجتا تھا۔

بنگال کا ڈسٹری بیوٹر بذریعہ ہوائی جہاز کلکتے سے تازہ رس گلے بھیجتا تھا۔

راجستھان کے ڈسٹری بیوٹر نے اس کی بیوی کے لئے پکھراج کا ایک گلوبند بھیجا تھا۔

ساؤتھ کے ڈسٹری بیوٹر نے بنگلور میں ایک بنگلہ اس کے آرام و تفریح کے لئے محفوظ کر دیا تھا۔

اور اوورسیز کا ڈسٹری بیوٹر جب پیرس سے آیا تھا' تو اس کے لئے ایک عمدہ بلیو فلم لایا تھا۔

ڈائریکٹر بشن ملہوترہ ان دنوں ایک دیوتا کی طرح فلمی حلقوں میں گھومتا تھا۔ بھینسے کی طرح عشق کرتا تھا۔ سور کی طرح کھاتا تھا' اور غنڈے کی طرح گالی دیتا تھا۔

بات بات میں گالی دینا اس کی زندگی کا شعار بن چکا تھا' اور لوگ اس تقدس سے اس کی گالیوں کو اپنے دامن میں چنتے تھے۔ جیسے وہ گالیاں نہ ہوں' پوجا کے پھول ہوں' لکشمی دیوی کی پوجا کے لئے.......

شو آنند کو بشن ملہوترہ نے تین سو روپے ماہانہ پر پہلا چانس دیا تھا۔ اور پہلا چانس لے کر شو آنند کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے' اور کس قدر اس کے دل کے جذبات اپنے محسن

کے لئے پگھل کر رقیق ہو گئے تھے۔ اس وقت اگر بشن ملہوترہ حکم کرتے تو شو آنند اس کے لئے اپنی جان بھی دے سکتا تھا:

مگر بشن ملہوترہ کو گالی دینے کی بری عادت تھی۔ پھر وہ شو آنند کے کام سے خوش بھی نہیں تھا۔ ہر وقت اسے ڈانٹتا رہتا۔

"کیسے چلتے ہو تم؟ جیسے پاؤں میں بانس کے ڈنڈے بندھے ہوں!"

شو آنند بہتر چلنے کی کوشش کرتا' تو بشن ملہوترہ کہتا:

"کیا چھ مہینے کا حمل ہے؟"

اس پر بشن ملہوترہ کے حواری دو چار آٹھ دس جتنے بھی وہاں موجود ہوتے کورس میں قہقہہ لگاتے۔

اور شو آنند کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو جاتا' اور اس کا جی چاہتا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ یا وہ ایسے زور کا گھونسہ بشن ملہوترہ کے منہ پر مارے کہ اس کے محسن کا جبڑا کھل جائے۔ مگر وہ بالکل بے بس اور مجبور تھا۔ یہ اس کا پہلا چانس تھا' اور یہ چانس اسے بشن ملہوترہ نے دیا تھا۔

"تمہیں زندگی بھر ایکٹنگ نہیں آئے گی!"

بشن ملہوترہ اس سے اکثر کہا کرتا تھا:

"ایک گنڈے کے چہرے پر بھی تم سے زیادہ جذباتی تاثر ہوتا ہے۔ تم کسی چڑیا گھر میں جا کے ملازم کیوں نہیں ہو جاتے؟"

"بھاپے! بیٹا ہوں تیرا۔"

شو آنند اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہتا۔

"بیٹا تو ہے مگر حرامی!"

بشن ملہوترہ اسے جواب دیتا۔

اور پھر اس کے خوشامدی اور حواری زور سے قہقہے لگاتے۔

اور شو آنند اپنے غصے کو اندر ہی اندر کچل کے اپنی روح کی پوری قوت سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہتا:

"بھاپے' اگر چانس دیا ہے تو آدمی بھی بنا دو!"

"اچھا' جا کھڑا ہو جا ہیروئن کے سامنے' اور عشق کر اس سے!"

اور شو آنند کی عشقیہ ایکٹنگ دیکھ کر تو بشن ملہوترہ بالکل آگ بگولہ ہو جاتا' اور کف آلود لہجے میں گالیاں بکتا ہوا کہتا:

"ارے تو عشق کرتا ہے کہ لوہار کی دھونکنی چلاتا ہے' الفاظ تو سنائی دیتے نہیں' بس سانس ہی سانس سنائی دیتی ہے۔ ابے الو کے چرخے' محبت کرنے میں اور ہتھوڑا چلانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ نکل جا اسٹوڈیو سے!"

کئی دفعہ بشن ملہوترہ نے شو آنند کو سیٹ سے نکال دیا تھا اسٹوڈیو سے باہر بھیج دیا تھا۔

اور دل ہی دل میں شو آنند نے اپنے محسن کے گلے پر چھری پھیر کر' اس کی بانہیں کاٹ کے' ٹانگیں الگ کر کے' اس کے جسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے کوٹ کوٹ کر اس کا قیمہ کیا تھا۔ اور دانت پیس پیس کر اپنے بالوں کو کھینچ کھینچ کر اپنی بد قسمتی کو بد دعا دی تھی۔

مگر پھر غصہ ڈھل جانے پر بشن ملہوترہ نے اپنے اسسٹنٹ کو بھیج کر شو آنند کو واپس سیٹ پر بلا لیا تھا۔

اور شو آنند بھی اپنے پہلے چانس کی خاطر اپنے غصے کو دل میں دبائے واپس آ جاتا تھا!

مگر اب بشن ملہوترہ کا وہ زمانہ ختم ہو چکا تھا!

جیسے ہر چیز اپنے عروج کو پہنچ کر مائل بہ زوال ہو جاتی ہے' اور ایک مقام پر آ کے ختم ہو جاتی ہے' اسی طرح اب بشن ملہوترہ کے عروج کا زمانہ ختم ہو چکا تھا!

گزشتہ پانچ سال میں اس نے پانچ تصویریں بنائیں' اور پانچوں کی پانچوں ناکام رہیں۔

اور اس کی امپالا بک گئی۔

فلیٹ بک گیا۔

بیوی کا زیور بک گیا۔

فلم کمپنی ختم ہو گئی۔

بینک نے حساب بند کر دیا۔

یار دوست کنارہ کر گئے۔

وہ بیمار پڑ گیا۔ اتنا بیمار پڑا کہ موت آنکھوں کے سامنے ناچنے لگی۔۔ اور جب وہ اپنی طویل بیماری سے اٹھا تو وہ ایک ناکام شکستہ دل آدمی تھا' اور ایسا لگتا تھا کہ اس آدمی کے جسم کی ایک ایک ھڈی ٹوٹ چکی ہے۔

'کسی آدمی کو ناکام نہ ہونا چاہیے!

بشن ملہوترہ کی آنکھیں کہہ رہی تھیں:

'آدمی کو چاہئے کہ وہ اس ناکامی سے بچنے کے لئے کچھ بھی کر لے قتل کر لے' دھوکا دے لے اور اپنے دوست کا گلا کاٹ لے' اپنے بھائی کے گھر میں گھس کر اس کی عزت لے لے' مگر ناکام نہ رہے۔ اس لئے لازم ہے تم پر کہ تم اس کامیابی کے لئے جھوٹ بولو' چوری کرو' ڈاکہ ڈالو' اپنے ضمیر کو کچلو اور دوسرے کے ضمیر کو دھوکا دو۔ کچھ بھی کرو۔ اس کامیابی کے لئے اپنے آپ کو بیچ دو' اپنی بیوی کو بیچ دو' اپنی ماں کو بیچ دو' مگر ناکام مت رہو۔ کیوں کہ اگر تم ناکام ہوئے تو وہ لوگ تمہیں بیج نہیں دیں گے اور پھول نہیں دیں گے۔ دھرتی نہیں دیں گے اور سورج کو تم سے چھین لیں گے' اور تم کوڑے کے ڈھیر پر ڈال دیئے جاؤ گے' کیوں کہ تم ناکام ہو۔ یہ دنیا ایک قاتل کو معاف کر سکتی ہے' مگر ایک ناکام کو نہیں!"

بشن ملہوترہ کی آنکھوں نے حقیقت کو میک اپ کئے بغیر دیکھ لیا ہے۔ حقیقت کو میک اپ کے بغیر دیکھنا کتنا مشکل ہے۔ اور زندگی سے جب میک اپ اکھڑ جاتا ہے تو وہ کتنی بھیانک معلوم ہوتی ہے۔

شاید اسی لئے لوگ طوائف کو سوسائٹی گرل کہتے ہیں۔

بدمعاشی کو کلچرل پروگرام کہتے ہیں۔

دھوکے کو بزنس' خوشامد کو شائستگی اور قتل کو حب الوطنی کہتے ہیں۔

بشن ملہوترہ کی آنکھوں کا سامنا کرنا آسان نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر بشن ملہوترہ کی آنکھوں میں زیادہ دیر تک دیکھا' تو وہ دھیرے دھیرے آپ کے ہر جذبے کو نوچ کر ننگا کر دیں گی!

اور جب بشن ملہوترہ بالکل ٹوٹ گیا' جھک گیا' مایوسی کے آخری کنارے پر پہنچ گیا تو شوآنند نے اسے ایک پکچر میں ہدایت کاری کا چانس دلادیا۔ کیونکہ اب بشن ملہوترہ زوال کے آخری زینے پر تھا اور شوآنند ایک کامیاب ہیرو بن کر ترقی کی اس منزل پر تھا جہاں وہ ہر اس پکچر کے لئے جس میں وہ ہیرو ہوتا' ڈائریکٹر کا انتخاب کر سکتا تھا' نہ صرف ڈائریکٹر کا بلکہ اسٹوری رائٹر کا' ہیروئن کا' ولن کا' میوزک ڈائریکٹر سے لے کر ایک ایکسٹرا تک کے انتخاب میں اپنی رائے ظاہر کر سکتا تھا۔ اور ہر بات میں اس کی رائے آخری ہوتی تھی' اور بالآخر مانی جاتی تھی۔ اس لئے جب اس نے کہا پروڈیوسر اسحاق میمن سے کہ:

"اس فلم کا ڈائریکٹر بشن ملہوترہ ہوگا!"

تو پروڈیوسر اسحاق میمن ہاتھ جوڑ کر بولا:

"بندہ پرور میں تو خود اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا!"

شوآنند نے بڑی محبت سے بڑی ملاطفت اور نرمی سے بشن ملہوترہ کو سمجھایا کہ اسے کیمرہ کہاں رکھنا چاہئے۔ اور جب شاٹ ہو گیا تو شوآنند کے بہت سے حواری ایک دم چیخ اٹھے!

"یہ شاٹ ہے کہ تباہی ہے۔ اوئے ہوئے قیامت ہے' قیامت! ارے شوآنند کیا شاٹ دیا ہے تم نے؟ گریگری پیک کو کھا گئے ہو! صفا کھا گئے ہو!"

"ارے کیا چیز ہو تم!"

ایک بڈھا کہنہ مشق ایکٹر جسے شوآنند نے اس پکچر میں کام دلایا تھا۔ شوآنند کے گھٹنے چھو کر بولا۔

"شوآنند سچ کہتا ہوں' اسے تعریف مت سمجھنا۔ اس بڈھے بیڈ کر نے بال جی پنڈھار کر سے یعقوب اور ڈی بکشت تک بڑے بڑے جغادری ایکٹروں کے ساتھ کام کیا ہے مگر قسم لے لو بھگوان کی جو آج تک ایسا شاٹ کبھی دیکھا ہو!"

بشن ملہوترہ آنکھوں میں آنسو بھر کر سامنے حاضر ہوا۔ پہلے تو اس نے شوآنند سے بڑے زور سے مصافحہ کیا۔ پھر اسے اپنے گلے سے لگا کے اس کا رخسار چوما اور کہا:

"ایسا شاٹ صرف ہالی وڈ کا برانڈو دے سکتا ہے!"

پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے' اور دوسرا سیٹ تیار کرنے چلا گیا۔

شو آنند بشن ملہوترہ کی تعریف سے بہت متاثر ہوا' اور اس نے تہیہ کر لیا کہ اگلی پکچر میں بھی وہ بشن ملہوترہ کے لیے سفارش کرے گا!

دوسرے شاٹ کی لائٹنگ میں ابھی گھنٹہ بھر کی دیر تھی۔ اس لیے شو آنند گلشن دیو کو لے کر الگ سیٹ کے ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ ایک عرصے سے گلشن دیو ایک معاملہ چلا رہا تھا' اور اب وہ معاملہ ڈھرے پر بیٹھتا نظر آ رہا تھا۔

یونسکو والے دو کروڑ کے سرمائے سے برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ کے موضوع پر ایک تصویر تیار کرنا چاہتے تھے۔ یہ ایک بین الاقوامی تصویر ہوگی' جو دنیا کے ہر ملک میں دکھائی جائے گی' اور دنیا کی ہر زبان میں ڈب کی جائے گی۔

گلشن دیو نے مہینوں کی تکڑم کے بعد اس فلم کے بنانے کا ٹھیکہ حاصل کر لیا تھا۔ اور شو آنند کو اس فلم کا ہیرو چنا تھا' اور ہیروئن مشہور اٹالین فلم اسٹار ہمبرٹو اس کے مقابلے پر چن لی گئی تھی پہلی بار شو آنند ایک بین الاقوامی فلم میں کام کر رہا تھا اور اس لیے بے حد خوش اور مگن نظر آ رہا تھا۔

آج گلشن دیو اس سے اس پکچر کی شوٹنگ کے دن طے کرنے آیا تھا' اور شو آنند اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں پھیلائے اس سے کہنے لگا:

"لے لو نا' مہینے میں جتنے دن چاہئیں' سب لے لو' باقی سب لوگوں کو بعد میں ڈیٹ دوں گا' مگر تم کو پہلے' پیارے!"

"ارے وہ تو میں پہلے ہی جانتا تھا"۔

گلشن دیو شو آنند کے شانے پر تھپکی دے کر بولا:

"تو تو پرنس ہے ہیرو لوگوں میں' پرنس! دوسرا کوئی ہیرو تیرے پاؤں کی گرد نہیں چھو سکتا ہے!"

یکایک ایک حواری نے آگے بڑھ کر فوراً" شو آنند کے پاؤں چھو لیے۔۔۔

شو آنند بناوٹی غصے سے چلایا:

"ارے کیا کرتے ہو کیا کرتے ہو جمنا داس؟"

جمنا داس اس کے پاؤں کی دھول اپنے ماتھے سے لگاتے ہوئے بولا:

"شاید اسی طرح مجھے ایکٹنگ آ جائے!"

اتنے میں بشن ملہوترہ شو آنند کے قریب آ کے کھڑا ہو گیا' اور بڑے ہی مجبور اور بے بس لہجے میں بولا:

"سمجھ میں نہیں آتا کیمرہ کہاں رکھوں؟"

"ابھی دیکھتے ہیں"

یہ کہہ کر شو آنند اٹھ کر بشن ملہوترہ کے ساتھ ہو لیا۔

گلشن دیو بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

"سب بڑے بڑے اخباروں میں دو دو صفحے بک کر رہا ہوں پبلسٹی کے لیے۔ سینٹرا سپریڈ (Centar.spread) بیچ میں تمہاری تصویر!"

گلشن اسے بتا رہا تھا۔۔۔

"یہ ہوئی نہ بات!"

شو آنند کی آنکھیں مسرت سے روشن ہو گئیں!

"مجھے تمہاری ایک بڑی تصویر چاہیے' پبلسٹی کے لیے! کل اپنے فوٹو گرافر کو تمہارے گھر پر بھیج دیتا ہوں۔ تمہاری تصویریں لے لے گا!"

گلشن دیو نے مشورہ دیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

شو آنند بولا۔

"پرسوں بلبل نے میری ایسی عمدہ تصویر لی ہے' ایسی عمدہ تصویر لی ہے کہ کیا کوئی پیشہ ور فوٹو گرافر لے گا۔ کیوں جمنا داس؟"

شو آنند نے مڑ کر اپنے حواری سے پوچھا۔

جمنا داس نے اپنے ہونٹ پھیلا کر زبان ذرا سی باہر نکال کر آنکھوں میں حیرت لا کر کہا:

"تصویر کیا ہے تباہی ہے تباہی!"

"قیامت ہے قیامت!"

دوسرا حواری بولا۔

"وہ تو پیدائشی فوٹو گرافر معلوم ہوتی ہے اپنی بلبل بھابی!"

تیسرے حواری نے لقمہ دیا۔

"میں ابھی جا کے اس سے تصویر لیتا ہوں!"

گلشن دیو نے شو آنند سے کہا' اور انگلی پر اپنی کار کی چابی گھماتا ہوا سیٹ کے باہر چلا گیا!

دھیرے دھیرے گذشتہ چند دنوں میں بلبل نے بہت سے فیصلے کر لیے تھے پہلا فیصلہ یہ تھا کہ لڑکا ہو گا۔ ہو گا تو لڑکا ہی' اور وہ اس کا نام شوراج رکھے گی!

شوراج کی شکل و صورت کے بارے میں بھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ شوراج کا قد تو اپنے باپ کی طرح لمبا ہو گا اور شکل بھی ایسی ہو گی' مگر شوراج کے ہاتھ اپنے باپ کی طرح لمبے چوڑے اور کھردرے' اور بے ڈول نہیں ہوں گے۔ اس کے ہاتھ تو اپنی ماں کے سے ہوں گے۔ کم سے کم انگلیاں تو ماں کی انگلیوں کی طرح خوب صورت ہوں گی۔ اور ہونٹ وہ اپنے نانا کے لے لے گا۔ اور وہ پرکاش رندھاوا کی طرح انجینئر ہو گا' اس کا بیٹا فلم اسٹار نہیں ہو گا۔ ورنہ وہ اپنی ماں کے کہنے میں نہ ہو گا۔

اور بیوی ۔۔؟

ابھی اس کی بیوی کے لیے فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر شوراج کی بیوی بہت خوب صورت ہو گی۔ تقریباً لونگی ہو گی' اور ہر روز اپنی ساس کے پاؤں دھو کر پیا کرے گی۔

اور جب شوراج چھ سال کا ہو جائے گا' تو وہ اس کی چھٹویں سالگرہ پر ایک بہت بڑی پارٹی کرے گی۔ جس میں وہ پرکاش رندھاوا اور اس کی بیوی کو بلائے گی۔ اور پرکاش رندھاوا اور اس کی بیوی کے سامنے اپنے پیارے بچے کو کھڑا کر کے کہے گی:

"دیکھو' یہ ہے میرا بیٹا شوراج! اچھی طرح اسے دیکھ لو۔ کیا تم نے دنیا میں کہیں پر بھی ایسا حسین بچہ دیکھا ہے؟"

۔۔۔ اپنے کسی بھی بچے سے اس کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔۔۔ دیکھ لو اس کی بڑی بڑی کالی چمکتی آنکھیں اور سیاہ گھنگھریالے بال اور رنگ گلابی جیسے موتی کی سیپ کا' اور ماتھا چوڑا جیسے آسمان کا اور ہنسی ایسی معصوم اور سفید اور چمکتی ہوئی جیسے بہت سے ستاروں کو

ایک گھنٹی کی لڑی میں پرو کے چھوڑ دیا جائے۔۔۔ چھن، چھن، چھن۔۔۔ ایسے تو میرا بیٹا ہنسے گا! آؤ تو دیکھو میرے پہلوٹی کے پیارے سندر بیٹے کو جیسے اندر سنگھاسن پر بیٹھے ہوں ایسے میرا بیٹا میری گود میں بیٹھا ہے!

یہ محسوسات اس کے لیے بالکل نئے اور عجیب تھے۔ اور وہ چند دنوں تک بالکل ان میں ڈوبی رہی۔ اور اس نے شو آنند کو بھی کچھ نہیں بتایا۔

وہ چند دنوں تک اپنے بیٹے کے ساتھ اپنے خیالوں میں بالکل اکیلی رہنا چاہتی تھی، اور چند دنوں تک وہ اپنے بیٹے کی خوشی میں کسی کو حصے دار نہیں بنانا چاہتی تھی کسی کو بھی نہیں۔۔۔ شو آنند کو بھی نہیں!

بچہ اس کی کوکھ میں تھا۔

بچہ اس کی گود میں تھا۔

بچہ باغیچے میں اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

بچہ اس کا دودھ پی رہا تھا۔

وہ چھپ گئی تھی، اور بچہ روتا ہوا اسے تلاش کر رہا تھا۔ اور خوشی کی ایک چیخ مار کر بچے نے اسے ڈھونڈ لیا تھا، اور دھم سے اپنے بچے کو بانہوں میں اٹھا کے اسے اوپر آسمان کی طرف اچھال کے پھر سے اسے گود میں اٹھا لیا تھا، اور وہ شوراج کو اپنے سینے سے لگا کے اسے پیار سے تھپکتے ہوئے ہنسنے لگی تھی۔

"کیوں ہنس رہی ہو؟"

شو آنند نے کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے بلبل سے پوچھا۔

بلبل نے چونک کر شو آنند کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا۔ گھبرا کر کمزور آواز میں بولی:

"کچھ نہیں، یونہی!"

"یونہی کیا؟ یونہی بھی کوئی ہنستا ہے؟"

شو آنند نے پوچھا۔

"لو آم کھاؤ۔ یہ گوا کا الفانزو ہے۔ گوا کی آزادی سے پہلے یہ آم بمبئی میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ مگر اب تو برابر آرہا ہے۔ آزادی کا میٹھا پھل!"

گوا کا الفانز وکھاتے کھاتے بلبل پھر خوابوں میں کھو گئی۔ یہ میٹھا' مفرح تازہ رس اس کے حلق میں سے گزر کر کہاں جاتا ہے کہیں پر دور دراز نیچے اس کے پیٹ میں ایک بچہ بیٹھا ہوا ہے' اور آم کی گٹھلی چوس رہا ہے۔

یہ سوچتے ہی وہ کھل کھلا کر پھر ہنس پڑی!

"باؤلی ہوئی ہو' خود بخود ہنس پڑتی ہو!"

شو آنند نے حیرت آمیز مسکراہٹ سے کہا:

"بات کیا ہے؟"

"محبت کا میٹھا پھل!"

بلبل نے لجاتی ہوئی نگاہوں سے شو آنند کی طرف دیکھا' اور میز کے نیچے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دیا۔ شو آنند اس کی بات بالکل نہیں سمجھا۔

وہ اس وقت کسی کی بات سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ وہ گوا کے نرم' میٹھے ملائم رسدار آم کھا رہا تھا' اور اپنے نئے کانٹریکٹ کی مسرت میں مگن تھا۔

ایسے میں آم اگر کھٹے بھی ہوتے تو میٹھے لگتے!

ایسے میں شو آنند بھی بلبل کو بہت اچھا لگ رہا تھا پیلا پیلا سنہرا رس اس کی انگلیوں سے بہہ رہا تھا۔ اور ام کی گٹھلی شو آنند کے منہ میں تھی۔ اور اس کے ہونٹوں کے کناروں سے آم کا سنہرہ رس جھانک رہا تھا۔ وہ اس وقت بالکل ایک چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا' جو ٹانگیں پسارے کسی تالاب کے کنارے بیٹھا ہوا آم چوس رہا ہو!

ایک مبالغہ آمیز حرکت سے شو آنند نے ایک لمبا سانس اندر کو کھینچ کر گٹھلی کو زور سے چوسا' اور بولا:

"ایک بہت میٹھی خبر ہے!"

"کیا؟"

بلبل نے پوچھا۔

"میں ایک بین الاقوامی پکچر میں کام کر رہا ہوں' جو یونسکو کی زیر نگرانی تیار ہو گی' اور دنیا کے سب ملکوں میں دکھائی جائے گی۔ اس پکچر کا ٹھیکہ گلشن دیو کو مل گیا ہے' اور اس نے مجھے ہیرو لیا ہے!"

"اور ہیروئن؟"

بلبل نے پوچھا۔
"ہیروئن کوئی مشہور اٹالین ایکٹریس ہے۔ کہانی بالکل تیار ہے بہت جلد اس پکچر کی شوٹنگ شروع ہو جائے گی!"
"یہ تو واقعی بڑی اچھی خبر ہے!"
"گلشن دیو نے پیسے بھی بہت اچھے دیئے ہیں۔ آج تک کسی ہندوستانی ہیرو کو کسی پکچر کے لیے اتنے پیسے نہیں ملے ہیں! اور مزے کی بات یہ ہے کہ میرے کانٹریکٹ کی رقم پوری کی پوری مجھے فارن کرنسی میں مل جائے گی۔ آج کل فارن ایکسچینج کی کتنی دقت ہے۔ تمہیں معلوم تو ہے۔ اب ہم مزے سے وہ سارا روپیہ یورپ اور امریکہ کے کسی بنک میں رکھوا دیں گے' اور مزے میں یورپ گھومیں گے' اور جو جی میں آئے خرید لیں گے!"
"ہرے!"
بلبل ہاتھ اٹھا کر بولی۔
"اب میں نویں مہینے سوئٹزرلینڈ جاؤں گی!"
"نو مہینوں کے بعد کیوں؟ اگلے مہینے کیوں نہیں؟ جب شوٹنگ شروع ہو گی!"
شو آنند نے حیرت سے پوچھا۔
"احمق ہو!"
بلبل نے معنی خیز نگاہوں سے شو آنند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
"اتنا بھی نہیں جانتے کہ بچہ نویں مہینے پیدا ہوتا ہے!"

قدرتی طور پر شو آنند یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت اٹھ کر بلبل کو اپنی بانہوں میں لے لیا تھا۔ اور آم کے رس سے چپ چپاتے میٹھے ہونٹ بلبل کے ہونٹوں پر رکھ دیئے تھے' اور بلبل کے پروٹسٹ کرنے کے باوجود اس نے بلبل کو اپنے بازوؤں میں اٹھالیا تھااور بیڈ روم میں لے جاکر خود اپنے ہاتھوں سے اسے پلنگ پر لٹادیا تھا۔

"کیا کرتے ہو؟"

بلبل چیخی:

"میں خود بیڈ روم تک چل کے جا سکتی ہوں!"

"چلنا منع ہے!"

شو آنند بولا۔

بستر کے قریب کی تپائی سے جب بلبل پانی پینے کے لیے پانی کا جگ اٹھانے لگی تو شو آنند نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا' بولا۔۔

"بوجھ اٹھانا منع ہے!"

"مگر میری بات تو سنو؟"

"ہش!۔۔بات کرنا منع ہے!"

"باؤلے ہوئے ہو؟"

بلبل خود بھی خوشی سے گلنار ہوتے ہوئے بولی:

"کیا تم پہلے آدمی ہو اس دنیا میں جس کے گھر بچہ پیدا ہونے والا ہے؟"

"میں بالکل اسی طرح محسوس کرتا ہوں!"

شو آنند نے دونوں ہاتھ اٹھاکر چھت کی طرف پھیلادیئے!

پھر یکایک اس نے اتر کر غالیچے پر لوٹ لگائی' اور سر نیچا اور ٹانگیں اوپر کر کے زور سے چلایا:
"یاہو!"

شام کو اس نے اپنے کمرے سے گلشن دیو سے بات کی' اور دیر تک ٹیلی فون پر اس سے گفتگو کرتا رہا۔ اور بڑی دیر تک ان دونوں میں کسی مسئلے پر بحث ہوتی رہی۔
اور جب شو آنند نے ٹیلی فون بند کیا' تو اس کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
شام کا بیشتر حصہ اس نے خاموشی میں گزارا' اور رات کے کھانے پر بھی وہ تقریباً" خاموش رہا۔
بلبل نے دو ایک بار اسے ہنسانے کی کوشش کی' مگر ناکام رہی۔ اور پوچھنے پر بھی وہ یہ معلوم نہ کر سکی کہ شو آنند کی غیر معمولی خاموشی کا راز کیا ہے؟
ڈنر کے بعد وہ دونوں بہت جلد خواب گاہ میں چلے گئے۔ حالانکہ ڈنر کے بعد وہ دونوں بالعموم واپس ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھتے تھے۔ کچھ دیر فلمی رسالے پڑھتے تھے۔ کافی پیتے تھے' اور ادھر ادھر کی خوش گپیوں سے دل بہلاتے تھے۔ مگر آج شو آنند کے مشورے پر وہ دونوں بہت جلد اپنی خواب گاہ میں چلے گئے!
شو آنند کچھ عرصے تک تو ایک اسکینڈے نیوین آرام کرسی پر لیٹا ہوا اپنے قہوے کی تپائی کے میز پوش کا ایک کونا ادھیڑتا رہا' اور کانچ کے چھوٹے سے وائن گلاس میں سونف کی شراب پیتا رہا!
"بات کیا ہے؟"
بلبل شو آنند کی چڑھی ہوئی تیوری دیکھ کر بولی:
"شام سے پوچھ رہی ہوں۔ مگر کچھ بتاتے نہیں ہو؟"
"گلشن دیو سے ٹیلی فون پر بات ہوئی تھی!"
"کیا کانٹریکٹ کینسل ہو گیا؟"
نہیں تو مگر ہو سکتا ہے!"
"بات کیا ہے؟"

بلبل کسی قدر تلخ ہو کر بولی۔

"صاف صاف بات کیوں نہیں بتاتے ہو۔۔۔ وہ کانٹریکٹ کیوں کینسل کر رہا ہے؟"

شو آنند نے وائن گلاس خالی کر دیا' اور اسے زور سے آتشدان میں پھینکتے ہوئے کہا:

"یہ بچہ نہیں ہو سکتا!"

"ارے یہ میرا چیکو سلواکی کانچ کا وائن سیٹ تھا!"

بلبل غصے سے آتش دان کی طرف دیکھتے ہوئے بولی جہاں وائن گلاس ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گیا تھا!

پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولی:

"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

"کیونکہ جس فلم کا میں ہیرو ہوں اس کا موضوع فیملی پلاننگ ہے' برتھ کنٹرول۔ یہ ایک انٹرنیشنل پکچر ہے' اور اس کا کانٹریکٹ گلشن دیو نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے' اور وہ کہتا ہے کہ اگر میرے دشمنوں کو خبر ہو گی کہ جس فلم کا مرکزی خیال فیملی پلاننگ ہے' اس فلم کے ہیرو کے گھر فلم بننے کے دوران ہی میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو سوچو تو ذرا' اس کی فلم کی پبلسٹی پر کتنا برا اثر پڑے گا!"

یکایک بلبل کا چہرہ پیلا پڑ گیا:

"پھر تم نے کیا کہا؟"

"پھر میں کیا کہتا؟ تم ہی بتاؤ!"

نگاہیں نیچی کرتے ہوئے شو آنند دھیرے سے بولا۔

"وہ کہتا ہے اگر تمہارے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کی فلم بالکل بیٹھ جائے گی!"

بہت دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی رہی۔۔۔ کلاک کی ٹک ٹک بڑے زور سے بلبل کے دل میں بجنے لگی' جیسے کسی نے اس کی کوکھ کے اندر ایک پھانسی لٹکا دی ہو' اور کوئی سنگ دل جلاد ہاتھ میں کلاک لئے ٹک ٹک کرتا ہوا اس کے بچے کی طرف قدم بڑھا رہا ہو!

یکایک بلبل نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے پیٹ پر رکھ لئے' اور چلا کر بولی:

"میں نہیں دوں گی۔ میں اپنا بچہ کسی کو نہیں دوں گی!"

"کون تمہارا بچہ لینا چاہتا ہے؟"

شو آنند کسی قدر ترش روی سے بولا:

"سوال تمہارے بچے کے لینے دینے کا نہیں ہے۔ سوال تمہارے بچے کے ہونے کا ہے!۔۔۔۔وہ سب چاہتے ہیں کہ یہ بچہ نہ ہو:

"تو تم یہ کانٹریکٹ چھوڑ دو!"

بلبل نے مشورہ دیا۔

"ہمارے پاس کافی روپیہ ہے!"

"واہ! اپنی زندگی کا پہلا کانٹریکٹ چھوڑ دوں"۔

شو آنند نے شکایت آمیز لہجے میں پوچھا:

"کون جانے، پھر کبھی ایسا موقع نہ ملے، انٹرنیشنل مارکیٹ میں آنے کا!"

"انٹرنیشنل مارکیٹ تیرے بچے سے زیادہ اہم نہیں ہے!"

بلبل زور سے چلا کر بولی۔

"بچہ تو بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔"

شو آنند بلبل کو سمجھانے لگا:

"دو سال کی تو بات ہے۔ دو سال کے بعد جب یہ پکچر ختم ہو کے ریلیز ہو جائے گی، پھر کس کو پروا ہوگی۔ ہم کیوں نہ دو سال کے لئے انتظار کر لیں، اور اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھالیں! کیا بچہ دو سال کے بعد نہیں ہو سکتا؟"

"مگر یہ میرا پہلوٹی کا بچہ ہے!"

بلبل خوف زدہ ہو کر چیخی۔

"تمہیں کوئی حق نہیں ہے میرے بچے کو مجھ سے چھیننے کا!"

"کون بچہ چھیننے کی بات کر رہا ہے؟"

شو آنند اسے نرمی سے سمجھانے لگا۔

"بچے تو بعد میں بھی ہو سکتے ہیں، اور ہوں گے۔ ہم دونوں ابھی نوجوان ہیں، اور دو تین سال کے بعد بھی نوجوان ہی رہیں گے۔ میں تمہاری گود بچوں سے بھر دوں گا۔ مگر اس بار تم جانے دو!"

شو آنند گہری معنی خیز نظروں سے بلبل کی طرف دیکھنے لگا۔

بلبل سر سے پاؤں تک کانپ گئی!

"تمہارا مطلب ہے............؟؟"

وہ رک رک کر پوچھنے لگی۔

"ہاں........."

شو آنند سرہلا کر بولا:

"میرا مطلب وہی ہے۔۔اسقاط!"

"نہیں، نہیں!"

بلبل سرہلا کر بڑی مضبوطی سے بولی:

"میرا بچہ میری کوکھ میں زندہ رہے گا۔ تمہارا کانٹریکٹ رہے نہ رہے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ مگر میرا بچہ زندہ رہے گا۔ میں اپنی جان پر کھیل کر بھی اس کی حفاظت کروں گی!"

"عقل کی بات کرو بلبل!"

شو آنند بولا،

اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار جو آگے بڑھے!"

بلبل بھوکی شیرنی کی طرح تڑپ کر اٹھی، اور اس نے پانی کا بھرا ہوا جگ اٹھالیا، اور بولی:

"ایک قدم بھی آگے بڑھے تو میں یہ جگ اٹھا کے تمہارے سر پر ماردوں گی! خبردار جو تم نے پھر کبھی میرے بچے کے لئے ایسی بری بات اپنے منہ سے نکالی، تمہارا خون پی جاؤں گی!"

ہاتھ میں جگ اٹھائے ہوئے بلبل بڑی تیزی سے شو آنند کی خواب گاہ سے نکل گئی، اور بھاگ کر اپنے کمرے میں گھس کر اندر سے چٹخنی چڑھا کے اپنے بستر پر لیٹ گئی!

وہ زور زور سے ہانپ رہی تھی، اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے سامنے کی دیوار کو دیکھ رہی تھی!!

رات بھر بلبل کو نیند نہیں آئی۔ اپنے ماں باپ سے وہ لڑ چکی تھی، اس لئے ان کے پاس واپس جا نہیں سکتی تھی۔ اور کون تھا جو اس وقت اس کی مدد کر سکتا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ وہ پولیس کے پاس جا سکتی تھی۔ مگر میاں بیوی کے جھگڑوں میں پولیس؟ کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے؟

ایسے آڑے وقت میں تو کوئی دوست ہی کام آ سکتا ہے۔ مگر جب بلبل نے غور کیا، تو اسے یہ سوچ کر حیرانی ہوئی کہ اس کے پاس سب کچھ تھا۔ حسن، دولت، شہرت، لاکھوں مداح مگر دوست ایک نہ تھا۔ اس کی جان پہچان کے حلقے میں اس وقت ایک انسان بھی ایسا نہ تھا، جو اس کی حمایت پر آمادہ ہو کر شو آنند سے ٹکر لے سکے۔

یکایک بلبل کو احساس ہوا کہ دنیا کی تمام نعمتوں کے میسر ہونے کے باوجود وہ کس قدر غریب ہے اور اکیلی ہے۔ اور اپنی مجبوری کا خیال آتے ہی اس کی سسکیاں اور ہچکیاں پھر تیز ہو گئیں، اور وہ اپنے بستر میں منہ چھپائے دیر تک روتی اور سسکتی رہی۔

صبح چار بجے کے قریب کہیں اس کی آنکھ لگی۔

پھر وہ دس بجے تک سوتی رہی۔

دس بجے کے قریب اس کے دروازے پر ایک ہلکی سی دستک ہوئی، اور چند لمحوں کے وقفے کے بعد پھر ہوئی، اور چند لمحوں کے وقفے کے بعد پھر ہوئی۔

نیند سے بوجھل آنکھوں کو ملتی ہوئی بلبل اٹھی اور آگے بڑھ کر اس نے دروازہ کھولا۔

باہر شو آنند ہاتھ میں چائے کی پیالی لئے کھڑا تھا!

"رات کو جو کچھ ہوا میں اس کے لئے معافی مانگتا ہوں۔"

شو آنند نے پر خلوص پچھتاوے کے لہجے میں کہا:

"کیا میں تمہارے کمرے کے اندر آسکتا ہوں؟"

بلبل مسرت سے کھل گئی۔ اسے شو آنند سے ایسے اچھے سلوک کی قطعاً کوئی توقع نہ تھی۔ اور ابھی رات ہی کو تو اس مسئلے پر ایسی شدید لڑائی ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے خوش ہو کر دروازہ اچھی طرح سے کھول دیا۔

شو آنند نے اندر آکر چائے کی پیالی ایک تپائی پر رکھ دی، اور تپائی کو بلبل کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا:

"میں نے یہ چائے اپنے ہاتھ سے تمہارے لئے بنائی ہے!"

بلبل کو حیرت پر حیرت ہو رہی تھی۔ مگر وہ خاموشی سے چائے پینے لگی۔

یہ شو آنند رات کے شو آنند سے بالکل مختلف تھا، بہت مہربان اور میٹھا اور مہذب، بالکل ایک نیا شو آنند!

"دراصل میں بھول گیا........"

وہ آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہنے لگا:

"مجھے یاد ہی نہ رہا۔ میں نے اس وقت اس مسئلے کو بالکل بزنس کے زاویئے سے پرکھا۔ یہ بالکل بھول گیا کہ تم ایک ماں بھی ہو۔ میں نے تمہارے جذبات کا بالکل احترام نہ کیا۔ بہت برا ہوں میں۔"

شو آنند نے دھیرے سے کہا۔

اس وقت وہ بلبل سے آنکھیں نہیں ملا رہا تھا۔ بیچ بیچ میں چور نگاہوں سے اسے دیکھ لیتا تھا۔

لانبی لانبی پلکوں کے اندر آدھی سوئی آدھی کھوئی آنکھیں، گلابی رخساروں پر شبنم کی سی تازگی اور شب خوابی کے شفاف گاؤن کے اندر بلبل کے سینے کی ہیجانی اور بال بکھرے ہوئے اور ننگی باہیں سیب کی ڈالیوں کی طرح جھکی ہوئی۔ بلبل اس وقت بالکل ایک تصویر کی طرح خوب صورت لگ رہی تھی۔

شو آنند نے اسے گہرے پیار کی نظروں سے دیکھا، اور بلبل اپنا سارا غصہ بھول کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس نے اپنی باہیں شو آنند کی گردن میں ڈال دیں۔ اور اپنا چہرہ اس کے سینے میں چھپا لیا اور دھیرے دھیرے سسکنے لگی۔

شو آنند نے اس کے ہونٹ چومے' اس کی آنکھیں چومیں' اس کی گردن چومی' اور گول سڈول ننگے شانے' اور اس کے بالوں سے کھیلتا ہوا بولا:
"میں بڑا احمق ہوں جی! میں تمہیں ستاتا ہوں۔ دراصل میں ایک مرد ہوں ناں' اور مرد کے دل میں عورت کا دل نہیں ہوتا ہے' اس لئے وہ عورت کے نازک جذبات مشکل سے سمجھ سکتا ہے!"
بلبل اس کے سینے کے بالوں میں انگلیاں الجھاتے ہوئے نیم سرگوشی کے لہجے میں بولی:
"وہ بہت خوبصورت ہوگا' تمہاری طرح۔ اور میں اس کا نام شوراج رکھوں گی۔ اور وہ راتوں کو ہم دونوں کے درمیان سویا کرے گا۔ اور کبھی رات کو جاگ کر سرک سرک کر تمہارے سینے سے لگ جایا کرے گا۔ جیسے میں اس وقت تمہارے سینے سے لگی ہوں۔ اور کیا تم اسے دیکھ سکتے ہو؟ اس کی تیسری سالگرہ پر زردوزی کے کام کی لکھنوی ٹوپی پہنے ہوئے' ایک چھوٹی سی ریشمی اچکن اور چوڑی دار پاجامہ پہنے ہوئے' پاؤں میں ننھے ننھے سے اطلسی جوتے' تتلا تتلا کر مجھے "ممی" کہتا ہوا......."
"جی نہیں!"
شو آنند نے اس کی بات کاٹ کے کہا:
"پہلے وہ ممی نہیں' ڈیڈی کہے گا!"
"ڈیڈی بہت بعد میں سیکھتے ہیں۔ پہلے تو بچہ ممی کہے گا۔ سبھی بچے پہلے ماں کا لفظ سیکھتے ہیں!"
"جی نہیں' جناب میرا بچہ تو پہلے ڈیڈی کہے گا!"
"ممی۔۔۔!"
اب بلبل کو بھی غصہ آگیا۔ وہ اس کے سینے سے الگ ہو کر بولی۔
"ممی نہیں ڈیڈی!"
"نہیں' ممی!"
"نہیں ڈیڈی!"
بلبل نے بستر سے ایک تکیہ اٹھا کے شو آنند کو دے مارا' اور شو آنند نے پلٹ کر وہی بلبل کو دے مارا۔ پھر جلدی سے آگے بڑھ کر اس نے بلبل کو اپنے گلے سے لگا لیا۔
اور دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں لپٹے لپٹے محبت اور مسرت کے احساس سے مسرور ہو کر ہنسنے لگے!

انہی دنوں بلبل کو ایک نئی تصویر میں پریم راہی کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔

پریم راہی گو ہیرو تھا مگر عورتوں کی طرح حسین تھا۔ گول بیضوی چہرہ' بڑی بڑی آنکھیں' کشمیری گال' گھنگھریالے بال اور دانت موتی کی لڑیوں کی طرح پروئے ہوئے اور بوٹا سا قد' پانچ فٹ چھ انچ۔۔ وہ اس طرح کا ہیرو تھا جو چودہ برس سے بیس برس کی لڑکیوں میں بہت مقبول ہوتا ہے۔ اور عورتوں سے زیادہ مردوں میں چاہا جاتا ہے۔

بلبل کو اس قسم کے نستعلیق قسم کے ہیرو مطلق پسند نہیں تھے۔ مگر فلم میں تو ہر قسم کے ہیرو سے پریم کرنا پڑتا ہے۔ چاہے جی چاہے نہ چاہے' بلبل اکثر پریم راہی کو سیٹ پر چھیڑا کرتی تھی:

"پریم جی' اگر آپ کبھی پہن لیں' ریشمی شلوار دوپٹہ جالی کا' تو مزا آجائے!"

"آپ کی کمر کا خم اس پتلون میں واضح نہیں ہوتا۔ اگر آپ شفان کی ایک ساڑھی پہن لیں۔۔۔۔۔؟"

"ذرا بچ کے..... بابو جی..... کہیں پاؤں میں موچ نہ آجائے!"

اور پریم ان جملوں کی تاب نہ لا کر عورتوں کی طرح شرم سے لال ہو جاتا تھا۔

اس کے حسن میں ایک عجیب سی نسائیت تھی۔ اور بالعموم وہ ایسی سماجی تصویروں میں کام کرتا تھا جس میں ہیرو کا کام زیادہ سے زیادہ آہیں بھرنا ہوتا ہے۔ اور دن میں کئی جوڑے کپڑے بدلنے ہوتے ہیں ایسی تصویروں میں اس کی اداکاری بہترین ہوتی تھی۔

یہ بات نہیں تھی کہ پریم راہی مرد نہیں تھا' یا عشق نہیں کر سکتا تھا' مگر وہ خاموش قسم کا عاشق تھا۔ اور دھیرے دھیرے سلگتا رہتا تھا' اور ہاتھ پاؤں چلانے کے بجائے محبت میں ڈوبی ہوئی آنکھوں اور ٹھنڈی سانسوں سے اپنے عشق کا اظہار کرتا تھا۔

اس نے اپنی فلمی زندگی میں کوئی ڈیڑھ درجن ہیروئنوں سے عشق کیا تھا۔ مگر اس کے پریم کی رفتار اس قدر دھیمی ہوتی تھی' اس کی محبت کی آنچ اس قدر مدھم ہوتی تھی' اس کی گزارش احوال کا سلیقہ اس قدر مہذب ہوتا تھا کہ جب تک اس کے سلگتے ہوئے عشق سے کوئی چنگاری پھوٹے وہ ہیروئن اس کی ست روی سے عاجز آکر کسی دوسرے کی ہو چکی ہوتی تھی' اور پریم کمار سلگتا اور آہیں بھرتا ہی رہ جاتا تھا!

اس قسم کا واقعہ ایک دو بار نہیں' درجنوں بار ہو چکا تھا۔ مگر وہ بے چارہ اپنی عادت سے اس قدر مجبور تھا کہ پیہم ناکامیوں کے بعد بھی نہ اپنی عادت بدل سکتا تھا نہ اس کا نتیجہ۔ شاید اسے اسی قسم کے ناکام عشق میں مزا آنے لگا تھا۔ اور یہ عین ممکن تھا کہ اگر کوئی ہیروئن واقعی اس کے عشق سے متاثر ہو کر خود اس کی بانہوں میں گر جاتی تو وہ حیرت سے ششدر رہ جاتا' اور اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ اب وہ کیا کرے؟

پریم راہی نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ کیوں کہ وہ ناولوں' افسانوں اور شعر و شاعری کا بے حد دلدادہ تھا۔ اور ان چیزوں نے اسے اس درجہ قائل کر دیا تھا کہ شادی تو بہترین وہی ہوتی ہے جو محبت کی شادی ہوتی ہے۔ اور جو شادی محض ماں باپ کی مرضی سے طے کی جاتی ہے وہ صرف گھاس ہوتی ہے۔

بہرحال آدمی تھا دلچسپ' اور بلبل کو اسے چھیڑنے میں بہت مزا آتا تھا۔

"بابو جی' آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟"

وہ پوچھتی۔

"آپ دلہن ڈھونڈ دیجئے نا!"

وہ جواب دیتا۔

"آپ کے لئے تو ایک خاص طرح کی دلہن چاہئے"

وہ کہتی۔

"کس طرح کی؟"

وہ پوچھتا۔

"آپ کے لئے تو ایک ایسی دلہن چاہئے' جو سہرا باندھ کر آئے' کمر میں تلوار لٹکا کر گھوڑے پر سوار ہو کر آئے' اور آپ کو ڈولی میں بٹھا کر لے جائے!"

وہ کہتے کہتے قہقہہ مار کر ہنسنے لگتی۔ اور پریم راہی کا چہرہ شرم سے لال ہو جاتا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کھوئی کھوئی نگاہوں سے بلبل کو گھورنے لگتا۔ ٹھنڈی سانسیں بھرنے لگتا، اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا!

ہنسے جانے سے جب تک ہم ڈریں گے
زمانہ ہم پہ ہنستا ہی رہے گا
انہیں پائیں گے شاید جان کھو کر
یہ سودا پھر بھی سستا ہی رہے گا
ڈریں کیوں عشق سے، انجام جس کا
برا بھی ہو تو اچھا ہی رہے گا
شکایت کیا ہے درد دل کی راھی
اگر دل ہے تو دکھتا ہی رہے گا

"واہ، واہ! قیامت کے چبھتے ہوئے شعر ہیں!"
بلبل نے ہاتھ ہلا ہلا کر داد دی۔
پریم راہی نے جھک کر کہا:
"آداب عرض!"
"مجھے معلوم نہ تھا، آپ شعر بھی کہتے ہیں۔"
بلبل بولی۔
"جی، کبھی کبھی تک بندی کر لیتا ہوں۔"
پریم راہی نے عاجزی سے اور بھی جھکتے ہوئے کہا۔
وہ بلبل کی تعریف سے بہت مسرور ہو رہا تھا، اور بلبل کی آنکھوں میں تعریف کی چمک دیکھ کر اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔
"یہ غزل آپ کی ہے؟"
بلبل نے پوچھا۔
"ابھی آپ کی بے وجہ ہنسی کو دیکھ کر کہی ہے!"
پریم راہی نے اقرار کیا۔

بلبل چند لمحوں تک چپ رہی۔ بڑے میٹھے انداز سے مسکراتی رہی پھر یکایک کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔

"کیا بات ہے؟"

پریم راہی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہائے میرے بھولے شاعر!"

بلبل بولی:

"تمہیں تو اتنا بھی پتہ نہیں کہ یہ غزل فضل کریم فضلی کی ہے۔ اور پاکستان میں چھپ چکی ہے۔ تمہارا خیال ہے میں جاہل ہوں۔ میں کچھ پڑھتی وڑھتی نہیں ہوں؟"

کھسیانہ ہو کر پریم راہی سرخ ہوتا گیا سرخ ہوتا گیا۔ بیر بہوٹی کی طرح اس کا چہرہ لال ہو گیا۔

اس کی ذہنی تکلیف کو دیکھ کر بلبل نے اپنی نگاہیں دوسری طرف کر لیں!

کچھ دیر کے بعد جب پریم راہی نے اپنے کھسیانے پن پر قابو پالیا' تو بلبل کی طرف جھک کر بولا:

"شعر فضلی کے ہیں' مگر جذبہ تو میرا ہے۔"

"اور مقطع کا تخلص بھی آپ کا ہے؟"

بلبل نے چٹکی لی۔

اتنے میں ڈائریکٹر نے ان دونوں کے پاس آکر اعلان کیا

"شاٹ ریڈی ہے!"

چنانچہ بلبل اور پریم راہی اپنی جگہ سے اٹھ کر سیٹ کے اس کونے میں چلے گئے جہاں شاٹ تیار تھا۔

اور کیمرے کے سامنے پریم راہی نے رونے دھونے آنسو بہانے ٹھنڈی آہیں بھرنے اور سوز و گداز سے پگھل جانے کی وہ اداکاری کی کہ بلبل کا دل بھی پسیج گیا۔ اس نے پریم راہی سے تو کچھ نہیں کہا' البتہ شاٹ کے بعد فلم کی ویمپ یعنی نرملا رانی سے پریم راہی کی ایکٹنگ کی بہت تعریف کی۔

"بالکل دیو داس کی سی ایکٹنگ کرتا ہے"

نرملا رانی بولی۔

"اور کتنا دکھی اور معصوم لگتا ہے۔ جی چاہتا ہے اسے اپنی چھاتی سے لگا کر دودھ پلا دوں!"

زملا رانی بڑی ہی بد زبان، منہ پھٹ اور چلتر عورت تھی۔ ابھی وہ کچھ اور کہتی مگر بلبل جھینپ کر ہنستی ہوئی جلدی سے وہاں سے بھاگ گئی۔

ایک رات گلشن سیٹھ کھانے پر مدعو تھا۔
کھانا کھانے کے بعد کھانا ہضم کرنے کے لئے شو آنند اور گلشن دیر تک ڈیسپوٹ وائن پیتے رہے۔ اور ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے۔۔
سر شام ہی سے شو آنند نے بلبل کو بتا دیا تھا کہ گلشن سیٹھ کچھ بزنس اور کاروباری قسم کی باتیں کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ اس لئے کھانے کے بعد کافی پی کر بلبل بہت جلدی وہاں سے کھسک گئی' اور بیڈ روم میں بستر پر بیٹھ کر اور تین چار ریشمی تکیوں میں گھس کر ایک فلمی رسالے کا مطالعہ کرنے لگی۔
اور شو آنند کا انتظار کرتی رہی۔
مگر دیر تک شو آنند کے آنے کی کوئی خبر نہیں ملی۔
غالباً" کاروباری باتیں طویل ہوتی جا رہی تھیں' اور بلبل کو نیند آ رہی تھی۔
ہولے ہولے وہ اونگھنے لگی۔ ہولے ہولے رسالہ اس کے ہاتھ سے آپ ہی آپ چھوٹ گیا' اور وہ اس نیم غنودگی کے عالم میں تکیوں سے سر لگائے آدھی بیٹھی آدھی لیٹی ہوئی سو گئی۔ مگر یہ مکمل اطمینان کی نیند تھی۔ انتظار کے عالم کی نیند تھی۔
بہت رات گئے بلبل کو ایسا محسوس ہوا جیسے دھیرے سے شو آنند اس کی خواب گاہ میں داخل ہوا۔ اس کے بستر کی طرف بڑھا' اسی غنودگی کے عالم میں بلبل نے ایک موہوم سے طریقے سے شو آنند کی گرم گرم سانس اپنے رخسار پر محسوس کی۔
پھر جیسے کوئی کہہ رہا ہو:
"بلبل! بلبل!!"
"ہوں؟"

کہہ کر بلبل نے آنکھیں کھولنے کی ناکام کوشش کی، مگر عین اسی وقت کوئی ٹھنڈی چیز اس کی ناک سے لگی، اور ایک عجیب سی بو اس کے نتھنوں میں آئی جیسے یوڈی کلون کی۔ اس نے لمبے لمبے تین چار سانس لئے، اور پھر کسی گہری نیند کے تاریک سناٹے میں کھو گئی!

جب وہ ہوش میں آئی تو اس نے اپنے آپ کو کسی اسپتال کے پرائیویٹ وارڈ میں پایا۔ یہ کسی بہت ہی مخصوص اور عمدہ اور مہنگے قسم کے نرسنگ ہوم کا ایک کمرہ تھا۔

مدھم مدھم روشنی اور وہ چاندنی کی طرح شفاف اور براق بستر پر فوم ربر کے تکیوں کے درمیان لیٹی تھی۔ اس کے سر والا حصہ ذرا نیچے کو تھا اور دھڑ والا حصہ اوپر کو تھا۔ اور اس کے جسم کے اوپر ایک سفید چادر لپٹی ہوئی تھی۔

اور سفید گاؤن میں ملبوس ایک نرس اس پر جھکی ہوئی اس کی نبض دیکھ رہی تھی۔

نرس کے پیچھے چند قدم کے فاصلے پر شو آنند کھڑا تھا اور گہری ہمدردی کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

چند لمحوں تک بلبل چپ چاپ مٹر مٹر سب کی صورت دیکھتی رہی۔ کمرے کی دیواریں دیکھتی رہی۔ دواؤں کی تپائی دیکھتی رہی۔ نرس کے ہاتھ کی گھڑی دیکھتی رہی۔

پھر یکایک اسے احساس ہوا، جیسے اس کے دل کے اندر اس کے پیٹ کے اندر، اس کی کوکھ کے اندر کوئی جگہ خالی ہے۔ بالکل خالی ہے۔ ایک سونے اجاڑ ویران محل کی طرح بھائیں بھائیں کر رہی ہے۔ اور یکایک وہ چیخ کر بولی:

"ارے یہ تم نے کیا کر دیا؟"

اور اس کی پھٹی پھٹی نظریں حیرت اور وحشت سے شو آنند کو گھورنے لگیں۔

شو آنند آگے بڑھا، اور اس نے گہری ہمدردی کے لہجے میں اس سے کہا:

"کچھ نہیں بلبل۔ اب سب ٹھیک ہے۔ اب سب ٹھیک ہے!"

بلبل کا جی چاہا کہ وہ تڑپ کر بستر سے کھڑی ہو جائے اور شو آنند کا منہ نوچ لے۔

اس کا جی چاہا کہ وہ دو ہتڑ اپنے سینے پر مارے، اور رو رو کر ساری دنیا کو بتائے کہ اس کے ساتھ کیسا ظلم ہوا تھا۔ کیسا دھوکا ہوا تھا۔۔۔ اور یہ دھوکا اس کے شوہر ہی نے اسے دیا تھا۔

مگر اس کی دونوں ٹانگیں بندھی تھیں' اور اس کے ہاتھ نرس نے فوراً جکڑ لئے۔
اور بے بس' مجبور بلبل کے گلے سے فریاد کی دبی دبی چیخیں اور سسکیاں نکلنے لگیں۔
اور زارو قطار آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے!

"شوراج...... شوراج......"

اس نے سسکتے ہوئے کہا:

"میرے بچے!"

"الوداع شوراج! میرے بچے! تجھے تیرے باپ نے مار ڈالا۔ چند روپوں کی خاطر اس نے میری کوکھ کے دروازے پر چاندی کی ایک بہت بڑی دیوار کھڑی کر دی۔ تاکہ تو اس دنیا میں قدم نہ رکھ سکے۔ اس لئے تو نے اپنی ماں کی صورت نہیں دیکھی۔ اس کی لوری نہیں سنی۔ اس کی چھاتیوں سے دودھ نہیں پیا' اور اسی طرح بھوکا پیاسا ننگا اور نامکمل زندگی کے دروازے سے لوٹا دیا گیا۔ جانے اب تو کن اداس اور ویران راہوں میں تاابد بھٹکے گا' اور بلک بلک کر اپنی ماں کا نام پوچھے گا؟ اے میرے بے چہرے والے بھولے بچے آجا' میرے کلیجے سے لگ جا میرے ادھورے لال' ہائے یہ کیسا درد ہے' جو رہ رہ کر میری کوکھ سے اٹھتا ہے۔۔۔ یہ دردزہ نہیں ہے۔ یہ دردزہ نہیں ہے۔ یہ چاندی کا گھاؤ ہے' یہ چاندی کا گھاؤ ہے!!

بلبل دو مہینے کے قریب نرسنگ ہوم میں رہی۔ مگر اس کے خیالات اور محسوسات شو آنند کے لئے ایک دم بدل گئے تھے۔ اب جو وہ شو آنند کو دیکھتی تو اس کا دل اس کے لئے دھڑکتا نہیں تھا۔

وہی شو آنند تھا' وہی چہرہ' وہی قد و قامت' وہی وجاہت' وہی شوخی اور طراری' وہی عورتوں کو مرعوب کر دینے کی ادائیں۔ مگر اب جیسے شو آنند کی ساری دل کشی لہو میں ڈوب گئی تھی۔

اب وہ شو آنند کو دیکھتی' تو اس کے ہاتوں سے ڈر جاتی۔ اس کے ہاتوں میں اسے کسی بچے کی گردن نظر آتی۔ اسے مسکراتا دیکھتی' تو اس کی ہنسی میں اسے ایک قاتلانہ تبسم دکھائی دیتا۔ اس کے دانت دیکھتی تو وہ اسے راکھششوں کی طرح بڑھے ہوئے نظر آتے' اور وہ خوف زدہ ہو کر منہ پھیر لیتی۔

ایک دفعہ شو آنند نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا' مگر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوتے ہی بلبل خوف سے چیخ پڑی تھی' اور اس نے ایک جھٹکے سے شو آنند کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا اور شو آنند غصے سے ہونٹ چباتا ہوا وہاں سے رخصت ہو گیا تھا اور پھر کئی دن تک نرسنگ ہوم میں نہیں آیا تھا۔

بلبل کو امید تھی کہ جب اس کا باپ اس کی طویل بیماری کی خبر سنے گا تو بھاگا بھاگا آئے گا۔ مگر جانے کیا ہوا۔ دن گذرتے گئے۔ لدھیانے سے نہ اس کا باپ آیا نہ اس کی ماں۔ باپ کی اس بے رحمی پر بلبل کا دل مسوس کر رہ گیا۔ وہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ جذبے کیسے پتھر دل ہو جاتے ہیں۔ اور ایک ہی جذبہ کیسے ہولے ہولے بانہوڑے کی طرح ایک ہی سخت چوٹ کھا کر دوسرے جذبے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

مگر اس وقت اپنے دل کی حالت پر غور کر کے اسے اپنے باپ کا رویہ سمجھ میں آنے لگا۔ اگر وہ اپنی زندگی کے تجربے کی بنا پر آج شو آنند کے لیے اپنا جذبہ بدلا ہوا پاتی تھی' تو ہو سکتا ہے اسی طرح اس کے باپ کا جذبہ بھی اپنی بیٹی کے لیے مکمل بیزاری میں تبدیل ہو چکا ہو۔

اس دنیا میں مصیبت تو یہی ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں' محض اپنے حالات کی عینک سے دیکھتے ہیں' اور کسی طرح دوسرے کی عینک پہن کر دنیا کو نہیں دیکھ سکتے!

اسی عینک کے زاویئے سے اخلاقی اصول مرتب ہوتے ہیں' انصاف مرتب ہوتا ہے۔ محبت تعمیر ہوتی ہے' اور نفرت زور پکڑتی ہے۔ ہم وہی کچھ دیکھتے ہیں جو ہمیں ہماری عینک دکھاتی ہے' اور ہر شخص کی عینک الگ ہوتی ہے' اور اس کا مفاد الگ ہوتا ہے۔ اسی لیے ہر ایک کی عینک کا نمبر الگ الگ ہوتا ہے۔

اپنے نرسنگ ہوم کے قیام میں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی آتما اور لدھیانے کے درمیان جو ایک لمبی ڈوری سی بندھی ہوئی تھی وہ آپ ہی آپ ٹوٹ گئی ہے۔

اسی طویل قیام کے دنوں میں وہ ہر لحظہ شو آنند سے دور اور متنفر ہوتی گئی۔

اب اس کی بیزاری اتنی بڑھ گئی کہ شو آنند اس کے پاس آتا بھی تو وہ منہ پھیر لیتی یا کروٹ بدل کر دیوار کو تکنے لگتی۔ اور اس کی کسی بات کا جواب نہ دیتی!

اور جب وہ دیر تک اس کی باتیں سنتے پریشان ہو جاتی تو اس کے کانوں میں عجیب عجیب سی گھنٹیاں بجنے لگتیں۔ عجیب عجیب سی آوازیں آنے لگتیں۔

شو آنند کی باتوں کی بھن بھناہٹ میں وہ دفعتاً" اپنے بچے کے رونے کی آواز سنتی' اور یکایک وہ چیخ کر کہتی:

"چلے جاؤ' چلے جاؤ۔ میرے سامنے کبھی مت آؤ"۔

اور شو آنند سٹ پٹا کر وہاں سے اٹھ جاتا۔

اور بلبل رونے لگتی۔

رات کے سناٹے میں اسے چاروں طرف اپنے بچے کا چہرہ ابھرتا ہوا نظر آتا۔

ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ اس کا بچہ اس کی چھاتی سے لگا چسر چسر دودھ پی رہا ہے۔ وہ اتنی خوش ہوئی' اتنی خوش ہوئی کہ اس نے بھینچ کر بچے کو گود سے لپٹا لیا'

اور اس کا منہ چوم چوم کر اس کے ننھے منے ہونٹ سرخ کر دیئے' اور بچہ اس کی محبت کی شدت سے بلبلا اٹھا۔

یکایک بلبل کی آنکھ کھل گئی' اور اس نے دیکھا کہ رات کے سناٹے میں اس کے پاس کوئی نہیں ہے' اس کا بستر خالی ہے۔ اس کی گود خالی ہے۔ اور کرب و درد کی ایک لہر ہے جو باریک نشتر کی طرح اس کے احساسات کو چیرتی چلی جا رہی ہے۔ بلبل نے تکیئے میں اپنا سر چھپا لیا' اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!

گلشن نے اسے بتایا کہ اسے نروس بریک ڈاؤن ہو گیا ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ اپنے احساسات پر قابو پا لے گی۔ پوری طرح صحت یاب ہونے پر شو آنند کے لیے اس کے پرانے جذبے ابھر آئیں گے' اور وہ دونوں میاں بیوی بن کر ایک خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کریں گے!

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو ہوئی ہے۔ بچے اسقاط ہوتے رہتے ہیں۔ آج کل کی دنیا میں یہ کوئی نیا واقعہ نہیں ہے۔ اس نے فلم انڈسٹری کی ڈیڑھ درجن ہیروئنوں کے نام گنائے جو دو تین چار بار اسقاط کرا چکی تھیں۔

فلمی تجارت میں یہ باتیں ناگزیر ہیں' اور روزی روٹی اور روپے کی خاطر ہر ہیروئن کو اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے۔

گلشن اسی طرح سے باتیں کرتا رہا۔ ایک مشین کی طرح بلبل نے سوچا:

شاید اس آدمی کے اعصاب تانبے کے تاروں کے بنے ہوئے ہیں۔ شاید اس آدمی کے سینے میں دل کے بجائے الیکٹرونک آلہ ہے' جہاں بغیر کسی جذبے کے پینترے بدلے جاتے ہیں اور آنے پائیوں کا گٹھ جوڑ ہوتا رہتا ہے۔ جہاں رگوں میں خون نہیں دوڑتا ہے' بجلی کی لہر چلتی ہے۔

ورنہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ آدمی کی رگوں میں لہو ہو اور وہ غصہ نہ کرے' اور محبت نہ کرے' اور انتقام پر آمادہ نہ ہو جائے' اور معاف نہ کرے اور اپنا سب کچھ لٹانے پر تیار نہ ہو جائے۔

شاید کسی زمانے میں یہ ہو جائے کہ آدمی مشینوں میں رہتا رہتا خود بھی مشین بن جائے!

مگر میں سوچتی ہوں: جب یہی عورت ایک دوسری طرح کی مشین ہو گی۔ ہلکی اور نازک اور چھوٹی' اور وہ رویا کرے گی' اور ہولے ہولے اس کے دل کا زخم رستا رہے گا۔ شاید قدرت نے اس کے جسم کے اندر ایک کوکھ نہیں رکھی ہے ایک زخم رکھ دیا ہے۔ اسی زخم سے تخلیق ہوتی ہے۔

کسی سائنس داں کو اس امر پر غور کرنا چاہیے۔

یہ لوگ کانچ کی گائے تو بنا سکتے ہیں جو دودھ دیتی ہے' لیکن کیا یہ لوگ عورت کے دل کا زخم بھی بنا سکتے ہیں؟

مرد پلان کرتے ہیں اور آگے بڑھتے ہیں۔ عورت ازلی جواری ہے اور ہمیشہ ہارتی ہے!

اسی قسم کے اداس خیالوں کے انبوہ میں بلبل کی اکیلی راتیں کٹ جاتیں۔ نرس کے منع کرنے پر بھی وہ دیر تک رات کو پڑھتی رہتی۔ ناول' شاعری' سیاسیات' فلسفہ' تاریخ' ڈھیروں کتابیں اس نے ان دنوں پڑھ ڈالیں' کیوں کہ دیر تک اسے نیند نہیں آتی تھی۔ اور جب وہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتی اور اس کی آنکھیں دکھنے لگتیں اور تب بھی نیند اسکی آنکھوں میں نہیں آتی۔ اور اس کے پپوٹوں کے اندر خار سے چبھنے لگتے' تو وہ کسی تیز نیند آور دوا کی گولیاں کھا کر سو جاتی' اور صبح دیر تک سوتی رہتی۔

اب یہ بات بالکل صاف تھی کہ دھوکے سے اسے بے ہوش کر کے شوآنند نے اس کا جو اسقاط کرایا تھا' اس کا صدمہ اسے اس قدر تھا کہ وہ پاگل تو نہیں ہوئی تھی لیکن پاگل پن کی حدوں کو چھو کر لوٹی تھی۔ کہیں پر اس کی روح کے اندر اور لاشعور کی پنہائیوں میں ایک ایسا زخم کھل گیا تھا جسے بھرنے میں جانے کتنے برس کی مدت درکار ہو گی!

شوآنند نے بلبل کے مزاج کا اور اس زخم کی نوعیت کا بالکل غلط اندازہ کیا تھا! اور اب وہ پچھتاوے کے موڈ میں گڑگڑا رہا تھا اور بار بار معافی مانگتا تھا' اور ہر لحظہ اپنی سچی محبت کا یقین دلانے میں مصروف رہتا تھا۔

مگر اس کی ہر کوشش بے کار جا رہی تھی' بلکہ جس شد و مد سے وہ بلبل کو اپنی محبت کا یقین دلانے کی کوشش کرتا' اتنا ہی وہ بلبل کو جھوٹا اور کھوکھلا نظر آتا۔

"تم اس قدر محنت کیوں کرتے ہو اپنی محبت جتانے میں۔ بے کار ہے"۔

ایک دن بلبل نے شدید بیزاری کے عالم میں اس سے کہا:

"میں نے تھوڑی سی سائیکالوجی بھی پڑھی ہے' اور میں تمہارا تجزیہ کر سکتی ہوں۔ تم ایک خود سر بد دماغ نوجوان ہو جسے کامیابی نے بالکل بوکھلا دیا ہے۔ تم عورت کو ہیچ اور حقیر سمجھتے ہو' اور دل کی گہرائیوں سے کبھی اس کی عزت نہیں کر سکتے۔ تم عورت پر حملہ کر سکتے ہو۔۔ اس پر جھپٹ سکتے ہو' اس کے جسم میں دانت گاڑ کر اس کے آتشیں جذبے کا ہر قطرہ پی سکتے ہو۔ مگر تم عورت کو کبھی برابری کا درجہ نہیں دے سکتے۔ تمہارے لیے عورت ایک بے روح زمین ہے جو مرد کے مدار پر گھومتی ہے۔ تمہارے ایسے مرد کے لیے اس عورت کے جذبات کو سمجھنا قطعی ناممکن تھا' جو زندگی میں پہلی بار ماں ہونے جا رہی تھی اس لئے تم اسے ایک ناقص گاڑی کی طرح لدوا کر اس گیراج میں لے آئے جسے لوگ اسپتال کہتے ہیں۔ یہاں تم نے اس کا انجن کھلوایا' اور فالتو پرزہ نکلوا کر باہر پھینک دیا۔ اور تم سمجھتے ہو کہ اب تمہاری زندگی کی گاڑی بلا خوف و خطر کامیابی سے آگے چلے گی! مگر تم پرلے درجے کے احمق اور خود غرض ہو۔ اور میں اب زندگی بھر تمہارا منہ نہیں دیکھنا چاہتی بہتر یہ ہے کہ آج کے بعد تم اس نرسنگ ہوم میں کبھی مت آؤ' اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو!"

اس واقعے کے بعد کئی دن تک شو آنند نرسنگ ہوم میں نہیں آیا۔

چند دنوں کے بعد پھر آنے لگا

مگر اب اس کے چہرے پر ڈھٹائی کی مسکراہٹ ہوتی تھی۔ ایک سخت گیر ظالم تبسم ہوتا تھا۔ جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ میں تمہیں جیت کے چھوڑوں گا۔ اپنے راستے پر چلا کے چھوڑوں گا۔ تم ہو کیا؟۔۔ ایک عورت' ایک بیوی' مرد کی غلام' ازدواج کی آہنی زنجیروں میں بندھی ہوئی۔ تم جا کہاں سکتی ہو۔ میں تمہیں اپنے پاؤں تلے روند کے چھوڑوں گا۔ قانون میری طرف ہے۔ اور اس دنیا کے سب قانون مرد بناتے ہیں!

وہ اس کے لیے پھل لاتا تھا' پھول لاتا تھا' کتابیں لاتا تھا' اور رات کو دوسری عورتوں کے ساتھ سوتا تھا۔ مگر نرسنگ ہوم میں روز آتا تھا۔ اور بلبل اس سے بات نہیں کرتی تھی' اور وہ بھی اب بلبل سے بات نہیں کرتا تھا۔

ایک خاموش جنگ تھی جو دونوں کے درمیان ٹھن گئی تھی' اور شو آنند کو پورا بھروسہ تھا کہ آخر میں کامیابی اسی کی ہوگی!

انہی دنوں میں وہ مضحکہ خیز ہیرو۔۔پریم راہی بھی بلبل کو دیکھنے کے لیے آنے لگا۔
پہلی بار جب وہ گلاب کے پھولوں کا ایک بہت بڑا بوکے لے کے آیا' تو شرم سے اس کا چہرہ لال تھا' اور وہ بار بار رومال نکال کر اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھ رہا تھا۔ اور بلبل کو اس کی حالت دیکھ کر بڑا مزا آیا تھا۔
اپنے اطوار اور کردار میں وہ شو آنند کی بالکل ضد تھا۔ اس لئے بلبل کو اس کے مطالعے میں بڑی دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ اس کے مزاج میں ایسی نفاست' نسائیت اور شائستگی تھی۔ اس کی گفتگو کا انداز اس قدر دھیما اور مہذب تھا کہ بلبل کو محسوس ہوا کہ پریم راہی دراصل ایک عورت ہے جو فطرت کی بوالعجبی سے ایک مرد بنا دیا گیا ہے!
بلبل نے اسے پھر آنے کے لیے کہا۔ اور پریم راہی بلبل کی اجازت پا کر بے حد خوش ہوا' اور دوسرے تیسرے روز آنے لگا۔
پریم راہی کے آنے سے بلبل کا دل بہلنے لگا۔ اسے چھیڑنے میں بلبل کو خاص مزا آتا تھا۔ کیونکہ اس میں تو کوئی شبہ نہ تھا' کہ وہ اسے خاصا احمق سمجھتی تھی یا محض ایک بچہ۔ کبھی تو وہ اسے ایک الو کی طرح اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے بالکل بدھو نظر آتا' اور وہ خود بھی اسے چھیڑ چھیڑ کر ہنس کر دوہری ہو جاتی' اور کبھی اسے بے رحمی سے زچ کرتے کرتے جب وہ اس کا کھسیایا ہوا چہرہ دیکھتی' تو وہ اسے ایک بچے کی طرح معصوم نظر آتا۔ اس کا جی چاہتا کہ اسے اپنی گود میں اٹھا کر پیار کرے۔ بالکل اسی طرح جیسے کبھی کبھی کسی گلی میں سے گزرتے ہوئے کسی بھولے بچے کو دیکھ کر اس پر پیار آ جاتا ہے بلبل اسے احمق سمجھ کر اس سے ہر طرح کی باتیں کر لیتی تھی۔ ایسی باتیں جو وہ شاید اپنی کسی رازدار سہیلی سے بھی نہ کر سکتی!

ایک مہینے میں وہ ایک دوسرے سے اپنے گھل مل گئے جیسے برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ بالکل دو سہیلیوں والی محبت تھی۔ حالانکہ ان میں سے ایک مرد تھا دوسری عورت!

بلبل راہی کو طرح طرح سے چھیڑتی:

"تم عورت کو کتنے قریب سے جانتے ہو؟"

"جتنی قریب تم مجھ سے ہو!"

راہی جواب دیتا۔

"تب تو تم عورت کو دور دور ہی سے جانتے ہو!"

بلبل ہنس کر کہتی:

"مجھے تم پر بڑا ترس آتا ہے۔ اچھا یہ بتاؤ جب تم عورت سے اس قدر دور دور رہتے ہو تو عورت کے قرب کی کمی کی تلافی کیسے کرتے ہو؟"

"عورتوں کی ننگی تصویریں دیکھتا ہوں!"

"ہوں؟"

"ہاں!"

"تمہارے پاس ہیں؟"

"ہر وقت اپنی جیب میں رکھتا ہوں!"

پریم راہی نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا البم نکالا:

"دیکھو گی؟"

"ہاں!"

"مگر؟"

تم کیوں جھینپ رہے ہو؟"

بلبل نے پریم راہی کا چہرہ شرم سے لال ہوتے دیکھ کر کہا۔

"میرا مطلب ہے یہ عورتوں کی تصویریں ہیں اور مردوں کے لیے ہیں!"

"تو عورت کی تصویر اگر ایک عورت دیکھ لے تو کیا ہرج ہے؟"

بلبل نے پوچھا۔

بلبل نے ہاتھ بڑھا کر راہی کے ہاتھوں سے وہ البم چھین لیا اور تصویریں دیکھ لیں۔

تصویریں ننگی عورتوں کی تھیں۔ مگر قاعدے اور سلیقے کی تھیں ان تصویروں میں عریانی سے فن اور جمالیات کو زیادہ دخل تھا۔ عورت کا جسم فوٹو گرافر کے فن سے ایک نئی چیز بن گیا تھا۔ جب حقیقت میں تصور کی آمیزش ہوتی ہے تو فن کی تخلیق ہوتی ہے۔ محبت کی تخلیق بھی اسی طرح ہوتی ہے۔ موسیقی کی تخلیق بھی اسی طرح ہوتی ہے' اسی طرح سینما کا پروجیکٹر بنتا ہے۔ اسی طرح انقلاب فرانس ہوتا ہے۔ تصور حقیقت کے امکانات کی ایک غیر مرئی صورت ہے۔ اور تخلیق کے عمل میں ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر میرا بچہ میری کوکھ میں رہتا' تو کیا میں صرف اس کا جسم بناتی' اس کی روح نہ بناتی؟ کیا میں صرف اسے اپنا لہو دیتی' اسے ایک صورت نہ دیتی؟ اسے ایک مزاج نہ دیتی؟ اس کی دماغی ساخت پر اثر انداز نہ ہوتی؟ یہ کون جانتا ہے اور کتنے لوگ سمجھتے ہیں کہ ماں بچے کو دودھ ہی نہیں پلاتی ہے وہ اسے اپنی آتما بھی پلاتی ہے!

اس نے دو تین بار اپنے سر کو جھٹک کر اپنے آپ کو بچے کے خیال سے آزاد کیا۔ کیوں کہ اس مردہ بچے کی یاد سے اس کے اعصاب پر واقعی بہت برا اثر پڑتا تھا۔ اس نے اپنے آپکو ان ننگی تصویروں میں کھو دینا چاہا۔

"عورتوں کے جسم میں کیا ہے جو مردوں کے لیے پرکشش ہے؟"

بلبل نے پریم راہی سے سوال کیا۔

پریم راہی چپ رہا۔ چور نگاہوں سے مگر میٹھی میٹھی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

پریم راہی میں یہ عجیب بات تھی۔ وہ بلبل سے باتیں کرتے وقت کبھی سیدھی نظروں سے اس کی طرف نہیں دیکھتا تھا۔ اس کی نظریں پل بھر کے لیے بلبل کے چہرے پر ٹھہرتیں پھر گھبرا کر ادھر ادھر منتشر ہو جاتیں۔

وہ بلبل کی طرف سیدھی نگاہوں سے اسی وقت دیکھتا جب بلبل اس کی طرف نہ دیکھ رہی ہوتی۔ پھر یکایک پلٹ کر جو وہ دیکھتی تو پریم راہی کی چور نگاہیں پلٹ لیتی' بڑا مزا آتا تھا اس وقت' گھبرا کر پریم راہی اندر ہی اندر سٹ پٹانے لگتا تھا' اور ایک مجرم کی طرح محسوس کرتا تھا۔

"ہیں؟"

وہ بولی:

"میں نے کیا پوچھا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں!"

"میں تمہیں بتاتی ہوں"
بلبل بولی:
"اگر غور سے دیکھو، تو عورت کا جسم توازن اور جوابی توازن کے اصولوں پر بنایا گیا ہے"
بلبل پریم راہی کو البم کی تصویر دکھا کر سمجھانے لگی!
فطرت نے عورت کو سینے کا ابھار دیا تو پیچھے کمر کا خم دیا، پیچھے کولہے کا ابھار دیا، تو آگے پنڈلیوں کا خم دیا۔ اس کے جسم میں جو دائرے رکھے گئے ہیں وہ بے مطلب نہیں ہیں۔ دائرے میں نظر "عموداً" حرکت نہیں کرتی ہے جس جگہ سے شروع ہوتی ہے پھر وہیں پلٹ کر آتی ہے۔ اسی لیے عورت کو فطرت نے دائرے دیئے تاکہ مرد کی نظران پر جمی رہے۔ پھر چال کالوچ۔ یہ چال کالوچ کیا بلا ہے مسٹر پریم راہی۔ تم نے کبھی سوچا ہے، کبھی کسی عورت کو چلتے ہوئے پیچھے سے غور سے دیکھا ہے۔ ایک کولہے کی حرکت جہاں پر ختم ہوتی ہے وہیں سے دوسرے کولہے کی حرکت شروع ہوتی ہے، اور دونوں کولہے مل کر حرکت کا ایک مسلسل دائرہ بناتے جاتے ہیں!"
"ارے یہ عورت کا حسن بیان کر رہی ہو کہ جیومیٹری کا سبق دے رہی ہو؟"
پریم راہی نے پوچھا۔
بلبل ہنسنے لگی!
پھر وہ دونوں ہنسنے لگے!
پھر اچانک شو آنند آگیا۔
اور جلدی سے پریم راہی نے تصویروں والا البم اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اور چند منٹ کی گھبرائی ہوئی خاموشی کے بعد معذرت کر کے وہاں سے چلا گیا۔
چند لمحوں کی مضطرب خاموشی کے بعد شو آنند نے پوچھا:
"یہ منوور کا بچہ یہاں کیوں آتا ہے؟"
"جیسے تم آتے ہو!"
وہ بولی۔
"میں منوور کا بچہ نہیں ہوں"
شو آنند غصے اور سنجیدگی کے ملے جلے مضحکہ خیز لہجے میں بولا۔
"تو وہ بھی نہیں ہے۔"

بلبل نے جواب دیا۔
"مگر وہ آتا کیوں ہے؟"
"اسے مجھ سے ہمدردی ہے!"
"ہمدردی ہے یا محبت ہے؟"
شو آنند نے پوچھا۔
"بے چارے میں محبت کرنے کی صلاحیت تو ہے، لیکن ہمت نہیں ہے۔"
بلبل بولی۔
"تم میں ہمت ہے لیکن صلاحیت نہیں ہے!"
بلبل کا وار خالی نہیں گیا۔
شو آنند نے غصے سے اپنا ہونٹ کاٹا۔
"وہ یہاں نہیں آئے گا!"
شو آنند نے تپائی پر مکا مار کے کہا۔
"وہ ضرور آئے گا!"
بلبل نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔
شو آنند نے تپائی پر پڑی ہوئی گھنٹی کو زور سے بار بار بجایا۔
ایک نرس بھاگی ہوئی آئی۔
"نرس!"
شو آنند نے تحکمانہ لہجے میں کہا:
"اطلاع کر دو کہ آج سے اس کمرے میں کوئی باہر کا آدمی میری اجازت کے بغیر نہیں آئے گا!"
"نرس!"
بلبل فوراً بھڑک کر بولی:
"آج سے اس کمرے کا کرایہ میں دوں گی۔ آج سے یہ کمرہ میرے نام لکھ دیا جائے۔
اور اطلاع کر دو کہ شری پریم راہی دن ہو یا رات ہو جس وقت وہ آنا چاہیں آسکتے ہیں۔
اور باہر کا کوئی دوسرا آدمی میری اجازت کے بغیر اندر نہیں آسکتا!"
"یاد رکھو تم میری بیوی ہو!"

شو آنند نے دانت پیس کر کہا۔
"یاد رکھو تم میرے بچے کے قاتل ہو!"
چند لمحوں تک شو آنند غصے سے تھر تھر کانپتا ہوا بلبل کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر خود بخود اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ دھیرے سے وہ مڑا اور پھر تیز تیز قدموں سے کمرے سے نکل گیا!

ابھی تک بلبل نے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ صرف اتنا فیصلہ کیا تھا کہ نرسنگ ہوم سے اٹھ کر وہ اپنے شوہر کے گھر چلی جائے گی، مگر اس سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی۔ اور جب اس کی صحت بالکل بحال ہو جائے گی، اس وقت وہ کوئی قطعی فیصلہ کر سکے گی۔ ممکن ہے اس کے نفرت کے جذبات سرد پڑ جائیں، اور وہ ہولے ہولے اس واقعے کو بھول جائے۔

وقت تبدیلی کا بہت بڑا دھارا ہے۔ اس کے بہاؤ میں بہتے بہتے محبت نفرت، اور نفرت محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وقت زخم دیتا ہے تو انہیں مندمل بھی کرتا ہے۔ وقت زندگی دیتا ہے تو موت بھی، اور پھر دھیرے دھیرے وقت کے بہتے پانیوں میں گھل مل کر اسی موت کی راکھ سے کوئی نئی زندگی جنم لیتی ہے۔

اسی لیے بلبل نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ وہ کچھ عرصے کے لیے اپنے آپ کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دینا چاہتی تھی۔

آج نرسنگ ہوم میں اس کا آخری دن تھا۔ آج صبح ہی سے پریم راہی اس کے یہاں آگیا تھا۔ اور پریم راہی نے خود اپنے ہاتھوں سے بلبل کا سارا سامان پیک کیا تھا۔ بیچ بیچ میں اس کی آنکھیں بھیگ جاتیں، اور وہ بلبل کی نظروں سے چھپا کر اپنے آنسو پونچھ لیتا۔

مگر بلبل نے چور نگاہوں سے اسے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھ لیا تھا، اور ملول ہونے کے بجائے وہ ایک دم ہشاش بشاش سی نظر آنے لگی، اور چہک چہک کر پریم راہی سے باتیں کرنے لگی۔

آخر جب سامان بندھ گیا، اور بل ادا کر دیا گیا، اور ٹپ دے دیئے گئے، تو لنچ کا وقت آگیا، دونوں نے مل کے لنچ کھایا۔

وہ دونوں لنچ کھا ہی رہے تھے کہ شو آنند اوپر سے آ گیا۔ اور بلبل اور پریم راہی کو اکٹھے لنچ کھاتے دیکھ کر اس کے غصے کا پارا ایک دم آخری نقطے پر پہنچ گیا۔ اس نے تان کر ایک گھونسا جو مارا تو پریم راہی کرسی سمیت چکر کھاتا ہوا فرش پر جا گرا' اور لنچ کی میز الٹ گئی' اور پلیٹیں چھناکے سے ٹوٹتی چلی گئیں۔

بلبل زور سے چیخی

پریم راہی فرش سے اٹھا' اور شو آنند سے لپٹ گیا۔ مگر شو آنند نے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑا لیا' اور ایک ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اس نے جبڑے پر جو ایک زور کا گھونسا رسید کیا تو پریم راہی کے ہونٹوں سے خون نکل کر بہنے لگا۔

یکایک بلبل چیختی ہوئی ان دونوں کے بیچ میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں کھانا کھانے کا کانٹا تھا۔ اس نے اس کانٹے کو اپنے دل پر رکھ لیا' اور بولی:

"اگر تم دونوں نے اسی وقت لڑائی بند نہیں کی' تو میں اسی وقت یہ کانٹا اپنے دل میں چبھو لوں گی!"

شو آنند نے گہری نظر سے بلبل کی طرف دیکھا۔ اور جب اسے یقین ہو گیا کہ بلبل جو کہہ رہی ہے وہی کرے گی' تو اس نے پریم راہی کو چھوڑ دیا۔

پریم راہی ہانپتا ہانپتا ایک دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا!

"چلو' نیچے چلو' میں تمہارے لیے گاڑی لایا ہوں!"

"اب میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی!"

بلبل نے یکایک بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں زبردستی لے جاؤں گا!"

شو آنند آگے بڑھا!

بلبل نے فوراً ٹیلی فون پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اگر تم نے ایک قدم آگے بڑھایا' تو میں پولیس کو فون کر دوں گی۔۔۔!"

"پولیس میرا کیا کر سکتی ہے؟"

بلبل بولی

"یاد رکھو، تم میرے بچے کے قاتل ہو۔ میں تمہیں تین سال کے لیے جیل بھجوا سکتی ہوں۔ میری زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ تمہیں جیل پہنچانے کے لیے کافی ہے!"

شو آنند آگے بڑھتے بڑھتے رک گیا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟"

"طلاق!"

چند لمحوں تک شو آنند غصے سے بلبل کو گھورتا رہا۔ اس کے مضبوط ہاتھ بلبل کو پکڑ کر اس کی ہڈی پسلی ایک کر دینے کے لیے تڑپتے رہے۔ پھر اس نے کسی نہ کسی طرح سے اپنے غصے پر قابو پالیا۔ پھر ایک تضحیک آمیز ہنسی ہنس کر بولا:

"اگر میں طلاق نہ دوں تو؟"

"تم کیا تمہارا باپ بھی دے گا۔"

بلبل غصے سے چلائی۔

شو آنند غرا کر بلبل پر جھپٹا۔

یکایک پیچھے سے آواز آئی:

"ہینڈز اپ!"

شو آنند نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پریم راہی کے ہاتھ میں پستول تھا۔ ہنس کر بولا:

"بالکل فلم کی سچوئیشن بنا دی تم نے پیارے!"

ہاتھ اوپر کرو نہیں تو گولی مار دوں گا۔ ایک لمحے کے لیے نہیں چوکوں گا۔ پستول بھرا ہوا ہے!"

شو آنند نے بڑی بیزاری سے ہاتھ اوپر کئے!

پولیس کو ٹیلی فون کرو"۔

پریم راہی نے بلبل سے کہا۔

اور بلبل نے ڈائیل پر ہاتھ رکھا!

"ٹھیرو!"

شو آنند ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے بولا:

"میں ہار مانتا ہوں، بولو کیا چاہتی ہو؟"

"طلاق!"

"دے دوں گا۔ اور؟"
"اور کمرے سے اسی وقت باہر نکل جاؤ!"
بلبل بولی۔
"احمق ہو جو اس زنخے کے لیے اپنے شوہر سے بگاڑ کر رہی ہو۔۔۔!"
شو آنند نے تضحیک آمیز نگاہوں سے پریم راہی کی طرف دیکھتے ہوئے بلبل سے کہا۔
پریم راہی نے پستول کا نشانہ تان لیا!
"جاتا ہوں، جاتا ہوں!"
شو آنند کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ اور ایک دم کمرے سے باہر نکل گیا۔
اس کے نکلتے ہی بلبل دروازے کی طرف دوڑی اور اس نے چٹخنی اندر سے لگا دی۔
پھر پلٹ کر پریم راہی کی طرف چلی۔
پریم راہی سر جھکا کر پستول اپنی جیب میں رکھنے لگا۔
بلبل اس کے بالکل قریب چلی گئی، اور اس کے کوٹ کی جیب سے کیمبرک کا سفید رومال نکال کر اس کے ہونٹوں کے کناروں سے خون صاف کرنے لگی۔
پریم راہی کے ہونٹ کانپنے لگے تھے، اور اس کی آنکھیں پھر بھیگ چلی تھیں۔۔
اچانک خون صاف کرتے کرتے بلبل نے اس کے خون آلود چہرے کو اپنے سینے سے لگا لیا، اور اپنے گال اس کے گالوں سے لگا کر بولی:
"میرے کبوتر، میرے ننھے منے کبوتر! تمہارے اندر اتنی بڑی بہادری کیسے جاگ گئی؟"
"میں بہادر بالکل نہیں ہوں!"
پریم راہی کو رونا آرہا تھا، مگر وہ مرد بن کر اپنے آنسو روک رہا تھا!
"پھر یہ بھرا ہوا پستول کیسے لے آئے؟ شو آنند کو مارنے کے لئے؟"
"نہیں!"
پریم راہی شرمندہ ہو کر بولا:
"اپنے آپ کو مارنے کے لیے؟"
"ارے پاگل! وہ کیوں؟"
بلبل کی آنکھیں حیرت سے بڑی ہو گئیں!

"میں نے طے کیا تھا:
"پریم راہی بولا:
"کہ آج جب تم شو آنند کے گھر واپس جانے کے لیے تیار ہو جاؤ گی تو اس سے کچھ عرصہ پہلے میں تمہیں چند شعر سناؤں گا' جو میں خاص اس موقعے کے لیے لکھ کر لایا تھا!"
"پھر؟"
"پھر وہ شعر تمہیں سنا کر تمہارے سامنے پستول نکال کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں گا!"
"ارے پگلے' کیا تم مجھے اتنا چاہتے ہو؟"
"ایسا لگتا ہے کہ تمہارے بغیر اب میں زندہ نہیں رہ سکتا!"
یہ کہتے کہتے پریم راہی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
بلبل بھی رونے لگی۔ اور روتے روتے پریم راہی کے آنسو پونچھتے پونچھتے بولی:
"ہائے میرے کبوتر' تم کیوں مرو؟ میں مر جاؤں نا تم پر ۔۔۔؟
ارے تم دل کے اتنے بہادر ہو یہ مجھے پتہ نہ تھا ۔۔۔ ارے وہ شو آنند اپنے آپ کو تم سے بڑا ہیرو سمجھتا ہے! ۔۔ میں دکھادوں گی ساری دنیا کو دکھادوں گی' کون بڑا ہیرو ہے؟ تم کہ وہ؟ ۔۔۔

شاہجہان نے اپنی پیاری کے لیے تاج محل بنایا تھا میں اپنے پیارے کے لیے ہندوستان کی سب سے بڑی فلم بناؤں گی۔ ایک لاکھ روپے دے کر اندر راج آنند سے خاص تمہارے لیے کہانی لکھواؤں گی!"
"وہ نہیں لکھے گا!"
پریم راہی نے یکایک چونک کر کہا۔
"کیوں نہیں لکھے گا؟"
بلبل بولی۔
"وہ بہت مذاق کرتا ہے مجھ سے۔"
پریم راہی نے بچوں کی طرح سے شکایت کرتے ہوئے کہا:
"ایک دفعہ اس نے میری سال گرہ کے موقع پر مجھے ایک ساڑی پیش کی تھی!"
"کوئی مضائقہ نہیں"

بلبل نے فیصلہ کن لہجے میں سرینک کے کہا:
"اندراج کُنٹ' میں ملکھ رام شرما سے لکھوالوں گی۔ چلو گھر چلیں!"
"مگر پہلے میری غزل تو سن لو!"
"کون سی غزل؟"
"جو میں آج مرنے سے پہلے تمہیں سنانا چاہتا تھا"
"گھر چل کر سنیں گے ڈارلنگ!"
بلبل اسے پچکارتے ہوئے بولی۔
پریم راہی اس وقت اسے کسی بچے کی طرح معصوم اور بھولا معلوم ہو رہا تھا' اور بلبل کو اس پر اس بری طرح پیار آرہا تھا جس طرح کسی ماں کو اپنے مار کھائے ہوئے بچے کو روتا دیکھ کر پیار آتا ہے۔
"میں اسے ساری دنیا سے بچا کر رکھوں گی' ہائے میرا ننھا سا کبوتر' تو تو آج سے بالکل میرا اپنا ہے!"

پریم راہی جب بلبل کو لے کر اپنے گھر پہنچا'۔۔۔ تو اس نے ڈرائنگ روم میں طوبا کو بیٹھے ہوئے پایا۔

وہ اسے دیکھتے ہی اپنی سیٹ سے اچھلی' اور بلبل کو نظر انداز کرتے ہوئے پریم راہی سے لپٹ کر بولی:

"ڈارلنگ!"

چند لمحوں کے لیے پریم راہی ہکا بکا رہ گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے آپ کو طوبا سے چھڑوایا۔ بڑی نرمی اور ملائمت سے کہہ سن کر۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتی ہیں مجھ سے؟"

اس نے پوچھا۔

"میرا نام طوبا ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں!"۔

طوبا بولی۔

"کیوں"؟

"کل رات کو مجھے خواب آیا تھا"

طوبا بولی۔

اور اس نے دھیرے دھیرے وہی داستان بیان کی' جو اس نے سب سے پہلے دلیپ کمار سے بیان کی تھی' پھر شو آنند سے' پھر جانے کس کس ہیرو کے در سے لوٹ کر وہ اب پریم راہی تک پہنچی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ جہاں پہلے داستان میں دلیپ کمار یا دیو آنند کا نام تھا' وہاں پر اب پریم راہی کا نام تھا! داستاں سنا کر بولی!

"تمہیں مجھ سے اب شادی کرنا پڑے گی!"

"مگر میں تو بلبل سے شادی کرنے کا طے کر چکا ہوں!"
پریم راہی نے اسے سمجھایا!
"بے وفا!"
وہ بولی
"مگر خواب میں"
پریم راہی نے جواب دیا
"جہاں تک بلبل کا تعلق ہے"
طوبا بڑی حقارت سے بلبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی:
"اس چڑیل کو دو گھونسے مار کر ابھی باہر نکال سکتی ہوں!"
پھر اس نے بلبل کو سر سے پاؤں تک دوبارہ دیکھا' اور بولی:
"نہیں' صرف ایک گھونسہ کافی ہو گا!"
بلبل اپنی جگہ سے اٹھی۔ اس نے پریم راہی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا' اور کچھ کہے سنے بغیر اس پستول سے کھیلنے لگی!
طوبا کا چہرہ فق ہو گیا!
"بات یہ ہے"
پریم راہی طوبا کو بڑی نرمی سے سمجھانے لگا۔
"میں بلبل سے محبت کرتا ہوں' اور بلبل مجھ سے محبت کرتی ہے!"
"مگر بلبل تو شو آنند کی بیوی ہے"
طوبا نے احتجاج کیا۔
"تھی' مگر اب نہیں ہے۔ بہت جلد اسے طلاق مل جائے گی' شو آنند نے حامی بھر لی ہے!"
"تمہارا مطلب ہے اب شو آنند بلبل کا خاوند نہیں رہے گا؟"
"نہیں!"
"تمہارا مطلب ہے اب شو آنند خالی ہے؟"
"بالکل خالی ہے!"
پریم راہی نے اسے یقین دلایا۔

"تو میں احمق یہاں بیٹھی بیٹھی کیا کر رہی ہوں؟"
طوبا نے اس سے پوچھا۔
"یہی سوال میں آپ سے کرنے والا تھا!"
پریم راہی نے جواب دیا۔
"میں ابھی شو آنند کے پاس جاتی ہوں!"
"میری گاڑی لے جایئے!"
"تمہاری گاڑی کیوں لے جاؤں؟"
طوبا چمک کر بولی:
"کیا میرے پاس گاڑی نہیں ہے؟۔۔ جناب میرا باپ سی سی سیمنٹ کمپنی میں ملازم ہے۔۔ دو ہزار ماہانہ تنخواہ پاتا ہے۔ مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔ بس ایک خواب ہے جو بار بار ستاتا ہے!"
"یہی تو اس دنیا کی ٹریجڈی ہے!"
"میں جاتی ہوں!"
طوبا نے یکایک صوفے سے اچھل کر کہا' اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی!
اس کے جانے کے بعد بلبل اور پریم راہی دونوں اپنا پیٹ پکڑ کر دیر تک ہنستے رہے۔
ہنستے ہنستے یکایک پریم راہی چپ ہو گیا۔
"کیا بات ہے؟"
بلبل نے پوچھا۔
"میرا منہ دکھتا ہے!"
"ادھر آؤ"
یکایک بلبل نے اس پر رحم کھاتے ہوئے اسے بڑے پیار سے حکم دیا۔
پریم راہی اپنے صوفے سے اٹھ کر بلبل کے صوفے پر جا بیٹھا۔
"میرے قریب آؤ۔"
بلبل نے اسے اپنے نزدیک طلب کیا۔
پریم راہی اس کے قریب جا بیٹھا!

"مجھے پیار کرو!"
بلبل نے حکم دیا۔
اور اپنی آنکھیں بند کرلیں، اور اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑ کر اس نے اپنی گردن صوفے پر لٹکا دی۔
"پہلے میری غزل تو سن لو!"
پریم راہی نے یکایک گھبرا کر کہا۔
بلبل نے ذرا تنگ کر اپنی آنکھیں کھولیں، بولی:
"اچھا سناؤ!"

پریم راہی نے اپنے کوٹ کے اندر کی جیب سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکالا۔ اسے کھولا، گلے کو صاف کیا، اور مجروح سلطان پوری کے انداز میں ترنم سے پڑھنے لگا:

پوچھ لے قاتل زبان تیغ سے سب سرگذشت
کشتے کس منہ سے بتائیں کیا ہوا کیوں کر ہوا
جیتے جی برسوں میں تڑپا تب نہ لی تم نے خبر
مر گئے پر پوچھتے ہو: کیا ہوا، کیوں کر ہوا
میں نہ مانوں گا کہ دی اغیار نے ترغیب قتل
دشمنوں سے دوستی کا حق ادا کیوں کر ہوا
اس نے کھینچی تیغ یاں سر جھک گیا قصہ مٹا
خلق یہ کیوں پوچھتی ہے ماجرا کیوں کر ہوا
چاٹتی ہے کیوں زبان تیغ قاتل بار بار
بے نمک چھڑکے یہ زخموں میں مزا کیوں کر ہوا

یکایک بلبل نے اسے ٹوک کر کہا:
"آخری شعر مجھ سے سن لو!۔

الفت گیسو بلا تھی مر گیا پھنس کر امیر
ہے بڑا جھگڑا نہ پوچھو فیصلہ کیوں کر ہوا؟

"مگر یہ غزل تمہاری نہیں ہے پیارے، امیر مینائی کی ہے!"

چند لمحوں تک پریم راہی بلبل کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے ملول ہو کر غزل کا کاغذ پھاڑ ڈالا اور رنجیدہ ہو کر بولا:

"یہ اردو کے شاعر سب کے سب کیا غالب اور کیا میر مینائی میرا کلام چرا لیتے ہیں۔ کل سے میں صرف ہندی میں کوتا کہا کروں گا!"

بلبل نے شو آنند سے طلاق لے کر پریم راہی سے شادی کر لی' اور پالی ھل پر رہائش کے لیے ایک بہت بڑا بنگلہ خریدا جس میں آٹھ بیڈ روم تھے۔ وہ دونوں ہر روز ایک نئے بیڈ روم میں رہتے تھے۔ آٹھواں بیڈ روم پریم راہی کی ماں کے لیے تھا۔ اس بنگلے کے باتھ روم کی چھت پر اس نے یہاں سے وہاں تک ایک بہت بڑا آئینہ لگوایا۔ اس کا کانچ بلجیم سے آیا تھا۔ اور اسے لگوانے میں ڈیڑھ لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ اور اس کا مصرف صرف یہ تھا' کہ بلبل نہاتے وقت بھی اپنے آپ کو جب چاہے دیکھ سکتی تھی۔

بلبل نے دو امپالہ گاڑیاں خریدیں۔ ایک اپنے لیے' ایک اپنے خاوند کے لیے۔ بنگلے کے باغیچے میں ایک خوب صورت مندر بنوایا' جس میں ماں جی صبح و شام پوجا کرنے جاتی تھیں۔ تین سیکریٹری رکھے گئے۔ ایک بلبل کے لیے دوسرا پریم راہی کے لیے تیسرا ماں جی کے لیے۔ ایک مشہور وکیل کو گراں قدر مشاہرے پر مستقل طور پر ملازمت میں لے لیا گیا' تاکہ وقتاً" فوقتاً" قانونی مشورے دیتا رہے اور انکم ٹیکس کے جھگڑوں سے نپٹتا رہے' ایک اکاؤنٹنٹ رکھا گیا' تاکہ بلیک کے روپے کو وہائٹ کرتا رہے۔

ایک فلم کمپنی کھولی گئی۔Cinefone International بلبل نے اپنی پہلی تصویر کے لیے منوہر کو ہدایت کاری کا چانس دیا' جو اس کی پہلی پکچر کا کیمرہ مین تھا۔ دوسری پکچر کے لئے اس نے رستوگی کو ہدایت کار چنا' جو اس کی پہلی پکچر کا ڈائریکٹر تھا۔

یہ دونوں تصویریں انتہائی کامیاب ثابت ہوئیں اور گلشن سینھ نے جس کے ذمے ان دونوں تصویروں کی ڈسٹری بیوشن تھی' انتہائی لگن اور ایمان داری سے کام کر کے پچیس لاکھ روپے کما کے بلبل کی جیب میں ڈال دیے۔

بلبل نے شو آنند سے الگ ہو کر شو آنند کو فلم کے ہر شعبے میں زک پر زک دی تھی۔
اور اب وہ بڑی تیزی سے ترقی کی منزلوں کی جانب گام زن تھی!

زندگی کے پانچ سال اس طرح ہنسی خوشی میں گزر گئے کہ وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔
اس عرصے میں بلبل تین بار اپنے شوہر کو لے کر یورپ کا چکر لگا آئی۔
ہر سال وہ آٹھ دس نئی پکچروں کا کانٹریکٹ کرتی تھی۔ ہر سال اس کی تین چار تصویریں ریلیز ہوتی تھیں۔ جس میں دو ایک سلور جوبلی بھی منالیتیں' ہر سلور جوبلی فلم پر وہ نہایت سادگی اور خاموشی اور انکسار سے اپنے کنٹریکٹ میں پچاس ہزار کا اضافہ کر دیتی۔ منجھ کر اب وہ ایک مشاق اداکارہ ہو گئی تھی۔ حسن کے ساتھ فن کو برتنے کا سلیقہ بھی آ گیا تھا۔
لاکھوں تماشائی اس کے پرستار تھے۔ ہر پان والے کی دکان پر اس کی تصویر تھی' اور انڈسٹری کا ہر ہیرو اس پر مرتا تھا۔ اور اب وہ اس پوزیشن میں بھی تھی کہ کسی کو خاطر میں نہ لانے سے کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا تھا' پانچ فلمی صحافی مستقل طور پر اس کی پبلسٹی کرتے تھی' اور تصویروں اور پبلسٹی کے ذریعے کروڑوں لوگ اس کے چہرے سے آشنا ہو چکے تھے۔

پریم راہی اپنی بیوی پر دل و جان سے عاشق تھا۔ جو بات بلبل کے منہ سے نکلتی وہ اس پر اپنی "ہاں" کا ربڑ کا ٹھپہ لگا دیتا اور بلبل کو بھی شو آنند کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے پریم راہی کی ہستی میں اسے اپنا صحیح جیون ساتھی مل گیا۔
وہ طبیعت کی بری لڑکی نہیں تھی۔ کامیابی نے اس کے جنسی چال چلن پر کسی طرح کا برا اثر نہیں ڈالا۔ اور یہ ایک حیرت انگیز بات تھی کہ اس قدر کامیابی حاصل کرنے کے بعد اور لاکھوں دلوں اور انڈسٹری کے ایک سے ایک خوبرو ہیرو کے اظہار عشق کے باوجود بلبل کے قدم اس میدان میں نہیں ڈگمگائے اور وہ بدستور اپنے خاوند کی وفادار رہی' اور کسی موقعے پر اس نے اپنے چال چلن پر ایک دھبہ تک نہ آنے دیا!۔
پریم راہی کی زندگی سنور گئی تھی۔

بلبل نے اس کی زندگی میں اس قدر اعتماد بھر دیا تھا کہ اب وہ اپنے آپ کو ایک مرد محسوس کرتا تھا۔ وہ اب بہت کم شرماتا تھا۔ لوگوں سے آنکھیں ملا لیتا تھا' مذاق کر لیتا تھا' مذاق سہہ لیتا تھا' اور ہر مذاق پر اس کا چہرہ لال نہیں ہوتا تھا۔

مگر ایک خامی اس کی کبھی نہ گئی!

اب بھی وہ دوسرے شاعروں کا کلام چراتا تھا' اور اسے اپنا کہہ کر بلبل کو سناتا تھا۔

لیکن بار بار پکڑے جانے پر پریم راہی نے اردو کے شاعروں کا کلام چرانا بند کر دیا۔ اور ہندی کے کویوں کی کوتا اپنی کہہ کر بلبل کو سنانے لگا۔

جب بلبل نے اس کی یہ چوری بھی پکڑ لی تو پریم راہی نے خفیہ طور پر بلبل سے چھپا کر ایک شاعر کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ ہر روز ایک نئی غزل یا نیا گیت پریم راہی کو لکھ کر دیتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک رباعی یا مکتک کبھی ہندی میں کبھی اردو میں لکھ کر دیتا تھا۔ جسے علی الصبح ہر روز پریم راہی بلبل کو بستر سے اٹھتے وقت سناتا تھا۔ کیوں کہ یہ رباعی یا مکتک ہمیشہ بلبل کے حسن کی تعریف میں ہوتا تھا۔

پانچ سال سے ہر روز صبح اٹھتے ہی چائے کی پہلی پیالی کے ساتھ یہ رباعی بلبل کو سننے کو ملتی تھی' جس میں بلا ناغہ بلبل کے حسن کی تعریف ہوتی تھی' اور پریم راہی کی سچی محبت کی لگن کا اظہار ہوتا تھا۔ حالانکہ کہ اب بلبل یہ جان گئی تھی کہ یہ رباعی بھی چوری کی ہوتی ہے مگر اب وہ اس درجہ اس انوکھے اظہار محبت کی عادی ہو گئی تھی کہ اس نے دل ہی دل میں پریم راہی کی اس چوری کو معاف کر دیا تھا۔

سوز گورکھ پوری ایک باکمال شاعر تھا۔ اردو اور ہندی دونوں زبانوں پر اسے پورا عبور حاصل تھا۔ اس کی شاعری اور کوتا ہندی اور اردو کے مجلوں میں بڑے اہتمام سے شائع ہوتی تھی۔ وہ صف اول کا شاعر تھا' اور اسے ہر ماہ اپنی ادبی تخلیقات کے لیے معاوضے کے طور پر ساٹھ روپے مل جاتے تھے۔

پہلے اسی پر اس کی گزر تھی!

وہ دھوبی چال کے ایک گندے جھونپڑے میں رہتا تھا۔ چائے بھجیا' چنے اور شاعری' یہی اس کی زندگی کے ڈانڈے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنی روح کا سوز اجاگر کرنے کے لیے ٹھراپی

لیتا۔ کبھی کبھی کسی میلی کچیلی خارش زدہ لڑکی کو دو ایک روپے دے کر اپنی جنسی بھوک مٹا ڈالتا۔

جب شاعری نہیں کرتا تھا تو فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر کنگھیاں بیچتا تھا' اور جب کنگھے نہ بکتے' تو شاعری کی زلفیں سنوارنے لگتا۔

وہ ایک دبلا پتلا لانبا اکہرے بدن کا نوجوان تھا۔ مسلسل فاقوں سے اس کے رخساروں میں گڑھے پڑ گئے تھے۔ مگر ملک اور قوم میں اس کی بڑی عزت تھی۔ وہ ہر مشاعرے اور کوی سمیلن میں بلایا جاتا تھا۔ لوگ اس کی شاعری پر واہ واہ کرتے تھے۔ اس کے ہاتھ چوم لیتے تھے۔ ایک دن کے لیے اسے عمدہ وہسکی پلاتے تھے۔ عمدہ کھانے کھلاتے تھے' اور پھر مشاعرہ ختم ہوتے ہی اسے تھرڈ کلاس کا ٹکٹ دے کر اسے اس کی گندی کھولی کی طرف روانہ کر دیتے تھے۔

اور ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے' وہ بالکل صحیح' درست اور ٹھیک ہو رہا ہے۔ شاعر کو کبھی زیادہ پیسے نہ ملنے چاہئیں ورنہ وہ شراب پی لے گا۔ شادی کرے گا۔ بچے پیدا کرے گا۔ دھلی ہوئی شیروانی پہن لے گا' اور تیسرے درجے کی شاعری کرنے لگے گا۔ اعلیٰ شاعری کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے۔ وہ لوگ سوچتے تھے۔ کہ ادیب اور شاعر بھوکا رہے۔ صرف اسی صورت میں وہ اعلیٰ ادب کی تخلیق کر سکتا ہے۔

اعلیٰ سیاست کے لیے لیڈر کو فربہ کرنا ضروری ہے۔ اعلیٰ تجارت کے لیے ایئر کنڈیشن آفس کا ہونا ضروری ہے۔ اعلیٰ اداکاری کے لیے امپالہ کا ہونا ضروری ہے۔

اس لئے رہنے دو اسے دھوبی چال میں' ایک گندی جھونپڑی میں' اور کھانے دو چنے اور بھجیا' اور کبھی کبھی فاقہ بھی ہو جائے' تو مضائقہ نہیں۔ اور جسم اور جان کے تار کو باقی رکھنے کے لیے اگر اسے اپنی پھٹی اچکن بھی گروی رکھنی پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں کیوں کہ اس سے اعلیٰ ادب کی تخلیق ہوتی ہے!

شروع شروع میں پریم راہی کا جی بہت چاہتا تھا کہ وہ سوز گورکھ پوری کو ایک معقول مشاہرے پر ملازم رکھے۔ لیکن اعلیٰ ادب کی تخلیق کی خاطر اس نے سوز گورکھ پوری کو نہایت ہی قلیل تنخواہ پر ملازم رکھنا گوارا کر لیا۔

اس کا جی تو نہ چاہتا تھا' لیکن عمدہ ادب کی بقاء کے لیے اس نے اپنی فراخ دلی پر صبر کر کے سوز گورکھ پوری کو کم تنخواہ دینا منظور کر لیا۔ اس نے ایک قطعے' رباعی یا مکتک کے

لیے پانچ روپے منظور کیے۔ اور ایک غزل یا کوتا کے لیے دس روپے۔ مگر پھر بھی اس طرح سے سوز گورکھ پوری کو ہر روز پندرہ روپے مل جاتے تھے یعنی مہینے میں ساڑھے چار سو کے قریب۔

اب اس نے اپنی گندی چالی چھوڑ دی تھی۔ اب وہ ایک صاف ستھری اچکن پہنتا تھا۔ دو وقت پیٹ بھر کے کھانا کھاتا تھا۔ اور اس کے رخساروں کے گڑھے بھی بھر چلے تھے۔ یعنی ہر اعتبار سے اعلیٰ ادب کی تخلیق کو خطرہ لاحق ہو چلا تھا۔

پریم راہی نے محسوس کر لیا تھا کہ اس نے پندرہ روپے روز سوز گورکھ پوری کو دے کر ایک باکمال ادیب کی تخلیقی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

مگر کیا کرے، وہ مجبور تھا۔ وہ کسی طرح سوز گورکھ پوری کو اس سے کم تنخواہ پر کام کرنے پر راضی نہ کر سکا!

مگر سوز گورکھ پوری کے لیے بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ ہر رات ایک غزل کہے، یا کوتا کہے اور سب سے پہلے ایک قطعہ کہے، یا ایک مکتک کہے، بلبل کے حسن کی تعریف میں، اور پریم راہی کی وفا کی ثابت قدمی کا قصیدہ پڑھے اس کا جی چاہے نہ چاہے مگر اسے کہنا پڑتا تھا۔

مسلسل تجربوں کے بعد اس نے اپنے لئے ایک سیدھا سادہ شعری مینو تیار کر لیا:

پہلے ہفتے وہ صرف آنکھوں کی تعریف کرتا تھا۔

دوسرے ہفتے وہ صرف ہونٹوں کے گیت گاتا تھا۔

تیسرے ہفتے وہ گالوں کی سرخی اور ان کی چکناہٹ پر شعر کہتا تھا۔

چوتھے ہفتے بلبل کے بالوں کو سلجھاتا تھا۔

پانچویں ہفتے صرف اس کی انگلیوں کا تذکرہ کرتا تھا۔

چھٹے ہفتے صرف اس کی ٹھوڑی کا۔

ساتویں ہفتے صرف اس کے منہ کا۔

آٹھویں ہفتے صرف اس کی کمر کا۔

نویں ہفتے اس کی چال کا۔

دسویں ہفتے اس کے پاؤں کا۔

گیارہویں ہفتے اس کے کولہے کا۔

بارھویں ہفتے، وہ تہذیب کو مد نظر رکھتا ہوا پھر آنکھوں پر آجاتا تھا۔
اس طرح شاعری کرتے رہنے سے مینو بھی بدلتا رہتا ہے اور گاہک کا دل بھی خوش رہتا ہے۔ اور ہر کام کے لیے چاہے وہ تخلیقی ہو یا غیر تخلیقی یہ دونوں باتیں اشد ضروری ہیں۔
بہت دنوں تک تو بلبل کو اس شعری کاروبار کا پتہ نہ چلا، لیکن جب معلوم ہو گیا تو بھی وہ خاموش رہی۔ دل ہی دل میں پریم راہی کی اس بچگانہ حرکت پر محظوظ ہوتی رہی۔

لیکن ایک دن خود اسے سوز گورکھ پوری سے کام پڑ گیا۔
بلبل کو قومی بچت فنڈ کے سلسلے میں ایک سرکاری تقریب میں شامل ہو کر ایک تقریر کرنا تھی، اور وہاں اس تقریب میں بڑے بڑے منسٹر اور آفیسر لوگ آنے والے تھے اور ہائی سوسائٹی کی پڑھی لکھی لڑکیاں جو اپنے چہرے کے میک اپ کے لیے میکس فیکٹر اور اپنے دماغ کے میک اپ کے لیے گامیں اسڈوس ہکسلے اور ڈی ایچ لارنس کو استعمال کرتی ہیں۔
ایسے اعلیٰ با وقار مجمع کے لئے ایک ہائی کلاس تقریر کا ہونا لازمی ہے۔ اور سوز گورکھ پوری کوی اور شاعر ہونے کے علاوہ فلسفے میں ایم اے بھی تھا۔ لہٰذا اس نے سوز گورکھ پوری کو اپنے ڈرائنگ روم میں بلا کر پوچھا:
"تقریر لکھ لیتے ہو؟"
"لکھ بھی لیتا ہوں اور کر بھی لیتا ہوں!"
"تقریر تو میں ہی کروں گی۔ لکھو گے تم"۔
بلبل نے اسے بتایا،
"کبھی کسی دوسرے کے لیے تقریر لکھی ہے؟"
"اپنے چچا کے لیے لکھا کرتا تھا"۔
سوز گورکھ پوری نے اسے بتایا:
"مگر اب وہ منسٹر ہو گئے ہیں اور اپنے آئی سی ایس ماتحتوں سے اپنی تقریریں لکھواتے ہیں!"
"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اچھی تقریر لکھ لیتے ہو۔"

بلبل نے مرعوب ہو کے کہا۔
سوز گورکھ پوری مسکرا کے پانچ دفعہ فرشی آداب بجالایا۔
"ذرہ نوازی ہے آپ کی!"
"تو۔ میرے لیے ایک تقریر لکھو گے؟"
"لکھ دوں گا!"
"کیا لو گے؟"
"ایک سو روپیہ اور وہسکی کی ایک بوتل!"
سوز گورکھ پوری نے جواب دیا۔
"یہ تو بہت ہے۔"
بلبل بولی:
"اتنا روپیہ اگر تم کو مل گیا تو تم بگڑ جاؤ گے۔ تمہاری ادبی تخلیق کا سوتا خشک ہو جائے گا۔ تمہارا ادب مرجائے گا۔ ملک ایک اعلیٰ پائے کے ادیب کے جوہر سے محروم ہو جائے گا! میں اتنا بڑا گناہ اپنے سر نہیں لے سکتی!۔۔میں تم کو صرف تیس روپے دوں گی!"
"یوں تو آپ کی نظر عنایت ہی کافی ہے"
سوز گورکھ پوری نے مسکرا کر کہا:
"مگر چلئے پہلی تقریر تیس روپے ہی میں لکھ دوں گا۔ موضوع بتایئے!"
"قومی بچت میں عورتوں کا حصہ!"۔۔۔تقریر کے آخر میں کچھ نعرے بھی چاہئیں!"
"مثلاً "اپنے لپ اسٹک کی سرخی بچاؤ"۔ سوز گورکھ پوری نے مشورہ دیا۔
"نہیں!"
"چار گز کی ساڑھی پہنو!"
"نہیں!"
"بالوں میں خوشبودار تیل مت لگاؤ!"
"نہیں!"
زیادہ باتیں مت کرو!"
"ہاں! یہ ٹھیک ہے!"
"یعنی وقت بچاؤ، وقت پیسہ ہے!"

"بے شک ، بے شک !! آپ بے حد سمجھ دار معلوم ہوتے ہیں !
" سوزگورکھ یوری نے صوفے سے اٹھ کر سات بار کورنش بجائی پھر بولا:
"تقریر دیکھ کر فیصلہ کیجئے گا ، میں کس لائق ہوں !"

قومی بچت فنڈ کے سلسلے میں بلبل کی تقریر بہت عمدہ رہی۔ کئی بار تالیاں بجائی گئیں۔ بیچ بیچ میں بلبل نے شعروں کا جو اضافہ کیا تھا' اس سے تقریر کے تاثر کی شدت بڑھ گئی تھی۔

اس جلسے میں بلبل کی تقریر سن کر بہت سے لوگ بلبل کی علمیت' ادبیت اور قابلیت کے قائل ہو گئے۔ اور اسے اکثر علمی' ادبی' مجلسی تقاریب میں بلانے لگے۔

بلبل بہت اچھی تقریر کرنے لگی تھی۔ اپنی تقریر کے دوران میں ایسی ادبی پھل جھڑیاں بکھیرتی تھی کہ سامعین عش عش کرتے رہ جاتے۔ ملک کے مختلف ادبی رسائل اس کی تصویر کے ساتھ ساتھ اس کی تقاریر شائع کرنے لگے اس سے افسانے آپ بیتی تاثرات طلب کرنے لگے اور اس کے ادبی ذوق کا شہرہ سارے ملک میں پھیل گیا۔

سوز گورکھ پوری کو وہی تیس روپے ملتے رہے۔ مگر وہ اسی میں بہت خوش تھا۔ اور مگن تھا۔ اب اسے پریم راہی سے ہر روز پندرہ روپے ملتے تھے' اور مہینے میں دو تین بار تیس روپے بلبل سے مل جاتے تھے!

ہولے ہولے اس نے بلبل کو یہ بات سمجھائی کہ وہ بھی شعر کہا کرے۔

"ذرا سوچئے تو صبح کے وقت پریم جی جب آپ کو شعر سناتے ہیں' آپ بھی اس کے جواب میں ایک شعر سنا دیں' تو کتنا اچنبھا ہو گا ان کو' دھک سے رہ جائیں گے!"

"مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ جواب ہر وقت ملے گا' اور صحیح ملے گا؟"

"ان کے شعر تو میں ہی لکھتا ہوں' آپ کا جواب بھی میں ہی لکھوں گا' مزا آ جائے گا نہلے پر دہلا ماروں گا!"

"لو گے کیا؟"

"پریم جی پانچ روپے دیتے ہیں ایک مکتک کے' آپ سے دس لے لوں گا!"

"دس کیوں؟"

"نہلے پر دہلا جو ماروں گا"

سوز گورکھ پوری نے سمجھایا۔

"ذرا غور کیجئے صبح دم پریم جی آپ کی تعریف میں ایک شعر پڑھ رہے ہیں۔ آپ جواب میں شعر پڑھ رہی ہیں۔ پھر وہ کچھ کہتے ہیں' پھر آپ اس کا جواب دیتی ہیں۔ پوری گفتگو شعروں میں ہوتی ہے۔ مستقل ہنی مون کا مزا آئے گا۔ اس کے لئے دس روپے زیادہ نہیں ہیں!"

"مگر تمہاری شعری صلاحیت غارت ہو جائے گی۔ بات کیا ہے؟ تم شاعر ہو کر روپے کا اس قدر لالچ کیوں کرنے لگے ہو! کیا کروگے اتنے روپے لے کر؟"

"بات یہ ہے"

سوز گورکھ پوری نے شرماتے ہوئے کہا:

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں!"

"شادی کروگے تو پھر مکان بھی لوگے۔ مکان لوگے تو پھر قاعدے سے بھی رہوگے۔ قاعدے سے رہوگے تو تمہاری شاعری مر جائے گی!"

بلبل نے احتجاج کیا۔

"میں تمہیں صرف چھ روپے فی رباعی دوں گی۔ ہر روز تم مجھے پریم راہی کی رباعی کے جواب میں ایک جواب مجھے بھی لکھ کر دیا کروگے!"

"اگر دس روپے دے دیتیں' تو میں آسانی سے شادی کر لیتا!"

سوز گورکھ پوری نے عاجزی سے کہا۔

"نہیں' نہیں! شاعر کو شادی نہیں کرنا چاہیے۔ وہ جتنا اکیلا رہے گا' جتنا اسے اپنے سونے پن کا' تنہائی کا' مجبوری کا احساس ہو گا' اتنا ہی اس کا فن چمکے گا' اور اس کی شاعری میں پیغمبری کی شان آئے گی!"

سوز گورکھ پوری نے سر جھکا لیا۔

"اچھا کل پہلی رباعی لکھ کر لاؤں گا' چھ روپے میں!

بھوکے پیغمبر!

انٹرنیشنل سنے فون کے زیرِ اہتمام جب تین تصویریں سلور جوبلی منا چکیں، تو بلبل کے دل میں خیال آیا کہ اب واقعی ایک انٹرنیشنل پکچر بنانی چاہیے، جس سے ساری دنیا میں ایک دھماکہ ہو جائے۔

اس دھماکے کو معرضِ وجود میں لانے کے لیے بلبل نے گلشن سیٹھ سے بات کی۔

گلشن سیٹھ فوراً راضی ہو گیا۔

چنانچہ طے پایا کہ دو کروڑ روپے کے مصارف سے ایک عظیم الشان بین الاقوامی تصویر بنائی جائے۔ جس میں ہندوستان کے علاوہ بین الاقوامی اداکار بھی کام کریں۔ یہ پکچر کلر اور سینما اسکوپ میں ہوگی، اور ساری دنیا میں ریلیز کی جائے گی!

گلشن سیٹھ بولا،

"میں اس تصویر کو مختلف ملکوں کے تقسیم کاراداروں کی مدد سے ساری دنیا میں تقسیم کروں گا!"

جب سب حساب کتاب تیار کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ اگر دو کروڑ روپے کی لاگت سے یہ تصویر بن گئی تو اس پر کم سے کم ایک ارب روپے کا منافع ہو گا!

بلبل بولی:

"مگر یہ اتنی بڑی تصویر ہونی چاہئے کہ دنیا میں آج تک نہ بنی ہو!"

"ایسی ہی ہو گی!"

گلشن سیٹھ نے جواب دیا۔

"دھماکہ ہو جائے!"

پریم راہی نے کہا۔

"لوگ ایٹم بم کو بھول جائیں گے!"
گلشن سیٹھ بولا۔

جب حساب کتاب کا بلو پرنٹ تیار ہو گیا تو کہانی کی تلاش شروع ہوئی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی کہانی ہونے جا رہی تھی۔ ظاہر ہے یہ کام کسی ایک رائٹر کے بس کا نہیں تھا۔ لہٰذا کہانی کی تلاش کے لیے فلم انڈسٹری سے چوٹی کے دس رائٹروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ اور اس دماغی ٹرسٹ کے ذمے یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ دو ماہ کے اندر اندر ایک زبردست کہانی کا آئیڈیا تیار کر کے پیش کریں۔

ان رائٹروں میں خواجہ احمد عباس، اندر راج آنند، رامانند ساگر، مکھ رام شرما، ور جیندر گوڑ، اختر مرزا، مرزا وجاہت چنگیزی، راجندر سنگھ بیدی تو شامل کیے ہی گئے تھے۔ ان کے علاوہ پریم راہی کی سفارش پر سوز گورکھپوری کو بھی شامل کر لیا گیا۔ پھر آخر میں گلشن سیٹھ کی سفارش پر محمد علی دھماکہ کو بھی شامل کر لیا گیا!

محمد علی افسانہ نگاری کے علاوہ شاعری بھی کرتے تھے، اور دھماکہ تخلص کرتے تھے۔ ان کی آواز بڑی گونج دار اور پائیدار تھی، اور اپنا فلمی افسانہ یا گیت اس طرح گرج کر سناتے تھے کہ گلشن سیٹھ ایک دم ان کی فلمی قابلیت کا قائل ہو گیا۔ اور اس نے ان معزز اصحاب کی ٹولی میں انہیں بھی شامل کر لیا۔

کہانی بورڈ کے کام کے لیے تاج محل ہوٹل میں دس کمرے مخصوص کر دیئے گئے۔

گلشن سیٹھ نے یہ طے کیا تھا کہ جب تک کہانی کا خاکہ تیار نہ ہو گا، ان رائٹروں کو گھر پر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ ہوٹل ہی میں ان رائٹروں کو قیام و طعام اور تفریح کے بہترین لوازمات بہم پہنچانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ اور ان کے لکھنے کے لیے بہترین کاغذ اور فونٹین پین وغیرہ مہیا کر دیئے گئے۔

مگر اس پر خواجہ احمد عباس نے اعلان کیا کہ وہ عمدہ کاغذ پر لکھ ہی نہیں سکتے! کاغذ جتنا برا اور کھردرا ہو گا، اتنا ہی عمدہ ان کا قلم چلے گا۔!

لہٰذا خواجہ احمد عباس کے لئے سارا شہر چھان کے ردی سے ردی کاغذوں کے ڈھیر اکٹھے کر کے ان کے کمرے میں پہنچا دیئے گئے۔

اندر راج آنند نے بتایا کہ وہ تو لکھ ہی نہیں سکتے، وہ صرف بولتے ہیں۔ لہٰذا ان کے لیے ایک ٹیپ ریکارڈر کا بندوبست کیا گیا۔

مرزا وجاہت چنگیزی کی تخلیق کا اسپ تازہ لکھنؤ کے اعلیٰ پانوں کی مدد کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتا تھا۔ لہٰذا ان کے لیے ہر روز لکھنؤ سے اعلیٰ پانوں کی ایک ڈھولی بذریعہ ہوائی جہاز منگوائی جاتی تھی۔

پنڈت مکھ رام شرما گاؤ تکیے کی مدد کے بغیر نہیں لکھ سکتے تھے۔

اختر مرزا صرف ہنڈولے میں بیٹھ کر لکھ سکتے تھے۔

ورجیندر گوڑ کو بجلی کے پنکھے کا شور سخت ناپسند تھا۔

اور راجیندر سنگھ بیدی صرف کشتی میں بیٹھ کر لکھ سکتے تھے۔ اس لئے ان کے لیے ایک اگن بوٹ کا بندوبست کر دیا گیا۔

باقی رہ گئے سوز گورکھ پوری کہ ان کا شمار چھٹ بھئیوں میں ہوتا تھا، اس لئے ابھی تک انہوں نے کسی اعلیٰ درجے کی عادت کو اختیار نہیں کیا تھا۔

رہ گئے محمد علی دھماکہ، تو انہوں نے اعلان کیا کہ وہ صرف اس وقت لکھ سکتے ہیں، جب وہ شیش آسن میں ہوں۔ جب ان کی ٹانگیں اوپر ہوں اور سر زمین پر ہو۔

"اس حالت میں"

دھماکہ صاحب نے بتایا:

"جسم کی رگوں کا سارا خون کھنچ کر دماغ میں لوٹ آتا ہے اور اس حالت میں میرا دماغ بہت چلتا ہے!"

چنانچہ ان کے لیے فوم ربڑ کے عمدہ تکیوں کا بندوبست کیا گیا جس پر الٹے ہو کر وہ لکھ سکیں!

دو ماہ کی شدید محنت کے بعد اور کئی سو لڑائی جھگڑوں کے بعد جس میں ہاتھا پائی کی نوبت آتے آتے رہ گئی۔ کہانی بورڈ نے باتفاق رائے مگر بہت سی ترمیموں کے بعد محمد علی دھماکہ کا آئیڈیا منظور کر لیا۔

اور جب آئیڈیا منظور کر لیا گیا تو ایک بڑی میٹنگ انٹرنیشنل سے فون کی بلائی گئی جس میں گلشن سیٹھ، پریم راہی، بلبل، رستوگی، اور منوہر بھی شامل تھے اور کہانی کے آئیڈیا پر بحث چل پڑی،

"کہانی کا نام کیا ہے؟۔

سب سے پہلے گلشن سیٹھ نے پوچھا۔

"نور جہاں کی چھ بہنیں"
خواجہ احمد عباس نے اعلان کیا۔
گلشن سیٹھ اچھل پڑا۔
دھانسو نام ہے!"
اس نے اقرار کیا۔
"مگر نور جہاں کی تو چھ بہنیں نہیں تھیں!"
بلبل نے اعتراض کیا!
"اس فلم میں ہیں!"
اندر راج گرج کر بولا۔
اور سب لوگ چپ ہو گئے۔
آئیڈیا کیا ہے؟"
پریم راہی نے پوچھا۔
"میں بتاتا ہوں!"
محمد علی دھماکہ نے فوراً" اچھل کر کہا اور پھر سر نیچا اور ٹانگیں اوپر کر کے شیرش آسن کے پوز میں کھڑا ہو گیا۔
"یہ کیا حماقت ہے؟"
بلبل حیران ہو کر بولی۔
"اس کو فلم کا آئیڈیا ایسے ہی آتا ہے"
خواجہ احمد عباس نے بتایا:
"محمد علی دھماکہ جب عام آدمیوں کی طرح سر اوپر اور ٹانگیں نیچے کر کے اٹھتا بیٹھتا ہے تو لٹریچر کی تخلیق کرتا ہے لیکن جب سر نیچا اور ٹانگیں اوپر کر کے سوچتا ہے تو اس کے دماغ میں صرف فلمی خیال آتے ہیں!"
"اور کیا خیال آتے ہیں"
محمد علی دھماکہ بولا:
"ذرا غور کیجئے کتنا مشکل کام تھا۔ ہم دنیا کی سب سے بڑی تصویر بنانے جا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے سوچا، یہ تصویر اتنی بڑی ہو گی کہ ہر سینما میں کم سے کم پانچ گھنٹے چلے گی!"

"میں نے بڑی تصویر کے لیے کہا تھا، لمبی تصویر کے لئے نہیں کہا تھا۔"
گلشن سیٹھ بولا۔
"لمبی بھی ہے اور بڑی بھی ہے۔ آپ ذرا دھیرج سے سنئے!"
ورجیندر گوڑ نے گلشن سیٹھ کو سمجھایا۔
"مگر پانچ گھنٹے تک پکچر کون دیکھے گا؟ اور خاص طور پر انٹرنیشنل پکچر۔ یورپ اور امریکہ میں تو لوگ چھوٹی تصویریں دیکھنے کے عادی ہیں"
پریم راہی بولا۔
"اگر وہ لوگ تین گھنٹے کی Ten.Commandment دیکھ سکتے ہیں، ساڑھے تین گھنٹے کی Gone.with.the.wind دیکھ سکتے ہیں، تو پانچ گھنٹے کی تصویر کیوں نہیں دیکھ سکتے!"
"اس تصویر میں ایک آئیڈیا ہم نے یہ رکھا ہے"
اختر مرزا بولے:
"کہ ہر پکچر ہاؤس تصویر کے دوران میں تصویر دیکھنے والوں کو مفت لنچ اور ڈنر مہیا کرے گا!"
"تو پڑا نہیں ہو جائے گا ڈسٹری بیوٹر اور ایگزیبیٹر کا؟"
گلشن سیٹھ نے پوچھا۔
"بالکل نہیں ہو گا۔"
رامانند ساگر بولے:
"آپ معاملے کو سمجھتے نہیں۔ لنچ اور ڈنر کے دام ٹکٹ میں شامل ہوں گے! پانچ گھنٹے کی پکچر کے دام عام تصویروں سے تگنے تو رکھے جائیں گے۔ اور یہ تجربہ کامیاب رہا ہے۔ مغل اعظم اور دوسری تصویروں میں دام بڑھا کے ہم نے دیکھ لیا ہے۔ تصویر اگر اچھی ہو تو تماشائی تگنے دام دے کر بھی ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مگر ہم اس میں ایک جدت کر رہے ہیں ہم تصویر کے ساتھ لنچ اور ڈنر دے رہے ہیں اور بالکل مفت!"
بلبل بولی:
"کمال کا آئیڈیا ہے جی میں تو سمجھتی ہوں گھر کی عورتیں کھانا پکانا چھوڑ دیں گی۔ بس اپنے شوہروں اور بچوں کو لے کر تھیٹر میں ڈیرے ڈال دیں گی، اور صبح و شام پکچر دیکھا کریں

گی۔ تفریح کی تفریح' اور کھانے کا کھانا۔ میں سمجھتی ہوں' دنیا میں آج تک ایسی پکچر کبھی نہ بنی ہو گی!"

گلشن سیٹھ اپنے ماتھے کو بجاتے ہوئے بولا:

"اب میری کھوپڑی میں آگیا ہے!"

مکھ رام شرما بولے:

"اس غوب محمد علی دھماکہ کی بات سن لیجئے جلدی سے ورنہ ان کی کھوپڑی پھٹ جائے گی!"

محمد علی دھماکہ کی گردن کی رگیں پھولتی جا رہی تھیں۔ اور اس کے دماغ میں فلمی آئیڈیا دوران خون کی طرح بہہ رہا تھا۔

وہ چلاکر بولا:

"پکچر کا نام 'نور جہاں کی چھ بہنیں۔ آئیڈیا کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ نور جہاں ایسی بڑی عورت ہر زمانے میں پیدا ہوتی رہی ہے۔ گویا ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی نور جہاں کی سی حسین اور دل کش عورت پیدا ہوتی رہی ہے جس کے لیے حکومتیں تہہ و بالا ہو گئی ہیں۔ سماج لٹ گئے ہیں اور مرد تباہ و برباد ہو کر اس کے عشق میں گھوٹال گھٹ ہو گئے ہیں! اس لئے ہم پکچر پانچ گھنٹے کی بناتے ہیں بلکہ چھ ہو سکتے تو چھ گھنٹے کی۔ اور ہم شروع کرتے ہیں نور جہاں کی پہلی بہن سے یعنی لیلیٰ سے! ایک گھنٹے تک لیلیٰ مجنوں کی کہانی دکھاتے ہیں۔ پھر یہی لیلیٰ دوسرے عہد میں پہنچ کر ہیلن آف ٹرائے ہو جاتی ہے!"

"جس پر ہومر نے اپنا شاہکار لکھا ہے"

خواجہ احمد عباس نے بتایا۔

The face that launched a thousand ships

اختر مرزا بولے۔

"پھر تیسرے عہد میں یہی عورت جیولیٹ بن جاتی ہے۔ اور ہم دکھاتے ہیں ایک گھنٹے کے لیے رومیو جیولیٹ کی کہانی"

محمد علی دھماکہ زور سے چلایا۔

"پھر چوتھے عہد میں یہی عورت کلو پٹرا بن جاتی ہے"

اندر راج نے سمجھایا۔

"ذرا خیال کیجئے۔ اہرام مصر! ابوالہول۔۔اور انٹونی اور نیلے رنگ کے چھتے ہوئے بجرے میں پان کھاتی ہوئی کلو پیٹرا اور۔۔۔"!

"اور انٹونی وہسکی پیتا ہوا"

راجندر سنگھ بیدی بولے۔

"اس زمانے میں وہسکی ہوتی تھی؟"

مرزا وجاہت چنگیزی نے اعتراض کیا۔

"اگر پان ہوتے تھے تو وہسکی بھی ہوتی ہوگی۔"

راجندر سنگھ بیدی نے فوراً" جواب دیا۔

مرزا وجاہت چنگیزی نے فوراً" خوش ہو کر ایک پان راجندر سنگھ بیدی کی خدمت میں پیش کیا۔

"پانچویں گھنٹے میں یہی عورت نور جہاں بن جاتی ہے۔"

محمد علی دھماکہ بولا:

"اور چھٹے اور آخری گھنٹے میں ممتاز محل، یعنی ہم اپنی پکچر شروع کرتے ہیں لیلیٰ سے اور ختم کرتے ہیں تاج محل پر!"

"بولئے پچاس لاکھ کا آئیڈیا ہے کہ نہیں؟"

دھماکہ زمین سے اچھلا اور سیدھا کھڑا ہوگیا۔

"ہے تو دھانسو۔"

پریم راہی نے اقبال کرتے ہوئے کہا۔

"اور اس میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اس پکچر میں انڈسٹری کے چھ بڑے بڑے جوڑے لے سکتے ہیں۔ ٹاپ کے اسٹار!"

"اور صرف ہندوستان ہی کے نہیں، ہالی وڈ کے بھی، اگر چاہیں تو فرانس اور اٹلی کے بھی لے سکتے ہیں!"

"ایسا کریں آپ"

اختر مرزا بولے:

لیلیٰ مجنوں کے لئے مصر کے سب سے بڑے ستارے لیجئے۔۔رومیو جیولیٹ کے لئے اٹلی کے سب سے بڑے ستارے۔ کلو پیٹرا کے لئے ہالی وڈ کے ستارے۔ ہیلن آف ٹرائے

کے لئے یونان کے ستارے۔اور نور جہاں اور ممتاز محل کے لئے ہندوستان کے سب سے بڑے ستارے، چھ بڑے ہیرو اور چھ بڑی ہیروئنیں، دھوم مچ جائے گی!"

"گھوٹال گھٹ ہو جائے گا!"

محمد علی دھماکہ میز پر مکا مار کر بولے۔

"اس میں کوئی بات ہے"

پریم راہی نے سوز گورکھ پوری کی طرف دیکھ کر اپنی بات کی تائید چاہی۔

"جی بجا ارشاد ہوا"

سوز گورکھ پوری بولے۔

"کیا خاک بات ہے؟"

بلبل خفا ہو کر بولی:

"اس میں وہ تسلسل کہاں رہتا ہے، نور جہاں جو ہر عہد میں پیدا ہوتی رہی وہ تو ایک ہی لڑکی ہونی چاہئے!"

"کمال ہے کمال ہے"

بہت سے رائٹر ایک دم اپنی اپنی میزوں پر ہاتھ مار کر بولے "جائے استاد خالی است"۔۔۔کیا آئیڈیا دیا ہے بلبل جی نے۔۔۔!"

"یعنی۔۔۔۔۔ہیروئن ایک ہے، یعنی مس بلبل.... بلبل ہند، ۔۔۔۔۔۔۔جو شروع میں لیلیٰ بنتی ہے، پھر ہیلن، پھر جیولیٹ، پھر کلوپیٹرا، پھر نور جہاں اور آخر میں ممتاز محل۔"

محمد علی دھماکہ بولا۔

"واہ واہ!!۔اب آئیڈیا مکمل ہوا ہے۔کیوں عباس؟"

اندر راج آنند نے عباس سے پوچھا۔

"برا نہیں ہے!"

ورجیندر گوڑ نے کہا۔

"برا۔۔۔۔؟"

ایک دم گلشن سیٹھ خفا ہو کے بولے۔

"اجی فسٹ کلاس ہے ایک دم فسٹ کلاس۔ نور جہاں ہر عہد میں بدلتی جاتی ہے، مگر رہتی ہے وہی مس بلبل...... آہاہا۔ کیا غضب کی سوجھی ہے۔ جی چاہتا ہے ہاتھ چوم لوں!"

محمد علی دھماکہ نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔
مگر گلشن سیٹھ نے آگے بڑھ کر بلبل کا ہاتھ چوم لیا۔
بلبل بہت خوش ہوئی۔
محمد علی دھماکہ پیچھے ہٹ گیا۔
"مگر ہیرو چھ ہوں گے؟"
لکھ رام شرما نے بات پلٹنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔
"بے شک!"
بلبل بولی۔
"مرد بدل سکتے ہیں، مگر عورت نہیں بدل سکتی!"
مرزا وجاہت چنگیزی بولے۔
"بہت عمدہ ہے، بدلنا مرد کی فطرت ہے اور نہ بدلنا عورت کی!"
بلبل: بولی۔
ہم چھ بڑے انٹرنیشنل اسٹار لیں گے۔ مجنوں کے لئے پریم راہی!"
"واہ، واہ"
سوز گورکھ پوری ایک دم اچھل کر تالی بجانے لگا۔
"رومیو کے لئے گلن فورڈ۔"
اختر مرزا نے تجویز پیش کی۔
"گریگری پیک بھی برا نہیں رہے گا۔"
ورجیندر گوڑ نے کہا۔
"مجھے کیری گرانٹ کے ساتھ کام کرنے کا شوق ہے!"
"تو کیری گرانٹ کو لے لیں گے"
راجندر سنگھ بولے:
"اپنا کیا جاتا ہے؟"

"اور انٹونی کے لئے ؟"
"میرے خیال میں انٹونی کے لئے مارلن برانڈو کو چن لیا جائے!"
"ہرے!"
بلبل بولی۔
"اور پیرسن کے لئے......؟"
"گلن فورڈ!"
بلبل بولی۔
"پاس!"
گلشن سیٹھ نے زور سے سرہلایا۔
جہانگیر کے لئے میں دلیپ کمار کا نام تجویز کرتا ہوں۔"
پریم راہی نے کہا۔
"مگر ممتاز محل کے لئے تمہیں پھر شاہجہاں کا کام کرنا پڑے گا!"
بلبل نے ذرا اٹھلا کر پریم راہی سے کہا۔ اور اس کی آنکھوں میں اپنی محبت سے ڈوبی ہوئی آنکھیں ڈال دیں۔
"میں حاضر ہوں!"
"پریم راہی نے سر جھکا کے بڑی عاجزی سے کہا۔
"اس طرح یہ چھ گھنٹے کی تصویر بن جائے گی"
مکھ رام شرما بولے۔
"اور اس میں ایک سندرتا یہ ہے کہ اگر آپ چاہیں تو اس پکچر کو پانچ گھنٹے کی بنا سکتے ہیں، اور نور جہاں پر ختم کر سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تو چار گھنٹے کی بنا سکتے ہیں اور کلو پیٹرا پر ختم کر سکتے ہیں!"
"یعنی جہاں آپ کے پیسے ختم ہوتے ہیں وہاں پر اس پکچر کو بھی ختم کر سکتے ہیں"
خواجہ احمد عباس بولے:
"ایسی سہولت آپ کو کسی دوسری پکچر میں نہیں ملے گی!"
"اور اس میں مزید گنجائش یہ رکھی گئی ہے"
اندر راج آنند نے تشریح کی:

"کہ اگر آپ چاہیں تو اس میں چھ بڑے انٹرنیشنل ستاروں کے علاوہ چھ بڑے ڈائریکٹر بھی لے سکتے ہیں۔ لیلیٰ مجنوں کا حصہ محبوب خاں سے ڈائریکٹ کرائیے۔ تو انٹونی کلوپیٹرا کا حصہ ہنری کنگ سے، ہیلن آف ٹرائے کا فرینک کاپرے سے۔ تو نورجہاں کا صادق بابو سے، وغیرہ، وغیرہ صحیح معنوں میں انٹرنیشنل پکچر ہو جائے گی!"

"اتنا تنوع، اتنی رنگارنگی، اتنی دلچسپی شاید ہی دنیا کی کسی دوسری پکچر میں ملے۔"

رامانند ساگر بولے۔

"بات میں دم ہے، آئیڈیا میں جان ہے۔"

گلشن سیٹھ نے اقرار کیا۔

"دم کیا ہے جی، ایک دم دھانسو ہے دھانسو!"

محمد علی دھماکہ بولا۔

"وہ دھماکہ چھوڑا ہوں کہ دنیا دیکھے گی تو گھوٹال گھٹ ہو جائے گی!"

"جتنا سوچتی ہوں، اتنا ہی یہ آئیڈیا مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے!"

بلبل نے سرہلا کے کہا۔

"دوستو! ہاتھ ملاؤ۔"

گلشن سیٹھ نے خوش ہو کر ہاتھ آگے بڑھایا۔

اسی وقت بارہ پندرہ ہاتھ ایک دوسرے سے مصافحہ کرنے لگے۔ ہر شخص بے حد خوش تھا۔ کیوں کہ پہلی بار ہندوستان میں دنیا کی سب سے بڑی پکچر بننے جارہی تھی!

ذرا سوچ کر گلشن سیٹھ نے کہا:

مگراس پرلاگت کم سے کم چار کروڑ روپے آئے گی۔

"مگر فائدہ بھی تو چار ارب کا ہو گا!"

ورجیندر گوڑ بولا۔

"سیٹھ تم کوئی چھوٹی مچھلی پھانسنے نہیں جارہے ہو!"

"تم فکر کیوں کرتے ہو؟"

بلبل اسے دلاسہ دیتے ہوئے بولی:

"میں جو موجود ہوں۔ ہر سال آٹھ دس کانٹریکٹ کرتی ہوں، تیس چالیس لاکھ روپیہ پیٹ لیتی ہوں۔ ساری آمدنی اس میں جھونک دوں گی!"

"مگر پکچر بنے گی ضرور!"

پریم راہی بولا۔
"تو ہماری دو ماہ کی محنت کی اجرت مل جائے"
خواجہ احمد عباس نے یاد دلایا:
"چیک کاٹئے!"
"ام-----وہ بات یہ ہے"
گلشن سیٹھ بولا:
"آج تو مجھے فرصت نہیں ہے اور کل میں مدراس جارہا ہوں، وہاں سے ایک ہفتے کے بعد لوٹوں گا، تو......!"
"تو تم ہالی وڈ چلے جاؤ گے۔"
بلبل نے لقمہ دیا:
"اس پکچر کا بندوبست کرنے کے لئے........!"
"ہاں"
گلشن فوراً" اس لقمے کو نگلتے ہوئے بولا:
"تو میں ہالی وڈ چلا جاؤں گا اس پکچر کا بندوبست کرنے کے لئے واپس آکے سب سے پہلے آپ کے چیک کاٹ دوں گا!"
"تب تک آپ کام جاری رکھئے!"
پریم راہی نے رائٹروں سے کہا۔
اور رائٹر لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے!

فلم "نور جہاں کی چھ بہنیں" واقعی ہنگامہ خیز ثابت ہو رہی تھی' ساری دنیا کے فلمی حلقوں میں اسی فلم کے چرچے تھے۔ خصوصاً" ہالی وڈ کے چوٹی کے ستاروں کی شمولیت نے اس کی شہرت کو آسمان تک پہنچا دیا تھا۔

لیکن جب مس بلبل نے مارلن برانڈو کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تو فلمی تماشائیوں کا تجسس اپنے انتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ ہزاروں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ مس بلبل اور مارلن برانڈو کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب رہتے تھے۔

پھر ہولے ہولے انہی دنوں میں نہ صرف ہندوستان کے اخباروں میں' بلکہ دنیا کے فلمی اخباروں میں مارلن برانڈو اور مس بلبل کے بڑھتے ہوئے رومان کا چرچہ ہونے لگا۔ یہ خبر جلی سرخیوں میں فلمی اخباروں کے پہلے صفحے پر گشت لگانے لگی۔ مارلن برانڈو اور مس بلبل کی تصویریں اکٹھی چھپنے لگیں۔

پہلے تو صرف ایسی تصویریں چھپتی تھیں جس میں مس بابل اور مارلن برانڈو اکٹھے کام کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے۔ یا ایسی تصویریں کسی سوشل تقریب کے موقع پر جن میں مارلن برانڈو مس بلبل اور پریم راہی اکٹھے دکھائے جاتے تھے۔

اب بالعموم ایسی تصویروں کی پہلے صفحے پر بھرمار ہونے لگی جن میں مارلن برانڈو اور بلبل اکٹھے دکھائے جاتے تھے کسی فلم کے پریمئیر پر یا کسی کلب میں یا کسی ہوٹل کے بال روم میں اکٹھے ناچتے ہوئے۔ اور پریم راہی کی تصویر الگ سے شائع کی جاتی تھی۔ اکیلا کہیں پر بیٹھا ہوا' دیوداس کی طرح اپنے غم کو غلط کرتا ہوا۔

آہستہ آہستہ لوگوں کی دلچسپی اس رومان میں بے حد بڑھ گئی اور وہ ہر فلمی پرچے اور رسالے میں اس رومان کی تازہ ترین واردات کے چٹ پٹے تذکرے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پڑھنے لگے!

ایک دن بلبل نے شدید احتجاج کیا۔

"یہ سب کیا بکواس ہے؟ تم جانتے ہو اس خبر میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ پھر بھی ان خبروں کو ہر روز زیادہ سے زیادہ پھیلایا جارہا ہے مجھے یہ بکواس بالکل پسند نہیں ہے۔ تم میرے شوہر ہو تمہیں ان خبروں کی تردید شائع کرنی چاہیے!"

"میں ہرگز کوئی ایسی تردید شائع نہیں کروں گا"

پریم راہی مسکرا کر بولا۔

"مگر اس میں تمہاری بیوی کی عزت کا سوال ہے"

بلبل نے حیران ہو کر پریم راہی سے کہا۔

"میری بیوی کی عزت بالکل محفوظ ہے۔ مارلن برانڈو ایک شریف آدمی ہے۔ کیوں برانڈو؟"

"بے شک!"

برانڈو تیوری چڑھاتے ہوئے بولا:

"ہالی وڈ کا ہر اخبار میری عزت کی گواہی دے گا!"

"پھر تم اس جھوٹ کی تردید کیوں نہیں کرتے ہو جس سے میری ذاتی شہرت کو دھکا پہنچتا ہے؟"

بلبل نے بھڑک کر کہا۔

"کیونکہ اس سے بزنس کو فائدہ پہنچتا ہے"

گلشن سیٹھ اب بلبل سے مخاطب ہوا۔

"وہ کیسے؟"

"ایک تو اس جھوٹ سے ساری دنیا کے فلمی حلقوں اور تماشائیوں کی توجہ اس فلم پر مرکوز ہو چکی ہے۔ دوسرے بزنس۔۔۔! بزنس؟ بزنس سمجھتی ہو بلبل؟"

"میں کیا جانوں'۔ بزنس کا کام میں نے تمہیں سونپ رکھا ہے"

بلبل بیزار ہو کر بولی۔

"تو میرے کام میں بے جا دخل اندازی مت کرو!"
"تو کیا یہ سب جھوٹ تمہارے کہنے پر پھیلایا جا رہا ہے؟"
بندہ قصوروار ہے"
گلشن سیٹھ بولا:
"مگر ذرا سوچو' اس جھوٹ سے کتنا بڑا فائدہ انٹرنیشنل سنے فون کو پہنچا ہے۔ میں دو دفعہ اس پکچر کی شوٹنگ کے دوران میں ہالی وڈ ہو کر آیا ہوں' مگر وہاں کے ڈسٹری بیوٹر اب تک مجھ سے سیدھے منہ سے بات نہیں کرتے تھے۔ اب جب سے تمہارے رومان کا پتہ چلا ہے تو خود امریکہ میں اس تصویر کے لاکھوں شیدائی پیدا ہو گئے ہیں اور امریکی ڈسٹری بیوٹروں نے دھڑا دھڑ اس فلم کی تقسیم کے لیے اپنی پیشکشیں دینا شروع کر دی ہیں اور جوں جوں تمہارے اور مارلن برانڈو کے رومان کا چرچا بڑھتا جا رہا ہے تمہاری فلم کی قیمت بڑھتی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے ایک ارب روپیہ تو میں صرف امریکہ سے بٹور لوں گا!"
"ایک ارب روپیہ!۔۔۔ذرا سوچو؟
پریم راہی کی آنکھیں ایک ارب روپے کے تصور سے کھلتی ہی چلی جا رہی تھیں!
"مشرق اور مغرب ملتے ہیں۔ کپلنگ کے باوجود!۔۔اور سب بکواس!"
برانڈو لب بھینچ کر عجب تضحیک آمیز لہجے میں بولا:
"میرا خیال ہے گلشن' تمہیں مجھے میرے معاوضے کے علاوہ کمیشن بھی دینا چاہیے۔ کیوں کہ اس دلچسپ جھوٹ میں میں بھی ایک پارٹنر ہوں!"
مگر بلبل مسکرائی نہیں۔
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کامیابی اس کی فطرت اور ذہن پر کسی طرح کا برا اثر ڈالنے میں ناکامیاب رہی ہے!"
عام طور پر کامیابی سے طاقت حاصل ہوتی ہے۔ طاقت سے غرور آتا ہے۔ غرور سے طاقت کا بے جا استعمال بڑھتا ہے بے جا استعمال سے ذاتی اخلاق کی دیواریں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ حتیٰ کہ آدمی بھرے سماج میں ننگا ہو کر من مانی کرنے لگتا ہے۔
"شو آنند نے بلبل کو زخمی ضرور کیا تھا مگر اندر سے بلبل اپنے آپ کو بالکل بچائے ہوئے تھی!"

پریم راہی کی تمام کمزوریوں اور بچگانہ حرکتوں کے باوجود وہ پریم راہی سے محبت کرتی تھی۔ کیوں کہ پریم راہی کے اندر اخلاق کی ایک شرافت تھی، محبت کی ایک معصومیت تھی، اور ذاتی کردار کی ایک ایسی رفعت تھی جس نے اس کا من موہ لیا تھا۔

پریم راہی نے اپنی جان پر کھیل کر شو آنند کی مخالفت کی تھی، اور اسے غلیظ دلدل میں ڈوبنے سے بچالیا تھا۔ اسی لیے پریم راہی اسے اس قدر پسند تھا۔ گذشتہ چھ سالوں میں ان کی محبت کی مثال دی جاتی تھی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پریم راہی اس پر دل و جان سے عاشق تھا اور بلبل اس پر!

اسی لئے بلبل نے اس جھوٹ کو پسند نہیں کیا تھا، اور اس بات کو بھی پسند نہیں کیا تھا کہ پریم راہی نے اخباروں میں اس جھوٹ کی تردید کرنا پسند نہیں کیا!

"ہالی وڈ میں یہ فیشن عام ہے"

برانڈو نے اسے بتایا:

"مشرقی لوگ ابھی ان باتوں میں بہت پسماندہ ہیں۔ مگر مغرب کے فلمی حلقوں میں اس قسم کی جھوٹی سچی حکایتیں بہت چلتی ہیں۔ تصویر کے ذاتی معیار سے کہیں زیادہ اس قسم کی حکایتوں سے فلم کے لیے لوگوں کے دلوں میں دلچسپی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ فلم دیکھنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں!"

"کر دیئے جاتے ہیں!"

پریم راہی بولا۔

تم ٹھیک کہتے ہو"

برانڈو نے کہا:

"مگر بات ایک ہی ہے۔ بزنس عمدہ ہو جاتا ہے!"

مگر بلبل کو پورے طور پر یقین نہیں آیا تھا۔۔۔ وہ بڑبڑاتی ہوئی بولی:

"میں اپنی محبت کو بزنس سے ملوث نہیں کرنا چاہتی!"

مگر رات کو پریم راہی کی بانہوں میں سر ٹکائے ہوئے بلبل کو جیسے پریم راہی پر یقین آگیا:

"میں جانتا ہوں، تمہارے بغیر میں کچھ نہیں ہوں!"

پریم راہی بولا:

"تم نے یہ انٹرنیشنل سے فون صرف شو آنند کی ضد میں شروع کی ہے' تاکہ تم دنیا کی نگاہوں میں مجھے شو آنند سے بڑا اداکار بنا کے دکھا سکو! اس ایک خواہش کو پورا کرنے کے لیے تم نے مجھے اس پکچر میں ڈبل رول دیا ہے۔ اپنی ذاتی کمائی کا ساٹھ لاکھ روپے تک اس میں گھسا دیا ہے۔ تمہارا خیال ہے میں بے وقوف ہوں۔ کیا میں جانتا نہیں ہوں کہ تم یہ سب کچھ میرے لیے کر رہی ہو؟ میری تو ساری زندگی ایک محور کی طرح تمہارے گرد گھومتی ہے' بلبل!۔۔ تمہارے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں ہوں!

پھر کیا تم یہ منظور کر لوگی کہ۔۔۔

تمہارا یہ خواب پورا نہ ہو؟

انٹرنیشنل سے فون ٹوٹ جائے؟

امریکہ میں اس فلم کی بکری نہ ہو؟

میں اور تم دونوں مل کر فلمی آسمان پر ستارے بن کر نہ چمکیں؟ تم ایک چھوٹے سے جھوٹ کے لیے یہ سب کچھ برباد کر سکو گی' ذرا سوچو' اس جھوٹ سے ہمیں کیا نقصان پہنچتا ہے؟

کیا ان خبروں کے اندر کوئی صداقت ہے؟

ہرگز نہیں!

کیا تم دل سے برانڈو سے محبت کرتی ہو؟

قطعی نہیں!

کیا اس قسم کا کوئی خطرہ تمہارے دل میں موجود ہے کہ آگے چل کر تمہاری مارلن برانڈو سے کسی طرح کی ایسی محبت ہو سکتی ہے جس کا ڈھنڈورا اخباروں میں پیٹا جائے؟

نہیں!

تو اگر ان سب باتوں کا جواب نفی میں ہے' تو ہمارا کیا جاتا ہے؟

ایک ذرا سے جھوٹ سے ایک ارب روپیہ آتا ہے!"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو!"

بلبل پریم راہی کی بانہوں میں کسمساتے ہوئے بولی:

"مگر جانے کیوں جی اس ذرا سے جھوٹ بولنے کو بھی نہیں چاہتا۔ میں کوئی دیوی تو ہوں نہیں پریم۔ مگر میرا دل کبھی کبھی اس دنیا سے بہت گھبرا جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میرا

حسن جو کبھی صرف میرا تھا۔ یا صرف میرے شوہر کا ہوتا۔ اب ہم دونوں میں سے کسی کا نہیں رہا۔ جیسے کسی بہت بڑی آرگنائزیشن نے اپنے قبضے میں لے لیا ہو' اور اسے عالمی اسٹاک مارکیٹ میں فروخت کر رہی ہو۔ اس خرید و فروخت کے سلسلے میں مجھے بھی بہت کچھ ملا ہے۔ میں مانتی ہوں' بہت کچھ ملا ہے۔ دولت' شہرت' عزت' تحفظ' مگر کبھی کبھی اچانک میرا دل ان تمام چیزوں سے گھبرا جاتا ہے' اور میں سوچتی ہوں آخر کاہے کے لیے ہے یہ سب کچھ؟

کس حشر کے لئے؟

کس آخرت کے لئے؟

..کس انجام کے لئے؟

میرے ڈارلنگ میں شاید ایک بہت ہی چھوٹے اور بزدل دماغ کی عورت ہوں جو اتنے بڑے آرگنائزیشن کے لیے نہیں بنائی گئی ہے!

اس وسیع اور عریض بیڈ روم کی چار دیواری کے اندر دنیا اور اس کی تہذیب اور ترقی کی ہر آسائش مہیا ہے۔ چبھتے ہیں۔

رنگ جو آنکھوں کو

پردے جو انگلیوں کو کھردرے نہیں لگتے۔

موسیقی جو سماعت پر بار نہیں ہوتی۔

یہ خواب گاہ ایک سپنے کی طرح خوب صورت ہے۔

لیکن کبھی کبھی اس سپنے کے اندر مجھے ایک کوندا سا لپکتا دکھائی دیتا ہے' اور میرے کانوں میں رعد کی سی گرج سنائی دیتی ہے اور میں سر سے پاؤں تک کانپ جاتی ہوں۔

میں تم سے کہہ چکی ہوں۔ میں شاید ایک ایسی عورت ہوں' جو اس عظیم الشان تہذیب کی کسی طرح اہل نہیں ہوں۔

میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں لے کر کہیں چلی جاؤں۔ کسی پہاڑ کے دامن میں۔ ایک چھوٹے سے جھونپڑے میں۔ ندی کے کنارے گنوار لوگوں کے بیچ میں' جن کے ہاتھ خالی ہیں لیکن دل بھرے ہوئے ہیں' دماغ خالی ہیں لیکن آنکھیں کھلی ہوئی ہیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے ہیں' لیکن مسکراہٹ ثابت و سالم ہے!

تم سن رہے ہو پریم؟

میں تمہیں کسی ایسی جگہ لے جانا چاہتی ہوں، جہاں ہم ننگے پاؤں گھوم سکیں، پھولوں کے درمیان اور اوس میں ڈوبے ہوئے تنوں سے لگ کر سورج کی پہلی کرن کو شاہی تاج کی طرح اپنے سر پر محسوس کر سکیں!

کیا کبھی تمہارا ایسا جی نہیں چاہتا ہے کہ ہم اس میک اپ کو اتار کے اپنے خشک گالوں، پھیکے ہونٹ اور بے کاجل کی آنکھوں کے کسی گمنام سے گاؤں میں جاکے رہیں جہاں کوئی جھوٹ تمہاری اور میری محبت کے درمیان نہ آسکے؟"

"پریم؟"

"پریم"؟؟"

"سن رہا ہوں!"

پریم نے آہستہ سے کہا۔

اس کی آنکھیں اور اس کی آواز دونوں آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔

"میں وعدہ کرتا ہوں، میں چلوں گا، تمہارے ساتھ، مگر یہ پکچر ختم ہو جائے! ــ جو کام تم نے شروع کیا ہے اسے ادھورا چھوڑنے میں خود تمہاری شکست ہے!"

"مگر ـــ"

بلبل نے کہنا شروع کیا۔

مگر پریم راہی نے اسے آگے بولنے نہیں دیا۔ اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

اور بلبل کے سارے واہمے اس بوسے کی حلاوت میں گھل گئے!

جب بلبل کا رومان ایک بین الاقوامی فسانہ بن گیا، اور امریکہ کے بڑے بڑے رسالوں میں برانڈو اور بلبل کی تصویریں چھپنے لگیں، تو لبرٹی کارپوریشن کا پریذیڈنٹ جیمس میکنلے ہوائی جہاز سے فلائی کر کے بمبئی گلشن سیٹھ کے دفتر آیا اور اس نے ایک ارب پچیس لاکھ روپے کی آفر بلبل کی فلم کے لیے دے دی!

دو تین دن کی ردو قدح کے بعد گلشن سیٹھ نے جیمس میکنلے کی یہ آفر قبول کر لی اور اگریمنٹ پر دستخط ہو گئے۔ اگریمنٹ کی رو سے شمالی اور جنوبی امریکہ میں پکچر کو چلانے

کا حق لبرٹی کارپوریشن کو دے دیا گیا۔ ایگریمنٹ صرف ایک ارب روپے کا کیا گیا اور پچیس لاکھ روپوں کے ڈالر ایک امریکی بنک میں گلشن سیٹھ کے نام ڈال دیئے گئے!

ابھی پکچر مکمل نہیں ہوئی تھی' تیار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے نفع اور نقصان کا کوئی اندازہ ابھی تک پکچر بنانے والوں کو نہیں تھا' لیکن پکچر کے دوران ہی میں ایک پیسہ لگائے بغیر گلشن سیٹھ نے پچیس لاکھ کما کر ایک امریکی بنک میں ڈال دیئے تھے! سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر۔ اس رقم کا نہ بلبل کو پتہ تھا نہ پریم راہی کو۔ یہ بات صرف جیمس میکنلے اور گلشن سیٹھ کے درمیان ایک راز کی صورت میں رکھی گئی تھی' اور گلشن سیٹھ اپنی کامیابی پر بہت نازاں تھا!

لبرٹی کارپوریشن کے معاہدے سے بلبل کی پکچر کی شہرت اور بھی بڑھ گئی۔

اس معاہدے کے بعد ہولے ہولے جیسا کہ گلشن سیٹھ نے پہلے سے طے کر رکھا تھا۔ برانڈو اور بلبل کے رومان کی داستانیں مدھم پڑنے لگیں۔ آہستہ آہستہ اس کی پبلسٹی کم ہوتی گئی۔ اور جب برانڈو اپنا کام ختم کر کے واپس ہالی وڈ چلا گیا' تو اس کے جانے کے بعد بلبل اور پریم راہی دونوں نے اس داستان کی تردید کر دی۔ اور یہ تردید جلی سرخیوں سے اخبارات میں شائع ہوئی۔ اس طرح بخیر و خوبی اپنا مقصد پورا ہوتے ہی اس خوبصورت جھوٹ کو دفنا دیا گیا' اور بلبل اپنے طور پر پوری طرح مطمئن ہو گئی۔ اور پکچر بڑے اہتمام سے آگے کے مراحل طے کرنے لگی!

گلشن سیٹھ نے طوبا کو مار دھاڑ والی ایک پکچر میں ہیروئن کا کام دیا تھا‘ طوبا اپنے کام سے بے حد خوش تھی۔ طوبا کے مقابلے میں اسٹنٹ فلموں کا مشہور ہیرو کمل کمار کام کرتا تھا۔ مگر طوبا کی کمل کمار سے نہیں بنتی تھی۔ کیوں کہ طوبا کمل کمار سے زیادہ جان دار اور تگڑی تھی‘ اور مار دھاڑ کے مناظر میں اکثر اس سے بازی لے جاتی تھی۔ اور وہ دل ہی دل میں اس سے جلتا تھا‘ اور ڈائریکٹر بشن ملہوترہ کو الگ لے جاکر اس سے طوبا کا کام کم کرنے کی صلاح دیا کرتا تھا۔

آج فلم کے آخری منظر کی شوٹنگ تھی۔ جس میں ہیرو کی ہیروئن سے شادی فلمائی جانے والی تھی۔

طوبا بہت خوش تھی۔ اس کی پہلی فلم ختم ہو رہی تھی‘ اور چاہے وہ زندگی میں دلہن نہ بنی ہو مگر فلم میں تو بن رہی تھی‘ اور ایک ہیرو کی دلہن بن رہی تھی۔ دلیپ کمار کی دلہن نہ سہی‘ کمل کمار کی سہی‘ مگر ایک ہیرو کی دلہن وہ بن رہی تھی۔

یہ سوچ سوچ کر اس کے ہونٹوں پر ایک شرمیلی مسکراہٹ آجاتی اور وہ عروسی جوڑا زیب تن کئے ہوئے سر جھکائے ہوئے بالکل اپنے آپ کو سچ مچ کی دلہن سمجھتے ہوئے ہون کنڈ کے گرد پھیرے لے رہی تھی۔ اور کامل انہماک سے پنڈت کے منہ سے وید منتر سن رہی تھی۔

کمل کمار بہت بیزار تھا‘ اور ہر شاٹ کے بعد طوبا کا منہ چڑاتا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اس ایک فلم کے بعد اب وہ طوبا کے ساتھ کسی پکچر میں کام نہیں کرے گا۔

خدا خدا کر کے شادی کا سین ختم ہوا۔ کمل کمار نے جلدی سے اپنا سہرا نوچ کے پھینک دیا‘ اور دلہا کے کپڑے اتار دیئے۔ اور اپنی کھلے کالر والی بادامی رنگ کی ریشمی قمیص اور

سفید پتلون پہن کے سیٹ پر ملو با سے دور ایک کرسی پر بیٹھ گیا' اور اطمینان کا سانس لے کر کامیڈین آغا سے باتیں کرنے لگا۔

بشن ملہوترہ نے ملو با سے کہا:

"تمہارا کام ختم ہے' اب تم جا سکتی ہو۔!"

"کیا پیک اپ ہو رہا ہے؟"

ملو با نے پوچھا۔

"نہیں!"

بشن ملہوترہ بولا:

"لڑائی کا ایک سین باقی ہے' سردارا سنگھ اور بنک بانگ پہلوان کی فری اسٹائل کشتی ہوگی!"

"فری اسٹائل کشتی؟"

ملو با خوشی سے تالی بجا کر بولی:

"تب تو میں اسے ضرور دیکھوں گی!"

"شوق سے دیکھئے!"

بشن ملہوترہ نے سردارا سنگھ اور بنک بانگ پہلوان کی کشتی کا پہلا شاٹ لیا۔

دوسرا شاٹ لیا۔

تیسرا شاٹ لیا۔

چوتھے شاٹ پر بنک بانگ پہلوان غصے سے بھڑک گیا۔ اس نے شاٹ کو درمیان میں چھوڑ کر کیمرہ مین کی گردن ناپ لی:

"اوہ' تم سردارا کی طرف داری کرتا ہے؟"

دبلا پتلا کیمرہ مین ایک چوہے کی طرح بنک بانگ کی بھاری بھرکم ہتھیلی میں لٹکا ہوا تھا۔

"نہیں پہلوان میں وہی کرتا ہوں جو.......جو.......ڈائریکٹر مجھ کو بولتا ہے!"

"نہیں۔ ہم دیکھتا ہے۔ تم بار بار کیمرہ ادھر رکھتا ہے جدھر سردارا سنگھ کا منہ دکھائی دیتا ہے۔ ہم کو ہر بار پیٹھ کی طرف سے دکھاتا ہے۔ ہم تمہارا گردن توڑ دے گا!"

یہ کہہ کر بنک بانگ نے زور سے کیمرہ مین کی گردن موڑ دی۔

کیمرہ مین خوف اور دہشت سے چلایا:

"بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔!"

پیشتر اس کے کہ کوئی اپنی جگہ سے اٹھتا، بجلی کی سی تیزی سے طوبا اچھلی اور اچھل کر اس نے ایک گھونسہ بنگ بانگ پہلوان کے پیٹ میں دیا، بنگ بانگ نے درد کی شدت سے بے تاب ہو کر کیمرہ مین کو چھو ڑ دیا۔

اور پیشتر اس کے کہ وہ طوبا کو پکڑے طوبا نے دو تین اور گھونسے اس کے پیٹ میں اس زور سے لگائے کہ بنگ بانگ ایسا موٹا تازہ قوی ہیکل پہلوان درد کی شدت سے بے تاب ہو کر زمین پر پیٹ پکڑ کر لوٹنے لگا اور واویلا مچانے لگا۔

بنگ بانگ کی اس ہیئت کزائی کو دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔۔ سردار اسنگھ بھی!

اپنے مخالف پہلوان کو ہنستے دیکھ کر بنگ بانگ طیش میں آ گیا، اور زمین سے اٹھ کر وہ طوبا کو پکڑنے کے لئے بھاگا۔

مگر طوبا بہت چالاک اور پھرتیلی تھی۔ وہ جانتی تھی اگر ایک بار وہ بنگ بانگ کے شکنجے میں آ گئی تو وہ اسے مکھی کی طرح مسل کر رکھ دے گا۔ اس لئے وہ بڑی ہوشیاری سے ہر بار اس کی گرفت سے پھسل جاتی تھی، اور طرح دے کر پلٹ کر پھسلتے ہوئے زور کا ایک گھونسہ پہلوان کے جبڑے پر دیتی۔

بنگ بانگ غصے سے بھنا کر پھر طوبا کے پیچھے بھاگتا، اور طوبا چکر چکریاں کھاتی ادھر ادھر لچک کر اس کی گرفت سے پرے ہو جاتی!

"کیمرہ چلاؤ۔ کیمرہ چلاؤ!"

بشن ملہوترہ نے طوبا اور بنگ بانگ کی اس عجیب و غریب لڑائی کو دیکھ کر کیمرہ مین سے کہا۔

کیمرہ مین نے کیمرہ چلانا شروع کر دیا۔

مگر نہ طوبا کو اس امر کا پتہ تھا نہ بنگ بانگ کو۔ دونوں اپنی اپنی لڑائی میں مشغول تھے۔ موٹا بھاری پہلوان طوبا کو پکڑنا چاہتا تھا، اور طوبا تھی کہ کسی طرح اس کے قابو میں نہیں آتی تھی۔ اور ہر بار موقع دیکھ کر اس کے منہ پر اور پیٹ پر گھونسوں کی بارش کرتی جاتی تھی!

بنگ بانگ کے منہ سے خون بہہ رہا تھا، اور وہ اس وقت ایک بھوکے شیر کی طرح دہاڑتا ہوا طوبا کے پیچھے بھاگ رہا تھا، اور طوبا چکریاں کھاتی ہوئی اور اسے بھی چکریاں دیتی ہوئی اس کی گرفت سے ہر بار صاف صاف بچ جاتی تھی۔

مگر تا کجے ؟تین چار منٹ کے بعد بنگ بانگ نے طوبا کو بازو سے پکڑ کر گھسیٹ لیا!
مگر پیشتر اس کے کہ وہ طوبا کو اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھا کر زمین پر پٹخ دے ' سردارا سنگھ چیتے کی طرح جست لگا کر بنگ بانگ پر اچھلا' اور جانے کیا داؤ اس نے لگایا کہ اگلے لمحے میں سیٹ پر کھڑے تماشائیوں نے دیکھا کہ طوبا الگ فرش پر لڑھکتی جا رہی ہے۔ اور سردارا سنگھ اور بنگ بانگ میں خوف ناک اور واقعی سچی کشتی ہو رہی ہے!
"کیمرہ چلاؤ' کیمرہ چلاؤ!"
بشن ملہوترہ خوشی سے تالی بجا کر بولا۔
"یہ ہے اصل کشتی جو میں چاہتا تھا۔ شاباش ۔۔۔ لڑے جاؤ۔ کیمرہ مین کیمرہ چلائے جاؤ۔ یہ وہ شان دار کشتی ہے جو آج تک کسی نے نہ دیکھی ہوگی!"
جب سردارا سنگھ نے بنگ بانگ کو اچھی طرح زیر کر لیا' اور اس کے سینے پر چڑھ کے اسے اچھی طرح لپیٹ لیا تو وہ اپنا سینہ پھلاتا ہوا فاتحانہ انداز سے بنگ بانگ سے الگ ہو گیا۔
بنگ بانگ شرمندہ ہو کر زمین سے اٹھا اور کسی سے کچھ کہے سنے بغیر اسٹوڈیو سے باہر بھاگ گیا۔
سب سے پہلے سردارا سنگھ نے طوبا کا شکریہ ادا کیا جس نے بر وقت مدد کر کے غریب کیمرہ مین کی جان بچائی تھی۔
پھر بشن ملہوترہ نے طوبا کا شکریہ ادا کیا۔ اور اسے بتایا کہ وہ طوبا اور بنگ بانگ کی لڑائی کے شاٹ بھی اس پکچر میں رکھے گا۔ یہ پہلی لڑائی ہوگی جس میں ایک مرد پہلوان سے ایک عورت نے کشتی کی تھی اور اسے ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔
گلشن سیٹھ بھی بے حد خوش ہوا۔ اس نے طوبا کو اگلی دو پکچروں میں کام دینے کا وعدہ کر لیا۔

جب سیٹ ختم ہو گیا' اور پیک اپ ہو گیا' اور سب لوگ اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر اسٹوڈیو سے نکلنے لگے تو کمل کمار یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس سے پہلے اس کی گاڑی میں

طوبا آ کے بیٹھ چکی ہے۔ حالاں کہ اس سے پہلے وہ ہمیشہ گلشن سیٹھ کی گاڑی میں بیٹھ کر جاتی تھی۔

"آپ گلشن سیٹھ کی گاڑی میں نہیں جا رہی ہیں؟"

اس نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں!"

"ٹھیک ہے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔ کہاں جانا ہے آپ کو؟"

"تمہارے گھر!"

"میرے گھر؟"

کمل کمار نے حیرت سے پوچھا:

"وہ کیوں؟"

"تمہاری میری شادی جو ہو چکی ہے"

طوبا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"کیا بکتی ہو؟"

"بکتی نہیں ہوں، ٹھیک کہتی ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو پنڈت سے پوچھ لو!"

ڈھیرے ڈھیرے لوگ گاڑی کے گرد جمع ہونے لگے۔

"مگر وہ تو فلمی شادی تھی"

کمل کمار غصے سے چیخا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے، شادی تو تھی، اور پورے سات پھیرے لئے ہیں میں نے تمہارے ساتھ، اب میں تمہاری دلہن ہوں!"

طوبا نے دزدیدہ نگاہوں سے کمل کمار کی طرف دیکھ کر شرمانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا:

کمل کمار نے گاڑی کا پٹ کھول دیا، اور بولا:

"باہر نکلو!"

"نہیں نکلوں گی!"

کمل کمار نے طوبا کو بانہہ سے پکڑ لیا، اور زور لگا کر اسے گاڑی سے باہر گھسیٹنے لگا۔

طوبا باہر نکل آئی۔

بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔

طوبا نے غصے میں آکر گھونسہ تان لیا' اور بے دھڑک آغا کے سامنے جاکر بولی:
"بول' میری اس کی شادی ہوئی کہ نہیں؟"
"ہوئی' میری ماں ہوئی۔
آغا لرز کر بولا:
"کیسے بولوں کہ نہیں ہوئی!"
"تو بتا؟"
طوبا نے پلٹ کر وہی گھونسہ بشن ملہوترہ کی ٹھوڑی کے نیچے لے جاکر پوچھا:
"میری اور کمل کمار کی شادی ہوئی کہ نہیں؟"
"بالکل ہوئی' صاف ہوئی۔"
بشن ملہوترہ کانپ کر بولا۔
"میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی۔۔۔۔!"
"اور تو کیمرہ مین' تو بول کیا کہتا ہے۔۔۔؟"
"میں وہی کہتا ہوں' جو میرا ڈائریکٹر کہتا ہے۔ طوبا بائی تیری شادی تو ضرور ہوئی اور کمل کمار سے ہوئی۔۔۔!"
"مگر۔۔۔۔۔؟"
گلشن سیٹھ اعتراض کرنے کے لئے آگے بڑھا۔
"مگر کیا۔۔۔۔؟"
طوبا پلٹ کر اس سے پوچھنے لگی۔
گلشن سیٹھ نے طوبا کے تنے ہوئے گھونسے پر غور کیا۔ آہستہ سے بولا:
"کچھ نہیں!"
"کچھ نہیں کیا۔۔؟ تو بھی بول' سچ سچ بول' تو نے کیا دیکھا۔؟" طوبا کی آواز کا لہجہ ایک بھاری گھونسے کی طرح وزنی تھا۔
گلشن سیٹھ بولا:
"ہاں شادی تو ہوئی' ناں کیسے کہہ سکتا ہوں؟"
"کس کی کس سے شادی ہوئی؟ صاف صاف کیوں نہیں بولتا ہے؟"
طوبا نے تحکمانہ لہجے میں گلشن سیٹھ سے پوچھا۔
گلشن سیٹھ نے سر جھکا کے کہا:

"تیری شادی ہوئی' اور کمل کمار سے ہوئی' اور ایک پنڈت نے کرائی۔ اتنا تو میں مانتا ہوں مگر........!"

گلشن سیٹھ خوف سے زیر لب بہت کچھ بدبداتا رہ گیا!

طوبا اسے اسی حالت میں چھوڑ کر کمل کمار کی طرف مڑی:

"بول اب کیا کہتا ہے۔ اتنے آدمیوں کے سامنے تیری میری شادی ہوئی۔ اتنے گواہ موجود ہیں' تیری میری شادی کے؟ تو مجھ کو اپنی دلہن قبول کرتا ہے کہ نہیں؟"

"نہیں.....!"

طوبا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا

کمل کمار نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا' اور پرے ہو گیا۔ طوبا اس کے قریب جا کر بولی:

"میرے سرتاج' میرے حال پر رحم کر' شادی کے پہلے دن اپنی اردھانگنی کو الگ نہ کر' دیکھ میں تیرے ہاتھ جوڑتی ہوں!"

"یہ کیا مذاق ہے؟"

کمل کمار زچ ہو کر چاروں طرف کھڑے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہنے لگا:

"ارے کوئی اسے سمجھائے۔۔۔۔؟"

"کیا سمجھائیں؟"

آغا بولا:

"ٹھیک تو کہتی ہے' ہم سب کے سامنے اس کی شادی ہوئی ہے!"

"مگر میں تو ابھی کنوارا ہوں!"

کمل کمار غصے سے بولا۔

"آج سے پہلے کنوارے تھے' مگر آج سے تم طوبا کے شوہر ہو' ڈارلنگ ۔۔۔۔ آج سے میں تمہاری دھرم پتنی ہوں۔۔۔!"

لوگ ہنسنے لگے۔

لوگوں کو اس تماشے میں لطف آ رہا تھا؛

کمل کمار غصے سے پیر پٹخنے لگا۔

طوبا نے بڑی نرمی سے کمل کمار کا ہاتھ پکڑا۔ بڑی لجاجت سے بولی:

"میں ستی ساوتری بن کر رہوں گی' تیرے چرنوں کی داسی' تیرے پاؤں دھو کر پیوں گی!"

"پرے ہٹ!"

"میں بہت اچھی بیوی بنوں گی تیری۔"

طوبا خوشامد کرتے ہوئے بولی:

"ہر روز تیرے پاؤں دباؤں گی۔ مجھے پاؤں دابنا بہت اچھی طرح سے آتا ہے۔ میں مالش بھی بہت اچھی طرح سے کر سکتی ہوں ایسی چمپی کروں گی کہ تیری دن رات کی ساری تکلیف دور ہو جائے گی۔۔۔۔۔!"

"مائی سوئٹ ہارٹ' مجھے اپنے ساتھ لے چلو!"

کمل کمار نے زور کا ایک چانٹا رسید کیا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔

چانٹا کھا کر طوبا چند لمحوں کے لئے بڑبڑائی۔ چند لمحوں کے لئے وہ حیرت سے کمل کمار کو دیکھتی رہی۔

پھر اس کا چہرہ سرخ ہونا شروع ہوا' اور جو سرخ ہونا شروع ہوا تو کانوں تک سرخ ہو گیا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر چمکنے لگیں۔۔۔۔

اس وقت کمل کمار اسے چھوڑ کر اس سے منہ موڑ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا' اور اپنی گاڑی کا پٹ کھول رہا تھا' کہ طوبا اسے للکار کر آگے بڑھی۔

"کمل کمار!"

وہ رک گیا۔

"تم' مجھے اپنے گھر نہیں لے جاؤ گے؟"

طوبا نے گرج کر اس سے پوچھا۔

"نہیں!"

"مجھے اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھو گے؟"

"نہیں!"

"میری زندگی کا سپنا پورا نہیں کرو گے؟"

"نہیں!"

"تو یہ لو۔۔۔۔۔!"

اتنا کہتے ہوئے طوبا نے جھک کر ایک گھونسہ کمل کمار کے دائیں رخسار پر جما دیا۔ دوسرا اس کے بائیں رخسار پر۔ اور یہ دونوں گھونسے اس سرعت سے کمل کمار کے منہ پر پڑے کہ گاڑی کا پٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا' اور وہ وہیں چکرا کر گاڑی کے قریب زمین پر ڈھیر ہو گیا!

طوبا نے دونوں ہاتھوں سے بے ہوش کمل کمار کو اٹھایا' اور اٹھا کر گاڑی کی پچھلی سیٹ پہ رکھ دیا۔

پھر وہ خود بھی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

بڑے زور سے اس نے گاڑی کا پٹ بند کیا' اور آگے بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے تحکمانہ لہجے میں مخاطب ہو کر کہا:

"صاحب کے گھر چلو!"

ڈرائیور نے خاموشی سے موٹر اسٹارٹ کی اور گاڑی گھما کر اسٹوڈیو کے بڑے گیٹ سے باہر نکل گیا!

ایک مہینے کے بعد کمل کمار اور طوبا کی شادی ہو گئی۔

سول میرج کے بعد ایک شان دار ریسپشن دیا گیا جس میں فلم انڈسٹری کی بڑی بڑی ہستیاں موجود تھیں۔

مدتوں یہ شادی لوگوں کے مزاح کا باعث بنی رہی۔ یہ اکثر کہا جاتا تھا کہ:

کمل کمار طوبا کی مٹھی میں ہے' بلکہ اس کے گھونسے میں ہے!

طوبا کا ستارہ ایک دم چمک اٹھا تھا۔ اس کی زندگی کا خواب پورا ہو گیا تھا۔ اس نے ایک فلمی ہیرو سے شادی کر لی تھی۔ وہ خود اب اسٹنٹ فلموں کی مشہور ہیروئن ہو گئی تھی۔ مار دھاڑ کی فلموں کے شیدائیوں میں اس کی مکابازی کی دھوم تھی۔ تماشائی اسے طوبا گھونسے والی کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اور جب بھی وہ لوگ کمل کمار کو اپنی گاڑی میں اکیلا دیکھتے تو چلا پڑتے:

"کیوں بے سالے! طوبا نے تو بہ بلا دی؟"

انٹرنیشنل نے فون کی فلم بڑے اطمینان سے چل رہی تھی۔ گلشن سیٹھ کے اندازے کے مطابق!۔۔۔ اس میں صرف تیس لاکھ کا کام باقی تھا۔ جس میں پچیس لاکھ کا فارن ایکسچینج ہو گا۔ اتنی بڑی رقم کا فارن ایکسچینج کہاں سے آئے گا؟

گلشن سیٹھ نے جب یہ مسئلہ بلبل کے سامنے رکھا' تو وہ بھی پریشان ہو گئی۔ حالاں کہ گلشن سیٹھ کے فارن اکاؤنٹ میں پچیس لاکھ روپے پڑے تھے۔ مگر اس امر سے بلبل اور پریم راہی دونوں ناواقف تھے!

ادھر یہ انٹرنیشنل فلم آخری مرحلوں پر تھی۔ ادھر ایک حادثہ ہوا، جیسا کہ فلم انڈسٹری میں اکثر ہوتا رہتا ہے۔

بمبئی کے سینما گھروں میں یکے بعد دیگرے تین تصویریں ریلیز ہوئیں، اور تینوں کی تینوں ناکام ثابت ہوئیں۔ تین تصویروں کی ناکامی سے بلبل کا بھاؤ ایک دم نیچے گر گیا۔ اور وہ دو لاکھ پر آ گئی۔ ان فلموں کی ناکامی سے پروڈیوسر اسے اپنی تصویروں میں لینے سے ہچکچانے لگے!

بلبل کا سارا روپیہ اس کی انٹرنیشنل فلم میں لگ چکا تھا، اور اب آگے آنے والی شوٹنگ کے لئے روپے کی دقت محسوس ہو رہی تھی، پریم راہی کے اکاؤنٹ میں جو ڈیڑھ دو لاکھ روپیہ اس کا ذاتی جمع تھا وہ بھی فلم میں جھونک دیا گیا، اور چند دنوں میں چنٹی ہو گیا۔

ایسے میں گلشن سیٹھ بروقت مدد نہ کرتا تو فلم کا کام ایک دم بند ہو جاتا۔ اور بلبل کا لگا ہوا روپیہ اکارت جاتا۔

گلشن سیٹھ نے بڑی فیاضی سے اس موقع پر مزید پانچ لاکھ روپیہ ایک ہی چیک میں دے دیا۔ تاکہ فلم کا کام نہ رکے۔ بلبل اور پریم راہی اس کی فیاضی سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور تہہ دل سے اس کے شکر گزار ہوئے۔

مگر اب فارن ایکسچینج کا مسئلہ تھا جس کے بغیر فلم کا کام ایک انچ آگے نہ بڑھ سکتا تھا۔ اور پانچ لاکھ ختم ہونے کے بعد انٹرنیشنل سے فون کے اکاؤنٹ میں نہ تو ہندوستانی روپیہ تھا، نہ فارن ایکسچینج، اور فلم آخری مرحلے پر تھی۔

"پچیس لاکھ کے ڈالر آئیں گے کہاں سے؟"

بلبل نے بالکل پریشان ہو کر گلشن سیٹھ سے پوچھا۔

"اگر مجھے کہیں سے تیس لاکھ روپے مل جائیں تو میں اس کے عوض پچیس لاکھ روپے کے ڈالر فراہم کر سکتا ہوں؟ کہیں نہ کہیں سے اس کا انتظام کر سکتا ہوں!"

"بلیک میں؟"

بلبل نے پوچھا۔

"ہاں!"

"تیس لاکھ روپیوں کے عوض صرف پچیس لاکھ روپے کے ڈالر ملیں گے؟"

"ہاں!"

گلشن سیٹھ نے کہا۔
"اور وہ بھی بڑی مشکل سے ملیں گے!"
"تیس کیا' اور بائیس کیا' اور بارہ کیا؟"
بلبل بولی:
"فی الحال تو دو لاکھ کا بندوبست کرنا بھی مشکل ہے۔ میری اگلی پکچر کامیاب ہو تو بات بنے!"

دو ماہ بعد اگلی پکچر کا ریلیز تھا۔ پریم راہی کا خیال تھا کہ بلبل کی یہ پکچر تو ضرور سلور جوبلی کرے گی۔

مگر دو ماہ بعد جب یہ پکچر ریلیز ہوئی تو تین ہفتوں کے بعد بیٹھ گئی' اور پانچویں ہفتے میں اتار دی گئی۔ اور بلبل کا بھاؤ ایک دم دو لاکھ سے پچاس ہزار پر آ گیا!
بلبل نے اگلے چھ ماہ میں اپنی دو فالتو گاڑیاں بیچ دیں۔ پریم راہی نے اپنی دونوں گاڑیاں بیچ دیں' اور ایک چھوٹی سی فلیٹ لے کر اپنا کام چلانے لگا۔
عجیب بات یہ ہوئی کہ بلبل کے گرتے ہوئے بھاؤ کے ساتھ ساتھ پریم راہی کا بھاؤ بھی گرتا جا رہا تھا۔ حالاں کہ اس کی کوئی پکچر اگر پاس نہیں ہوئی تھی تو فیل بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر پروڈیوسر اور پبلک کے ذہن میں چونکہ بلبل اور پریم راہی لازم و ملزوم تھے' اس لئے بلبل کی ناکامی سے پریم راہی کی ناکامی بھی بڑھتی گئی' اور وہ دن رات پریشان رہنے لگا۔
اگلے چھ ماہ میں بلبل کی دو اور تصویریں ریلیز کی گئیں۔ وہ بری طرح فیل تو نہیں ہوئیں مگر کامیاب بھی نہیں ہوئیں۔ ایک تو چھ ہفتے چلی' دوسری آٹھ ہفتے!
بلبل کو دو پکچروں میں کام ملا۔ وہ سارا روپیہ کم و بیش اس نے انٹرنیشنل سے فون میں جھونک دیا۔

پھر بلبل کی اگلی تصویر دس ہفتے چل گئی' تو بلبل کے حالات نے ذرا سنبھالا لیا۔ اب وہ پھر پچاس ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک پہنچ گئی۔
مگر اس کے بعد جو اگلے دس گیارہ ماہ میں اس کی پکچریں فیل ہونے لگیں' تو یکے بعد دیگرے فیل ہوتی چلی گئیں۔ اور بلبل ڈیڑھ لاکھ سے گرتے گرتے تیس ہزار پر پہنچ گئی۔
تیس ہزار تو وہ خود مانگتی تھی مگر دیتا کون تھا؟

دھیرے دھیرے انڈسٹری میں مشہور ہونے لگا کہ بلبل کے ستارے گردش میں ہیں۔ اسے اپنی پکچر میں لینا گویا اپنی رقم کو تھیلی میں ڈال کر سمندر میں ڈبو دینا ہے' پروڈیوسر لوگ اس کے گھر کے قریب گزرنے سے بھی ڈرنے لگے!

وہی بلبل تھی' وہی اس کی جوانی' وہی اس کا حسن و جمال' وہی اس کی دلکش اور شیریں ادائیں۔ مگر اب اسے کوئی چھونے کو بھی تیار نہ تھا۔

حالاں کہ دیکھا جائے تو اب وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔ اس کا شباب عروج پر تھا۔ زندگی کے تلخ و شیریں تجربوں نے اس کی شخصیت کو جلادی تھی۔ اور اب وہ ایک الہڑ اور ناتجربے کار لڑکی سے ایک عورت بن چکی تھی۔

ایک ایسی عورت جو من موہنے کی ہزار ادائیں رکھتی ہے اور اپنی دل کش شخصیت کے جادو سے مشکل سے مشکل مرد کے دل میں اپنی محبت کا جادو جگا سکتی ہے!

مگر فلم کا کلیہ عجب' غیر متعین' بدلتی ہوئی ریتیلی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ کامیابی کی موافق ہوا چلی' تو شہرت کی ریت کا پہاڑ اکٹھا ہو گیا' اونچا' عظیم' دیوہیکل' اہرام مصری طرح بلند و بالا کہ قریب جانے میں ہیبت ہو!

پھر جو ناکامی کی ہوا چلنے لگی' تو بیرومیٹر نیچے گرنے لگا اور ریت کی بنیادیں سرکنے لگیں۔ پل بھر میں باد مخالف کے تیز جھونکے ریت کے پہاڑ کو اپنی آندھی میں اڑا کر لے جاتے ہیں۔ جہاں پہلے پہاڑ تھا' وہاں اب صرف مٹھی بھر ریت رہ جاتی ہے!

فلمی شہرت سمندر کی لہر کی مانند ہے۔ اونچی لہر آتی ہے اور تنکے کو اپنے کف آلود تاج پر کوہ نور کے ہیرے کی طرح لگا لیتی ہے اور تنکا سمجھتا ہے' وہ لہر کا تاج ہے' تاج کا ہیرا ہے' وہ سورج سے آنکھیں ملا سکتا ہے!

پیچھے سے ایک دوسری لہر آتی ہے۔ پہلے سے بڑی اور اونچی اور خوف ناک اور منہ کھولے ہوئے دھاڑتی ہوئی آگے بڑھتی آتی ہے اور پہلی لہر پر گر پڑتی ہے اور اسے ملیا میٹ کر دیتی ہے۔ تاج ٹوٹ جاتا ہے۔ ہیرا گر جاتا ہے' اور تنکا ایک بے بضاعت شے کی طرح ساحل کی گیلی ریت پر پڑا رہ جاتا ہے!

مگر ایک امید اب بھی باقی تھی۔۔۔۔

"نور جہاں کی چھ بہنیں!"

اس فلم میں اب تک جتنا کام ہوا تھا' اسے اسکرین کے پردے پر دیکھ دیکھ کر بلبل اور پریم راہی کی آنکھیں روشن ہو جاتیں۔

اگر کسی طرح سے یہ فلم مکمل ہو جائے تو زندگی پھر جاگ اٹھے گی' شہرت پھر انگڑائی لے گی' کامیابی پھر قدم چومے گی' نہ صرف یہ کہ لاکھوں کا لگا ہوا سرمایہ واپس آ جائے گا' بلکہ کھوئی ہوئی شہرت دگنی چوگنی طاقت سے واپس آئے گی' اور بلبل اور پریم راہی پھر عظمت کی چوٹی پر ہوں گے!

جوں جوں وہ یہ فلم دیکھتے ان کا یقین بڑھتا جاتا۔ اب صرف ایک ہی راستہ تھا۔ کسی طرح جلد سے جلد یہ فلم مکمل ہو!

مگر فلم کیسے مکمل ہو؟

گلشن سیٹھ کہتا تھا کہ باہر سے اسے جتنا روپیہ مل سکتا تھا' وہ سب اس نے اس میں لگا دیا ہے۔ ہندوستان کے ڈسٹری بیوٹر جو کچھ دے سکتے تھے' وہ سب دے چکے تھے۔ کسی دوسرے فنانسر کے پاس جانے کا مطلب یہ ہوگا کہ پچیس تیس لاکھ روپے لے کر کروڑوں کا منافع اس کی جیب میں چلا جائے۔ اور شاید بلبل کی اصل رقم بھی واپس نہ ہو۔

خود گلشن سیٹھ' اس کے اپنے بیان کے مطابق' ان دنوں مالی طور پر بے حد پریشان تھا۔ دس بارہ چھوٹی موٹی فلموں میں اس کا روپیہ پھنسا ہوا تھا۔ کہیں سے روپیہ آئے تو وہ لگانے کو تیار تھا۔ مگر فی الحال اس کی کوئی صورت دکھائی نہ دیتی تھی۔

ناکامیوں کی چوٹ کھاکھاکر بلبل غصے سے بھنارہی تھی۔ وہ اس پکچر کو جلد سے جلد مکمل کر دینے کے لئے اتاولی ہو رہی تھی۔ یہی حال پریم راہی کا تھا۔ مگر وہ اس قدر بے بس اور مجبور تھا کہ اس سے اس بڑے مسئلے کو حل کرنے کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی تھی۔ اوپر سے تو وہ کچھ کہتا نہیں تھا لیکن اندر ہی اندر وہ کڑھتا رہتا تھا۔

بلبل سے اس کی شادی نہ ہوئی ہوتی تو بلبل کی ناکامی کا اثر تو اس کی ذات پر نہ پڑتا۔ وہ کوئی بہت بڑا ہیرو نہ تھا۔ مگر اس کا اپنا ایک حلقہ تھا' اور رومانی اور میٹھی اور محبت کی ماری جذباتی تصویروں میں خاصہ کامیاب سمجھا جاتا تھا۔ اس کی روزی بہت اونچی سطح پر نہ سہی ایک درمیانی سطح پر تو چل رہی تھی۔ وہ بھی اب ہاتھ سے گئی۔ دل ہی دل میں وہ بلبل کی قسمت کا شاکی تھا۔ مگر منہ سے کچھ نہیں کہتا تھا۔

ہاں اگر یہ انٹرنیشنل تصویر کسی طرح مکمل ہو جائے' تو قسمت کا ستارہ پھر بلند ہو جائے!

اس کے متعلق پریم راہی کے دل میں کسی طرح کا شبہ نہ تھا۔ بلبل نے اپنے باپ کو مدد کے لئے دو تین خط لکھے۔ مگر جب وہاں سے کوئی جواب نہ آیا' تو اس نے شو آنند سے مدد مانگنے کا فیصلہ کر لیا!

"صاحب اندر سوئمنگ پول میں ہیں!"

بند دروازے کے باہر کھڑے ہوئے دربان نے بلبل سے کہا۔

شو آنند نے اپنی کوٹھی کے اندر چاروں طرف سے دیواروں سے گھرا ہوا اور چھتا ہوا سوئمنگ پول بنوایا تھا۔

یہ سوئمنگ پول سارے شہر میں اپنی طرز کا واحد سوئمنگ پول تھا۔ چھت پر اور کنارے کنارے رنگارنگ روشنیاں نصب تھیں اور چاروں طرف سنگ مرمر کا فرش تھا۔ اور اس پر سنگ مرمر کی محرابیں اور ستون نصب تھے۔

بالکل الف لیلوی ماحول تھا!

یہاں شو آنند فرصت کے اوقات میں اور اکثر رات کے وقت اپنے فارغ لمحوں میں اپنے خاص خاص مصاحبوں کے ساتھ تیرا کرتا تھا۔ بلا اجازت کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

دربان حالاں کہ پرانا نوکر تھا اس لئے اپنی پرانی مالکن کو پہچانتا تھا' پھر بھی اپنے مالک کے حکم سے مجبور تھا۔

"اندر جانے کی اجازت بالکل نہیں ہے سرکار!"

دربان نے سر جھکا کے نیچی نظر کئے جواب دیا۔

"تم دروازہ کھولو!"

بلبل نے کڑک کر کہا۔ اور آگے بڑھی۔

دربان نے گھبرا کر دروازہ کھول دیا۔

بلبل کے اندر جاتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

سنگ مرمر کی ایک محراب کے نیچے سیاہ و سفید ستون سے ٹیک لگائے شو آنند ایک لڑکی سے بات کر رہا تھا۔ اس لڑکی کے گھنے سیاہ بال پیٹھ تک لہرا رہے تھے۔

قدموں کی چاپ سن کر وہ لڑکی اور شو آنند دونوں مڑے اور یکایک بلبل نے دیکھا کہ وہ دونوں ننگے ہیں سر سے پاؤں تک بالکل ننگے۔

پھر بلبل کی نظریں سوئمنگ پول کی جانب مڑ گئیں۔ سوئمنگ پول کے اندر جتنی لڑکیاں نہا رہی تھیں۔ سب ننگی تھیں۔ (بلبل نے دل ہی دل میں انہیں گنا' سات تھیں) ان لڑکیوں کے ساتھ جو مرد نہا رہے تھے' وہ بھی مادر زاد ننگے تھے۔

ایک لڑکی ربڑ کی ایک خوب صورت کشتی میں ننگی بیٹھی ہوئی اسے ہولے ہولے کھے رہی تھی۔ کشتی میں وہسکی کی بوتلیں تھیں اور چیک کانچ کے خوب صورت نازک سے گلاس' عورتوں کے لیے مارٹینی اور گم لیٹ اور دوسری کاک ٹیل کے لوازمات۔ کشتی کیا تھی تیرتی ہوئی ایک خوب صورت بار تھی۔

کشتی میں بیٹھی ہوئی خوب صورت ننگی لڑکی سوئمنگ پول میں نہاتی ہوئی لڑکیوں اور مردوں کو باری باری ان کی مرضی کے جام بنا کے دیتی جاتی تھی۔ سوئمنگ پول کی سطح روشنیوں سے بقعہ نور تھی' اور در و بام قہقہوں سے گونج رہے تھے۔

ایک کونے میں شو آنند کی نئی فلم کے دبلے پتلے ڈائریکٹر کو چار پانچ ننگی لڑکیوں نے گھیر لیا تھا اور شور مچاتی ہوئی اس کے کپڑے اتارنے کے دلچسپ کام میں مصروف تھیں۔

کپڑے اتار کر انہوں نے اس دبلے پتلے ڈائریکٹر کو اٹھا کر پانی میں پھینک دیا، اور پھر اس کے پیچھے پیچھے پانی میں کود گئیں۔
شو آنند نے بلبل کو دیکھ کر جلدی سے اپنا گلاس ختم کیا، اور خالی گلاس کو اپنے قریب کھڑی ہوئی ننگی لڑکی کو تھما کر سیدھا بلبل سے ملنے چلا گیا جیسے وہ مادر زاد ننگانہ ہو، بلکہ ڈریس سوٹ ڈانٹے ہوئے ہو!
"فرمایئے؟"
شو آنند نے بلبل کے قریب جاکر تعظیم دی، ذرا سا جھکا، پھر سیدھا ہو کر بولا:
"کیا حکم ہے؟"
"مجھے تم سے ضروری کام ہے۔ کپڑے پہن کر باہر چلو!"
بلبل بولی۔
"اس وقت تو میں کہیں نہیں جا سکتا!"
شو آنند بولا:
"جو کام بھی ہے یہیں بتا دیجئے۔ اگر میں پورا کر سکا، تو ضرور کر دوں گا!"
بلبل نے چند لمحوں کے لیے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ اتنے زور سے کہ گمان ہوتا تھا، ابھی ان سے لہو جاری ہو جائے گا!
رک رک کر آہستہ سے بولی:
"میری تصویر کئی ماہ سے رکی پڑی ہے۔ میری زندگی بھر کی کمائی اس میں وقف ہے۔ پکچر ختم کرنے کے لیے مجھے تیس لاکھ روپیہ چاہیے۔ تم دے سکتے ہو۔ میں تیس لاکھ کے چالیس لاکھ لوٹا دوں گی!"
شو آنند زور سے ہنسا!
"میرا خیال تھا شاید تم کبھی مجھ سے محبت کرتے تھے"۔
بلبل نے اس کی ہنسی سن کر کہا۔
"سودا برا نہیں ہے"
شو آنند بولا:
"تیس لاکھ کے چالیس لاکھ مل جائیں تو کسے انکار ہو گا؟"
"تو تم دو گے؟"

بلبل کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔
شو آنند نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا:
"مگر ایک شرط ہے!"
"کیا۔۔۔؟"
بلبل نے پوچھا۔
شو آنند نے غور سے بلبل کی طرف دیکھا۔ سر سے پاؤں تک سفید ساڑھی میں ملبوس بلبل، سنجیدہ رو، مگر کس قدر دل کش اور کس قدر متین، جیسے وہ ننگی عورتوں کے سوئمنگ پول میں اس سے گفتگو نہ کر رہی ہو کسی ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر اس سے مہذب بات چیت کر رہی ہو!
"کیا شرط ہے تمہاری؟"
"بہت معمولی شرط ہے!"
"بولو!"
"کپڑے اتار کر ہماری پارٹی میں شامل ہو جاؤ۔ میں تمہیں ابھی تیس لاکھ کا چیک دے دوں گا!"
بلبل دیر تک اس کے چہرے کی طرف غور سے دیکھتی رہی۔ اسے اپنے ضبط کامل پر کس قدر بھروسہ تھا۔ جبھی تو وہ یہاں آئی تھی۔ مگر یہاں آکر وہ اس طرح کا ماحول دیکھے گی۔ اس کا اسے مطلق اندازہ نہ تھا!
شو آنند اپنی عیاشیوں میں ڈوب کر کس قدر آگے جا چکا تھا، اس کا اسے اس وقت اندازہ ہوا۔ اگر اسے اس امر کا اندازہ اس سے پہلے ہو گیا ہوتا تو وہ مطلق یہاں نہ آتی۔ اسے ایک لمحے کے لئے شو آنند کی حالت پر افسوس نہ ہوا۔ جس راستے پر وہ گامزن تھا، اگر وہ یہاں نہ پہنچتا تو پھر کہاں پہنچتا؟
مگر وہ کیوں آئی؟
ہاں، اب اگر آگئی تھی تو اس کے لیے یہی ظاہر کرنا بہتر تھا جیسے وہ کسی سوئمنگ پول کے کنارے نہیں، کسی بزنس ٹیبل پر شو آنند سے بات چیت کر رہی ہو۔

اس نے بہت ضبط کیا۔ بہت ضبط کیا۔ ہر طرح سے اپنے آنسو روکے۔ اپنا غصہ پی لیا اس نے، مگر ضبط کرتے کرتے اس کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور ہاتھ بے اختیار ایک چانٹے کی صورت میں شو آنند کے چہرے پر پڑ گیا۔

چانٹا کھا کر شو آنند قطعاً" خفیف نہیں ہوا، بلکہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

بلبل وہاں سے بھاگ گئی۔

دروازے تک شو آنند اس کے پیچھے پیچھے ہنستا گیا۔

جاتے جاتے شو آنند کا صرف ایک فقرہ بلبل نے سنا:

"ارے تمہیں کب عقل آئے گی بلبل؟"

وہ دروازہ ایک زور کے جھٹکے سے کھول کر باہر چلی گئی۔ اور روتے روتے اپنی کار میں بیٹھ گئی اور آنسو پونچھتے پونچھتے اس نے کار اسٹارٹ کی۔

پھر اس نے اپنا سارا غصہ کار کی رفتار کو تیز کرنے میں لگا دیا۔

کاش میں وہاں جانے سے پہلے مر جاتی تو اچھا تھا!"

چند مہینے اور اسی طرح گذر گئے۔ اور حالت بد تر ہوتی گئی۔ فلم کو مکمل کرنے کی کئی تجویزیں سامنے آئیں مگر اس لئے رد کر دی گئیں کہ انہیں پیش کرنے والے اپنا مناسب حصہ لینے کے بجائے پوری فلم چٹ کر جانا چاہتے تھے۔ بلبل اور پریم راہی دونوں بہت ملول اور اداس رہنے لگے۔

چند دنوں سے بلبل دیکھ رہی تھی کہ پریم راہی اسے بڑی عجیب عجیب نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اور جوں ہی بلبل اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتی ہے وہ نظریں چرا لیتا ہے۔

پہلے تو بلبل نے اس کا چنداں خیال نہیں کیا، لیکن جب کئی بار اس نے پریم راہی کی نگاہیں پکڑلیں تو وہ اپنے آپ کو روک نہ سکی، پوچھ ہی بیٹھی:

"بات کیا ہے؟ چند دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔ کچھ کہنا چاہتے ہو، مگر کہہ نہیں پاتے ہو!"

"کچھ نہیں!"

پریم راہی نے فوراً" نظریں جھکالیں۔

"صاف صاف بتاتے کیوں نہیں ہو؟"

"گلشن سیٹھ نے ایک آفر دیا ہے!"

"کیا؟"

"وہ پکچر مکمل کرا دینے کی ذمہ داری لیتا ہے!"

"مگر وہ تو کہتا ہے میرے پاس روپیہ نہیں ہے؟"

بلبل نے پوچھا۔

"وہ کہتا ہے میں کہیں نہ کہیں سے روپیہ سود پر لا کے اس پکچر کو مکمل کرا دوں گا!"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

بلبل نے مسکرا کر کہا:
"اس میں منہ لٹکانے کی کیا بات ہے؟"
"وہ روپے میں چھ آنے پارٹنرشپ مانگتا ہے!"
"قاعدے سے دو آنے پارٹنرشپ ہونا چاہئے 'مگر اس وقت ہم پھنسے ہوئے ہیں' دے دیں گے!"
"منافع میں پندرہ فی صدی حصہ چاہتا ہے!"
"معقول تجویز ہے!"
بلبل خوش ہو کر بولی۔
"پکچر ختم ہوتے ہی سارے ولدر دور ہو جائیں گے!"
"یہی تو میں بھی کہتا ہوں"
پریم راہی کے چہرے پر خوشی کی لہریں دوڑنے لگیں:
"تم ذرا اس کو لے کے باہر چار چھ گھنٹے کے لئے چلی جاؤ اور سب شرائط طے کر لو!"
"اسے گھر پر بلا لیں گے!"
نہیں' وہ باہر جانے کے لئے کہتا ہے!"
"اچھا ہے' پکنک ہو جائے گی' تینوں چلیں گے!"
"نہیں"
پریم راہی کے منہ سے نکلا۔ پھر سر جھکا کر آہستہ سے بولا:
"میرا جانا غیر ضروری ہے!"
بلبل کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہو گئی۔ چند لمحوں کے لئے وہ بھی سناٹے میں ڈوب گئی۔ پھر پریم راہی کی طرف آہستہ سے دیکھتے ہوئے بولی:
"یہ بھی ایک شرط ہے؟"
پریم راہی کچھ نہیں بولا۔ اس کا سر اوپر نہ اٹھ سکا!
بلبل کی آنکھوں میں شعلے تیرنے لگے!
"اور تم نے یہ شرط اطمینان سے سن لی؟"
بلبل نے کڑک کر پوچھا۔
پریم راہی ہاتھ ملتے ہوئے بولا:

"چند گھنٹوں کے سیر سپاٹے کی تو بات ہے، پھر پکچر مکمل ہو جائے گی۔ قسمت کھل جائے گی۔ گھر میں اتنا روپیہ آ جائے گا کہ اگر ہم زندگی بھر کوئی اور فلم نہ بنائیں یا کسی دوسری فلم میں کام نہ کریں جب بھی مزے سے گھر بیٹھے گزر ہو سکے گی!"

"تم انسان ہو کہ جانور؟"

"مصیبت میں ہر انسان جانور بن جاتا ہے!"

"تم اپنی بات کرو، ہر ایک کی بات مت کرو!"

بلبل چمک کر بولی۔

پریم راہی دیر تک چپ رہا!

بلبل کا گلا رک گیا۔

کچھ دیر کے بعد گلا صاف کرتے ہوئے بولی:

"اگر گلشن سیٹھ نے یہی تجویز شو آنند کے سامنے رکھی ہوتی تو اس نے جھانپڑ مار دیا ہوتا!"

"شو آنند کے پاس بہت پیسہ ہے، اور میرے ہاتھ کٹ چکے ہیں!"

پریم راہی نے مضطرب لہجے میں کہا۔

"ایک جانور بھی اپنی بیوی کی عزت کا خیال رکھتا ہے۔ ایک مرغ بھی اپنی مرغی کے لئے کٹنے مرنے کو تیار ہو جاتا ہے تم تو جانوروں سے بھی گئے گزرے ہو۔ کیا سوچ کر تم نے مجھ سے محبت کی تھی۔۔۔؟ ہر روز جو تم نے میری تعریف میں شعر کہے ہیں، انہیں اگر ایک ایک میل کے فاصلے پر پھیلا دیا جائے تو ساری دنیا کا سفر ہو سکتا ہے۔ اتنا لمبا جھوٹ؟"

بلبل کے تیکھے طنز سے پریم راہی بلبلا گیا۔ صوفے میں بیٹھا بیٹھا ایک کیڑے کی طرح کلبلایا۔۔۔۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں، بولا:

"میں تم سے اسی طرح عشق کرتا ہوں، جس طرح شروع میں کرتا تھا۔ مگر پیاری عشق میں بھی ٹھنڈے دل سے کبھی کبھی سوچ لینا چاہئے۔ اگر چند گھنٹوں کی قربانی سے سارے جیون کا سکھ بچ سکتا ہو، تو کیا حرج ہے؟"

"پھر یہ بھی سوچ لو کہ ان چند گھنٹوں کے بعد کیا تم یا میں ایک دوسرے سے زندگی بھر آنکھیں ملا سکیں گے؟ جب ہم ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھیں گے تو یہ چند گھنٹے موت کے گھنٹے کی طرح ہماری روح میں بجتے نظر آئیں گے!"

"تم مبالغے سے کام لے رہی ہو۔ انسان بہت کچھ بھول سکتا ہے۔ برسوں کی یادیں حرف غلط کی طرح ماضی کے سناں خانے سے مٹادی جاتی ہیں۔ یہ تو محض چند گھنٹے ہیں۔ ان کی قیمت ادا کر کے ہم ساری زندگی آرام سے رہ سکتے ہیں!"

بلبل دیر تک اسکی طرف تکتی رہی۔ پریم راہی دوسری طرف تکتا رہا۔

بلبل پریشان ہوکر چاروں طرف کمرے کے سامان کا جائزہ لیتی رہی، اور وہ دھیرے دھیرے پوچھنے لگی:

"کیا تم یہ صوفہ نہیں چھوڑ سکتے؟ یہ ٹیلی فون؟ یہ رنگین ریشمی پردے؟ یہ برمائیک کی تپائی؟ یہ غالیچہ؟۔۔۔کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ انسان کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم لوگ اپنی بڑی بڑی غلامیوں کو توڑ کر اتنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے غلام بن گئے ہیں!"

بلبل نے اپنی بانہیں پریم کے گلے میں ڈال دیں، اور بولی:

"آؤ پریم، کہیں دور چلے جائیں، اس کچرے کے ڈھیر کو یہیں چھوڑ جائیں۔ مجھے اب ان چیزوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ انسان نے یہ چیزیں اپنے لئے بنائی ہیں، مگر اب یہ چیزیں اس پر حاوی ہونے لگی ہیں!"

پریم راہی نے مجبور ہوکر انکار میں سرہلاتے ہوئے کہا:

"میں ان چیزوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ نہیں چھوڑ سکتا!"

بلبل نے اپنا سر تپائی پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر میں تپائی کا کانچ اس کے آنسوؤں سے گیلا ہو گیا۔

پریم راہی نے اس کے سر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"ممکن ہے وہ اتنا برا نہ ہو۔ ممکن ہے وہ صرف چند گھنٹے سیر سپاٹے کے چاہتا ہو۔ ممکن ہے، جب تم اس کے ساتھ جاؤ، تو اس کے دل میں دیا آجائے!"

"یعنی قیمت بھی ادا کروں اور بھیک بھی مانگوں؟"

بلبل نے اپنا چہرہ تپائی سے اٹھاکر زہرخند لہجے میں کہا۔

پریم راہی بولا:

"وہ تمہارا فیصلہ سننے کے لئے چھ بجے شام کو آرہا ہے!"

ٹھیک چھ بجے گلشن سیٹھ آیا۔ اس نے اپنی آسمانی رنگ کی نئی پلائی موتھ بند کی' اور چابیوں کا گچھا گھماتے ہوئے بڑے اطمینان سے اور سکون سے چلتا ہوا اندر آیا۔

اسے دیکھ کر بلبل کو ایسا محسوس ہوا' جیسے یہ کوئی آدمی نہیں ہے' ایک بہت ۰ ی طاقت ہے' جو عنفوان شباب سے اس کا تعاقب کر رہی ہے۔ برسوں سے وہ اس کے قدموں کی چاپ سنتے سنتے' اس کے آگے آگے دوڑتی دوڑتی چلی جا رہی ہے' اور زندگی کے ہر موڑ پر اس نے اس کے قدموں کی چاپ سنی:

کھٹ' کھٹ..... کھٹ۔۔

جابر اور خود مختار مشیت کی طرح یہ قدم اس کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ اور وہ ان کی طرف پیچھے دیکھ دیکھ کر آگے آگے بھاگتی رہی۔ مگر یہ قدم اس کے پیچھے پیچھے آتے رہے۔ ظلم کے اندھے سکون اور اطمینان کے ساتھ اور ایک ایسے وقار کے ساتھ جیسے انہیں پورا پورا یقین ہو کہ وہ ایک دن اسے پکڑ ہی لیں گے۔

وہ ان قدموں کی قطعیت سے دہشت زدہ ہو گئی' اور چپ چاپ بیٹھی ہوئی گلشن سیٹھ کو اپنے قریب آتے دیکھتی رہی۔

یکایک گلشن سیٹھ کے چہرے میں اسے اپنے باپ کی جھلک نظر آئی۔ ایسی ہی مالکانہ نگاہیں ہوتی تھیں ان کی۔

پھر اسے گلشن سیٹھ کا چہرہ شو آنند کا چہرہ معلوم ہوا۔

پھر وہ چہرہ ایسا انجان اور سنجیدہ دکھائی دینے لگا جیسے کسی پاس بک کا چہرہ ہو۔

پھر جیسے سمندر میں لہریں سی اٹھنے لگیں' اور اسے ایسے لگا' جیسے کوئی ہزار پایہ رینگتا ہوا اس کے قریب قریب چلا آ رہا ہے اور یکایک وہ چیخ پڑی:

اب تک گلشن سیٹھ اس کے قریب صوفے میں دھنس چکا تھا۔

"کیوں ڈر گئیں؟"

گلشن سیٹھ نے بلبل سے پوچھا۔

بلبل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

شام ڈھل رہی تھی۔ روشنی بھاگتی جا رہی تھی۔ سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ گل دان کی ڈنڈیوں پر پھول سرنگوں تھے اور منی پلانٹ کی بیلیں اپنے سبز اور زرد پتوں سے

ساتھ کھڑکیوں کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب بے نوا سا دھندلکا چاروں طرف چھایا ہوا تھا۔

بلبل نے بات کرنے کی خاطر کہا:

"یہ منی پلانٹ کا پودا ہمیشہ چرا کر کیوں اگایا جاتا ہے؟"

"منی یعنی روپیہ اگر چرا کر جمع نہ کیا جائے تو کبھی بڑھتا نہیں ہے!"

گلشن سیٹھ نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ بلیک منی کا اصول قدرت کی طرف سے دیا گیا ہے!"

"بالکل!"

گلشن نے گہری نظروں سے بلبل کی طرف دیکھا، اور بلبل کے جسم پر چیونٹے سے رینگنے لگے۔

"روپیہ اور حسن دونوں کو چرا لینے میں مزا ہے!"

پریم راہی نے مارٹینی کے تین جام بھرے، اور تپائی بیچ میں سرکا دی۔

"جام اٹھاؤ!"

گلشن نے بلبل کی طرف دیکھ کر کہا۔

بلبل نے جام اٹھانے سے پہلے چاروں طرف کمرے میں دیکھا۔ یہ اس کا گھر تھا، جس کا ایک ایک کونا اس نے بڑی محنت سے سجایا تھا ایک ایک چیز کو خریدنے 'لگانے' سجانے، اور خوب صورت بنانے میں اس نے شدید عرق ریزی کی تھی۔ آج تک جیسے ان تمام چیزوں میں اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ اور وہ شاید کسی قیمت پر ان چیزوں سے جدا نہ ہو سکتی تھی۔

مگر اس وقت اسے یہ کمرہ، وہ دالان، سامنے کا باغیچہ، شام کا اڑتا ہوا رنگ، پریم راہی اور گلشن کے چہرے قطعی بے رنگ اور اجنبی نظر آئے۔ یکایک اسے محسوس ہوا جیسے وہ انہیں جانتی تک نہیں ہے، وہ ان میں سے کسی کے کھو جانے کی پرواہ تک نہیں کرتی ہے۔

پھر جیسے ہی پریم راہی نے اس کا جام اٹھا کر بلبل کے ہاتھ میں دیا۔ اور بلبل کا ہاتھ پریم کے ہاتھ سے مس ہوا۔ اس نے گھبرا کر پریم کی طرف دیکھا۔

پریم کی نگاہوں میں ایک بھوکی التجا تھی۔ جیسے ایک یتیم بچہ ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے لئے بھیک مانگے: مجھے یہ گاڑی دے دو، یہ غالیچہ دے دو۔ یہ گھر دے دو، یہ باغیچہ دے دو، یہ کپڑے، یہ کتابیں، شعر، الماری، گل دان، تجوری، ڈرائیور، شراب، تپائی، برف، چمچہ دے

دو۔ اور ان کے عوض میں صرف چند گھنٹوں کے لئے اپنا جسم دے دو۔ ڈارلنگ کیا تم میرے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتیں۔ پھر ہم ساری زندگی ایک دوسرے سے اجنبی رہ کر اور ان چیزوں سے پریم کرتے ہوئے زندہ رہیں گے.......

دھیرے دھیرے بلبل نے جام اپنے لبوں سے لگا لیا۔ دھیرے دھیرے آنکھیں بند کر کے وہ مارٹنی اس طرح پینے لگی' جیسے اپنا لہو پی رہی ہو!

مارٹنی ختم کر کے گلشن سیٹھ نے بلبل سے پوچھا:

"چلیں؟"

"ہاں!"

"بلبل کی آواز میں کسی طرح کا جذبہ نہ تھا!

گلشن اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا

بلبل پریم کی طرف دیکھے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی!

آگے آگے گلشن چلا' پیچھے پیچھے بلبل!

دونوں کمرے سے باہر نکل گئے!

رات کے ساڑھے گیارہ بجے جب بلبل لوٹی تو اس نے پریم کو وہیں اسی صوفے پر اسی طرح بیٹھا ہوا پایا۔

پہلے کار کے پٹ بند ہونے کی آواز آئی

پھر کار کے چلے جانے کی آواز آئی۔

پھر بلبل کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

پھر بلبل اندر آ گئی۔

اس کے ہاتھ میں ایک لمبا پرس تھا' اسے کھول کر اس نے ایگریمنٹ پریم راہی کے ہاتھ میں دے کر کہا:

"اس پر گلشن سیٹھ نے دستخط کر دیئے ہیں!"

پریم راہی کچھ نہیں بولا۔

چند لمحے چپ رہ کر بلبل نے پھر اپنا پرس ٹٹولا۔ گھر کی چابیوں کا ایک گچھا نکالا۔ اور اسے پریم راہی کے سامنے تپائی پر رکھ دیا۔ پھر گھوم کر کمرے سے باہر جانے لگی۔
"کہاں جا رہی ہو؟
پریم کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
بلبل نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
بولی:
"کیا اب بھی تمہیں پوچھنے کا کوئی حق ہے؟ میں نے قیمت ادا کر دی ہے' اور آج سے میں آزاد ہوں!"

ڈیم پر زمین کی کھدائی کا کام جاری تھا۔

جدھر دیکھو ہزاروں آدمی زمین کھود رہے تھے، پہاڑوں کی ڈھلانیں اور گھاٹیاں چیونٹیوں کی طرح انسانوں سے بھر گئی تھیں۔ کدالیں اور پھاوڑے ٹیلوں کو کھا رہے تھے۔ ڈائنامیٹ کے فیتے چٹانوں کو توڑ رہے تھے۔ بل ڈوزر جنات کی طرح سینہ تانے چل رہے تھے۔ گاتے ہوئے مزدوروں کی آواز لوبان کی خوشبو کی طرح دریا کی سطح پر لرز رہی تھی۔

پانی!

پہاڑوں کو کاٹ کر نیچے وادی میں گرتے ہوئے دریا کے پانی کو یہاں پر روک لیا جائے گا۔۔۔۔ لاکھوں ٹن سیمنٹ لگا کر یہاں پر شمالی ہند کا سب سے بڑا ڈیم باندھا جائے گا۔۔۔۔ ڈیم کو باندھ کر یہاں پر شمالی ہند کی سب سے بڑی جھیل بنائی جائے گی۔ جھیل سے لاکھوں ایکڑ بنجر زمین سیراب ہوگی۔ زمین پر قصبے اور شہر اگیں گے اور مکان اونچی فصلوں کی طرح لہلہائیں گے۔ پھر گھر میں کام کرتی ہوئی کوئی کنواری ہاتھ کی ذرا سی جنبش سے پیتل کی ایک سنہری ٹونٹی کھول دے گی اور۔۔۔۔

پانی!

دریا سے کھیت تک، اور کھیت سے ٹونٹی تک پانی ہزاروں لاکھوں آدمیوں کی محنت سے کتنا بڑا فاصلہ طے کرتا ہے۔ یہ ٹونٹی کھولتے وقت کس کو یاد رہتا ہے۔۔۔۔!

ایک بڑے سے ٹیلے کے گرد چاروں طرف کام ہو رہا تھا۔ کوئی ایک سو کے قریب مرد ہوں گے جو پھاوڑے اور کدالیں لئے ٹیلے کی اونچائی کو بنیاد سے ہولے ہولے کاٹ رہے تھے۔ پچیس کے قریب عورتیں تھیں، جو بیلچوں سے ٹوکریوں میں ٹیلے سے کھدی ہوئی مٹی، پتھر چٹانیں، اور سنگ ریزے بھر رہی تھیں، اور ٹوکری سر پہ اٹھا کر کسی دوسری جگہ

لے جا رہی تھیں۔ ان کے پیر، ٹخنے، بانہیں، گردن، منہ اور سر کے بال مٹی میں سنے ہوئے تھے۔ رنگا رنگ لہنگے، مٹی کے رنگ سے بھورے ہو چلے تھے۔ پسینے سے چولیاں بھیگ چلی تھیں، اور بھیگی ہوئی چولیوں سے اوپر ابھرے ہوئے سینے کی جلد سانس کی دھڑکن، خون کی گردش اور محنت کی تابش سے تمتما رہی تھی۔ کمر شمشاد کے تنے کی طرح نازک سڈول اور مضبوط نظر آتی تھی کیوں کہ محنت کمر پر کہیں فالتو گوشت نہیں رہنے دیتی۔ فالتو گوشت تو فالتو وقت اور فالتو کھانے کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے۔

ٹیلے کے اوپر دور تک نارنجی بیریوں کی خاردار جھاڑیاں ایک دوسرے سے الجھی ہوئی چلی گئی تھیں۔ بیچ بیچ میں کہیں اونچی نیچی سرمئی چٹانیں نظر آ جاتی تھیں۔ جن پر کہیں کہیں سبز کائی منڈھی ہوئی تھی۔ سبز کائی کے درمیان کہیں کہیں سفید کھمبوں کی چھوٹی چھوٹی سی چھتریاں کھلی ہوئی تھیں۔ ان چھتریوں کے نیچے گھاس کے سبز رنگ ٹڈے دھوپ سینک رہے تھے۔

جب دور کہیں ڈائنامیٹ کے چلنے کی آواز آتی تو دھوپ میں سوئے ہوئے ٹڈے ایک دم گھبرا کر اچھلنے لگتے۔ وادی، پہاڑ، گھاٹی، اور جنگل دور دور تک ڈائنامیٹ کی گرج سے گونج جاتے۔۔ زمین لرزنے لگتی۔ چند لمحوں کے بعد پھر سناٹا چھا جاتا اور مرد و عورتیں مٹی ڈھوتے ڈھوتے پھر اپنا گیت گانے لگتیں، اور ٹڈے پھر اونگھنے لگتے۔

ٹیلے کے اوپر چیڑھ کا ایک پیڑ کھڑا تھا۔

اونچا قد آور پیڑ ڈال ڈال اپنے سبز جھومروں کا دلکش لباس پہنے بڑی شان سے کھڑا تھا۔۔۔ جھومروں کے اندر کہیں کہیں سیتا پھل کی شکل کے چنا ٹھو نظر آ جاتے تھے۔ اس چیڑھ کے محراب دار چھتنارے کے نیچے تنے میں سے دو ایک جگہوں سے چھگن نکل رہا تھا۔ شہد کی طرح گاڑھا اور سنہرا اور خوشبو دار، چھگن کی خوش بو ٹیلے کے چاروں طرف اڑی اڑی پھرتی تھی۔۔۔ مٹی کی ٹوکریاں بھرتے بھرتے زمین کی سوندھی خوشبو میں چھگن کی خوشبو یوں سرکنے لگتی جیسے عورت کی کمر میں مرد کا ہاتھ اور مٹی کی بھری بھری ٹوکریاں اٹھاتے اٹھاتے عورتوں کے نتھنے کسی اجنبی خوشبو کے لمس سے لرزنے لگتے......

بلبل نے گردن اٹھا کے ایک لمحے کے لئے چیڑھ کے پیڑ کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے قریب کھڑی ہوئی ایک عورت راجاں سے کہا، کہ وہ اس کی ٹوکری اٹھا کر اس کے سر پر رکھ دے۔

راجاں نے اپنے ہاتھوں کا سہارا دیا۔
بلبل نے زور لگایا۔دوسرے لمحے میں مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری اس کے سر پر تھی!
وہ ٹوکری اٹھاکر چلنے کو تھی کہ اپنے سامنے کسی کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔۔۔
سامنے پرکاش رندھاوا کھڑا تھا' اور اسے بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔
"تم۔۔۔؟"
"یہاں کیسے۔۔۔؟"
"بلبل ہو ناں تم۔۔۔؟"
پرکاش بہت سے سوال ایک ساتھ کر رہا تھا۔
بڑے انجینئر صاحب کو یوں ایک معمولی مٹی اٹھانے والی عورت سے باتیں کرتے دیکھ کر بہت سی مزدور عورتیں پیچھے ہٹ گئی تھیں' اور حیرت سے بلبل کو دیکھ رہی تھیں۔
"تم یہاں کیسے؟
"تمہیں کیا ہوا ہے؟
"کیا تم اپنے ہوش و حواس میں ہو؟
پرکاش ایک ساتھ بہت سے سوال کر رہا تھا
اور بلبل محسوس کر رہی تھی کہ پرکاش کچھ بدل سا گیا ہے۔اس کا چہرہ بجھا بجھا سا ہے۔ لہجے میں ایک المناک سنجیدگی سی ہے۔ممکن ہے یہ اس کا وہم ہو۔ ممکن ہے زندگی کی ذمہ داریوں نے اسے سنجیدہ اور گمبھیر بنا دیا ہو۔
"جواب کیوں نہیں دیتیں؟"
پرکاش نے پوچھا۔
"ہاں۔۔میں بلبل ہوں!"
وہ بولی۔
"یہاں کیا کر رہی ہو؟"
"دیکھ تو رہے ہو!"
"مگر کیوں۔۔۔؟"
"جواب بہت لمبا ہے!"
پرکاش چند لمحوں کے لئے چپ رہا۔

پھر بے چینی سے بولا:
"میرے ساتھ گھر چلو!"
"گھر تو میں نے چھوڑ دیا ہے۔ گھر تو مجھے کبھی ملا ہی نہیں!"
بلبل اتنا کہہ کر اوپر دیکھنے لگی۔
نارنجی بیریاں خاردار جھاڑیوں پر ہیرے کی کنی کی طرح چمک رہی تھیں۔ ان کے اوپر گھنے سبز چھتارے والا چیڑھ کا پیڑ تھا۔۔ پیڑ کے اوپر شفاف نیلا آسمان تھا۔۔۔ آسمان میں ایک ابابیل پنکھ پھیلائے تیر رہی تھی۔
"تیرا گھر کہاں ہے ابابیل؟"
پرکاش نے قریب آکر کہا:
"ہندوستان کی سب سے بڑی ہیروئن 'نور جہاں کی چھ بہنوں کی شہرت یافتہ' اس تصویر کی ہیروئن جو اس وقت ساری دنیا میں چل رہی ہے۔ جس نے اپنی شہرت کے جھنڈے ہر ملک میں گاڑ دیئے ہیں۔ اس کامیاب تصویر کی ہیروئن یوں مٹی ڈھو رہی ہے؟"
"اب اسی مٹی میں مجھے آرام ملتا ہے"
بلبل نے آہستہ سے کہا۔
"مگر شہرت' دولت' گلیمر؟"
"کس کام کی وہ چیزیں' جب خوشی نہ ملے؟"
بلبل نے پرکاش سے پوچھا۔
"یہاں میں روز مٹی ڈھوتی ہوں' روز بارہ آنے پاتی ہوں' روز دو روٹی کھاتی ہوں' اور رات کو گہری نیند سو جاتی ہوں!"
"خوش ہو۔۔۔۔۔؟"
پرکاش نے پھر پوچھا۔
"معلوم نہیں!"
وہ بولی:
"سوچنے کے لئے وقت نہیں ملتا۔۔۔۔!"
پرکاش کچھ لمحوں کے لئے بڑے عجیب طریقے سے اسے دیکھتا رہا۔
اب بلبل نے اس سے پوچھا۔

"تم کیسے ہو۔۔۔؟"
"ٹھیک ہوں۔۔۔؟"
"کتنے بچے ہیں۔۔۔؟"
"تین!"

"اور راجشوری؟۔ میرا مطلب ہے تمہاری بیوی کیسی ہے؟ تم سے خوش ہے؟ تم اس سے خوش ہو؟"

پرکاش کی آنکھیں گہری ہوگئیں۔ اس نے جلدی جلدی اپنی آنکھیں جھپکیں۔ سر جھکا کے بولا:

"چھ مہینے ہوئے وہ چل بسی۔۔۔۔!"
"اوہ۔۔۔۔!"

پھر وہ دونوں دیر تک خاموش کھڑے رہے۔

کہیں پر زور سے ڈائنامیٹ کا فیتا پھٹا۔ پہاڑ اور گھاٹیاں لرزنے لگیں۔۔ پھر زمین کی لرزش ختم ہوگئی مگر بلبل کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی۔

"میرے گھر چلو بلبل"

پرکاش نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بلبل دیر تک اس کی طرف خاموشی سے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے انکار میں سر ہلا دیا۔

"میں تمہیں کبھی بھولا نہیں!"

وہ گھٹنے گھٹنے لہجے میں کہنے لگا۔

بلبل پرکاش کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کی قمیص کے کالر ادھڑے ہوئے تھے۔ بیچ کا ایک بٹن غائب تھا۔ پتلون کی کریز جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی، اور پاؤں کی چپلیں مٹی میں سنی ہوئی اور گھسی ہوئی تھیں۔ اور وہ ایک ایسا گندہ سا بچہ نظر آتا تھا جس کی ماں نے اسے کئی دن سے نہ نہلایا ہو!

ایک عجیب سا پیار پر کاش کے لئے بلبل کے دل میں امڈ نے لگا۔ مگر اس نے اپنے من کو روک لیا!

"مجھ سے شادی کرو گی؟"

پر کاش بے اختیار کہہ اٹھا۔

ہولے سے بلبل نے انکار میں سر ہلا دیا۔

"ابھی نہیں..... ابھی تو میں کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ اور بہت دنوں تک نہیں کروں گی..... اور جب کروں گی تو کسی ایسے آدمی سے کروں گی......."

وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

"کیسے آدمی سے کرو گی؟"

پر کاش نے پوچھا۔

"جو زمین سے بہت قریب ہو گا!"

بلبل نے گویا اپنے آپ سے کہا۔

پر کاش دیر تک عجیب عجیب پھٹی پھٹی نگاہوں سے بلبل کو دیکھتا رہا۔

پھر ایک دم کچھ کہے سنے بغیر گھوم گیا۔ اور ہولے ہولے سر جھکا کر ٹیلے کے دوسری طرف جانے لگا۔

اس کے بھاری بوجھل قدموں کی اداسی بلبل کے دل کو چھو رہی تھی۔ مگر اب وہ اپنے من کو بھاگنے نہیں دے گی!

جب پر کاش نظروں سے غائب ہو گیا' تو اس نے سر اٹھایا۔ اور سر اٹھا کر دور اوپر آسمان میں دوڑتی ہوئی ابابیل کی طرف دیکھا۔ پھر اس نے ایک لمبی سانس لے کر اپنے سر پر ٹوکری ٹھیک کی' اور جلدی جلدی قدم بڑھا کر ان گیت گانے والی عورتوں میں شامل ہو گئی جو اپنے سر پر مٹی کی ٹوکریاں اٹھائے قطار باندھے ٹیلے سے پرے چلی جا رہی تھیں!

چاندی کے گھاؤ